عجیب جنگ
صادق حسین صدیقی

اسلامی تاریخی ناول

عجیب جنگ

صادق حسین صدیقی

★

شاہد بکڈپو اردو بازار جامع مسجد دہلی

عجیب جنگ

ناشر ———— شاہد
مطبع ———— الیون پرنٹرس
تعداد ———— ایک ہزار
قیمت ———— /80 روپے
سن اشاعت ———— 1994

شاہد بکڈپو اردو بازار جامع مسجد دہلی

(۱)

مظلوم قافلہ

ایک چھوٹا سا قافلہ اس سڑک کو طے کر رہا تھا۔ جو جیان ہو کر غرناطہ جاتی تھی۔ اس قافلہ میں چند بچے تھے، چند نو عمر حسین عربی دوشیزہ تھیں، چند نوجوان تھے اور دو بوڑھے عرب تھے۔ یہ سب ایک ہی قبیلہ کے لوگ تھے اور اس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جو کافی عرصہ قبل اندلس میں آکر آباد ہو گیا تھا۔

ایک زمانہ تھا جب تمام اندلس پر عربوں کا قبضہ تھا اور بادیہ نشین عربوں نے اندلس کو پشت زار بنا دیا تھا۔ اس کے چپہ چپہ پر باغ اور باغیچے لگا دیے تھے۔ نہروں کے جال بچھا دیے تھے۔ بنجر اور سنگ لاخ زمینوں کو قابل کاشت بنا دیا تھا۔ کاشتکاری کے فن میں ایسی ترقی کی تھی کہ ایک سال میں ایک ہی جنس کی کئی کئی فصلیں حاصل کر لیتے تھے۔ ایشیا کے دور دراز ملکوں سے مشہور و خوش ذائقہ اور خوشنما پھل اور پھول لا کر لگائے گئے تھے۔ اسپین کے باشندے انھیں جادوگر سمجھتے تھے۔

لیکن اس وقت کا ذکر ہے۔ جب مسلمانوں میں اتفاق تھا۔ ہمدردی تھی۔ اخلاق تھا۔ محبت تھی۔ وہ خدا کے تھے اور خدا ان کا تھا۔ وہ خدا کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ اس سے ڈرتے تھے۔ روزے نماز کے پابند تھے۔ زکوٰۃ دیتے تھے۔ حج کرتے تھے۔ خدا انھیں نوازتا تھا۔ ان پر اپنی رحمتوں اور نعمتوں کی بارش کرتا تھا۔ دولت ان کے پیروں پڑتی تھی اور حکومت ان کی کنیز تھی۔ ان کی عزت و عظمت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے مغرور بادشاہ ان کی آستاں بوسی کو بڑا فخر سمجھتے تھے۔

مگر جب ان میں نااتفاقی ہوئی۔ انہوں نے خدا کے احکام سے روگردانی کی تو ذلیل و رسوا ہو کر رہ گئے۔ عیسائیوں نے انہیں اسپین سے نکالنا شروع کر دیا۔ ان کی ایک مختصر سی حکومت غرناطہ میں رہ گئی۔ مسلمان اسپین کے علاقوں سے سمٹ کر غرناطہ میں آنے اور آباد ہونے لگے۔ جس قافلہ کا ہم ذکر رہے ہیں وہ سرحدی علاقوں سے آ رہا تھا۔ شام کا وقت ہو گیا تھا۔ جیان ابھی دور تھا۔ اس لیے اس قافلہ نے ایک کھلے میدان میں قیام کر دیا۔ ان کے ساتھ چند خیمے تھے۔ انہوں نے جلدی جلدی خیمے نصب کئے اور کھانا تیار کرنے لگے۔

عرب دوشیزاؤں میں ایک لڑکی نہایت حسین تھی۔ اس کا نام حسانہ تھا۔ وہ اس قبیلہ کے سردار یعقوب کی بیٹی تھی۔ نہایت ہوشیار اور تعلیم یافتہ تھی۔ وہ اس قدر حسین اور نازنین تھی کہ گل اسپین کہلاتی تھی مگر اس حسین و نزاکت پر بھی اس نے اپنی قومی روایات کے مطابق فنون جنگ بھی سیکھے تھے۔ تیر افگنی، شمشیر زنی اور نیزہ بازی میں خوب ماہر تھی۔ اس کے تیر کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا تھا۔ ہرنوں کا شکار کر لیا کرتی تھی۔ اس سے تمام قبیلہ والے بڑی محبت کرتے۔ وہ تھی بھی محبت کیے جانے کے قابل۔

حسانہ کے ایک بھائی ریحان تھے۔ بڑے شاندار اور خوب رو نوجوان تھے۔ نہایت بہادر دلیر اور نڈر تھے۔ باپ ان پر جان دیتے تھے اور تمام قبیلہ ان کی ذات پر فخر کرتا تھا۔ انہیں اپنی بہن سے بڑی محبت تھی۔ اگرچہ یہ لوگ اپنا وطن، اپنی دولت، اپنا ملک سب کچھ چھوڑ کر آئے تھے، لیکن غمزدہ نہیں تھے۔ شاید انہیں یہ اطمینان تھا کہ ایک روز وہ ضرور اپنے وطن میں واپس جا کر آباد ہوں گے۔

حسانہ خیمہ سے باہر بیٹھی تھی۔ آفتاب کی سنہری کرنیں اس کے حسین چہرہ پر تصدق ہو رہی تھیں۔ وہ کسی خیال میں مستغرق تھی۔ ریحان آ گئے۔ انہوں نے کہا کس فکر میں ہو حسانہ۔ کیا اب بھی اشعار موزوں کر رہی ہو؟"

حسانہ نے اپنی حسین آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ بھائی جان! تم ٹھیک سمجھے۔

ریحان نے استہزا کے طور پر کہا اور تمہیں آتا ہی کیا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ شاعری تمہارے کس کام آئے گی۔

حسانہ اچھی شاعرہ تھی۔ جہاں اس کے حسن و جمال کی شہرت تھی وہاں اس کی شاعری کی بھی دھوم تھی۔ اس کے اکثر اشعار زبان زد خاص و عام تھے۔ اس کے کلام میں غضب کی شیرینی تھی۔ اکثر شاعر اس کے اشعار سن کر دنگ رہ جاتے تھے اور جب کبھی وہ ان اشعار کو خود ترنم سے پڑھتی تھی تو سماں بندھ جاتا تھا۔ سننے والے وجد و جذب کرنے لگتے تھے۔ اس کی آواز میں بڑی شیرینی تھی۔

ریحان خوب جانتے تھے کہ حسانہ کو جب جوش میں لانا ہو تو اس کی شاعری پر اعتراض کر دو۔ چنانچہ انہوں نے اسے جوش میں لانے کے لیے یہ فقرہ چست کر دیا۔ حسانہ سرخ ہو گئی۔ اس نے کہا، "اپنی خیر لو۔ ذرا ابا جان یا اور کسی نے تعریف کر دی اور پھول کر کپا ہو گئے۔"

ریحان: او ہو ناراض ہو گئیں تم۔ ارے مجھے تو یہ فخر ہے کہ میری بہن مشہور شاعرہ ہے۔

حسانہ: تم بدو (گنوار) ہو۔ تمہیں شاعری آتی ہی نہیں۔ مجھ پر اعتراض کرنے لگتے ہو۔

ریحان: بھئی ہم تو بدو (گنوار) ہی سہی۔ مگر ہماری بہادری کی تو دھاک ہے۔ ہماری شمشیر زنی کی تو دھوم ہے۔

حسانہ نے حسین قہقہہ لگایا اور کہا، "اچھا — خالد عصر تم ہی ہو ہائے بے چارے بہادر اور شمشیر زن عیسائیوں کے ڈر سے بھاگ کر آئے ہیں۔ ایسے ہی دلیر ہوتے ہیں۔

ریحان: میں اور بھاگ کر آتا۔ تم بھاگ پڑیں۔ میں تمہاری حفاظت کے لیے تمہارے ساتھ ہو لیا۔

حسانہ: جی کیوں نہیں۔ عیسائیوں کے حملہ کی خبر سن کر شاید پسینہ مجھے ہی تو آ گیا تھا۔

ریحان: تمہیں نہ آتا تو کیا مجھے آتا۔ اگر ہمارا قبیلہ ٹھہر جاتا تو میں ضرور عیسائیوں کا مقابلہ کرتا۔ میں نے عہد کیا ہے حسانہ! کہ ان عیسائیوں سے جنہوں نے ہمیں ہمارے وطن سے نکالا ہے ضرور انتقام لوں گا۔

حسانہ: میرے دل میں بھی انتقام کی آگ دہک رہی ہے۔ خدا کی قسم اگر مجھے موقع ملا تو میں بھی عیسائیوں سے ضرور انتقام لوں گی۔ ہم آرام اور اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان بدبخت عیسائیوں نے سرحدی بستیوں پر تاخت کر کے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ خدا ہی جانتا ہے کیسے کیسے ہونہار بچے اور کیسی کیسی عجیب خواتین کو شہید کر ڈالا۔ اب مسلمانوں کی پناہ گاہ صرف غرناطہ ہی رہ گیا ہے۔ خدا غرناطہ کے بادشاہ خلیفہ ابو ولید کو ایسی قوت و طاقت عطا فرمائے کہ وہ مسلمانوں کے خونِ ناحق کا انتقام درندہ خصلت عیسائیوں سے لے سکیں۔

ریحان: آمین

ہم سنہ ۱۸ھ کے واقعات قلمبند کر رہے ہیں۔ اس وقت عیسائیوں کی مضبوط سلطنت قسطلہ (کسٹائل) میں قائم ہو چکی تھی اور اس سلطنت نے اسلامی حکومتوں کو ہڑپ کرنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ قرطبہ اور طلیطلہ کی اسلامی سلطنتوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ صرف غرناطہ میں ایک چھوٹی سی اسلامی حکومت باقی رہ گئی تھی۔ جو تمام اندلس کے چوتھائی رقبہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ یعنی تین حصوں پر عیسائی قابض تھے اور ایک حصہ پر مسلمان۔

غرناطہ کے فرمانروا خلیفہ ابو الولید تھے۔ وہ ابو سعید کے بیٹے تھے۔ انہوں نے اپنی قوتِ بازو سے یہ سلطنت حاصل کی تھی۔ وہ نہایت ہوشیار، مدبر، سنجیدہ، دلیر اور ہوشمند فرمانروا تھے۔ عیسائیوں کو خوف ہوا کہ اگر ان کے قدم جم گئے اور ان کی قوت بڑھ گئی تو کہیں وہ تمام اندلس پر قبضہ نہ کر لیں۔ اس لیے انہوں نے انہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا اور جنگ میں الجھا کر ان کی قوت کو کمزور کر کے ان کی سلطنت چھین لینے کی بھی کوشش شروع کر دی۔

سلطان ابو الولید بھی عیسائیوں کی چیرہ دستیوں کو دیکھ رہے تھے۔ مگر ان میں اس قدر طاقت نہیں آئی تھی کہ وہ عیسائیوں کی زبردست قوت کا مقابلہ کر سکتے۔ وہ اس فکر میں ضرور تھے کہ اگر انہیں مہلت مل جائے اور ان کے پاس کچھ لشکر جمع ہو جائے تو وہ عیسائیوں کی قزاقی اور شوخی کا جواب دیں۔

عیسائیوں نے غرناطہ کے سرحدی علاقہ پر تاخت شروع کر دی تھی اور نہایت وحشیانہ اور بے ہودہ طریقہ پر درندگی کے ساتھ بے کس اور بے بس مسلمانوں پر حملے کر کے انہیں تباہ اور برباد کرنے لگے تھے۔ بعض بستیوں کو انہوں نے بالکل تاراج کر ڈالا تھا۔ ان کی سفاکی کی خبریں سن کر مسلمانوں کے بعض قبیلے سرحدی بستیوں سے بھاگ بھاگ کر غرناطہ میں آنے لگے تھے۔ ریحان کا قبیلہ بھی ہجرت کر کے غرناطہ جا رہا تھا۔ ریحان نے کہا۔

"ہماری آپس کی نااتفاقی نے ہمیں یہ روزِ بد دکھایا ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے۔ ہمارے لیے ایک جائے پناہ غرناطہ کی ابھی سرزمین اندلس میں موجود ہے۔ ہم خلیفہ اندلس کے قوتِ بازو بن کر عیسائیوں سے انتقام لیں گے۔

حسانہ: انشاء اللہ

ابھی دونوں بہن بھائیوں میں اسی قدر گفتگو ہوئی تھی کہ ایک سوار ان کے قریب آیا۔ وہ نوجوان عراقی تھا۔ خون میں نہا رہا تھا۔ حسانہ کی اس پر نظر پڑی۔ اس نے کہا،

"بھائی جان، دیکھنا یہ کون مظلوم آ رہا ہے۔"

ریحان نے دیکھا۔ آنے والے سوار کی حالت دیکھ کر ان کے دل میں اخوتِ اسلامی نے جوش مارا۔ وہ جلدی سے اٹھے اور یہ کہتے ہوئے اس سوار کی طرف بڑھے کہ عیسائیوں کا ستایا ہوا معلوم ہوتا ہے۔"

ریحان نے جلدی سے اعرابی کے پاس پہنچ کر انہیں گھوڑے سے اتارا۔ وہ اترتے ہی بے ہوش ہو گئے۔ ریحان انہیں حسانہ کے پاس لے آئے۔

(۲)

زخمی نوجوان

ریحان جلدی سے پانی لائے۔ زخمی اعرابی کے منہ پر چھینٹے دیے۔ یہ خیمہ جس میں حسانہ تھی اس قافلہ کے کنارے پر تھا۔ دوسرے خیمے اس کے بعد قطار میں نصب تھے اور سب لوگ کاموں میں کچھ ایسے مصروف تھے کہ انہوں نے اس زخمی اعرابی کو آتے ہوئے نہیں دیکھا۔

کچھ وقفہ کے بعد اعرابی نے آنکھیں کھولیں۔ ریحان نے کہا۔ "بھائی تم کہاں سے آرہے ہو—؟"

اعرابی نے نحیف آواز میں کہا۔ "میں دور سے آرہا ہوں۔ افسوس میری بہن۔"

ریحان: کہاں ہے تمہاری بہن ؟

اعرابی: عیسائیوں کے قبضہ میں۔۔۔ او خدایا تو مجھے اتنی طاقت دے کہ میں اپنی بہن کو ان درندوں کے ہاتھوں سے چھڑا لوں۔۔۔ یا مجھے موت دے۔

اعرابی کی طاقت جواب دیتی جا رہی تھی۔ وہ رک رک کر بول رہے تھے۔ حسانہ ایک طرف بیٹھی افسوس اور غم بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ریحان بھی ان کی بہن کا تذکرہ سن کر کچھ بے چین ہو گئے تھے۔ خود ان کی ایک بہن حسانہ تھی۔ جس پر اپنی جان تک قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ بہن بھی ان پر جان دیتی تھی۔ بہن کے لیے بھائی سے زیادہ اور بھائی کے لیے بہن سے زیادہ کیا چیز عزیز ہو سکتی تھی۔ انہیں خیال آرہا تھا کہ اس اعرابی کی بہن عیسائیوں کے پنجے میں چلی گئی ہے۔ اس اعرابی کے دل کا کیا حال ہو رہا ہوگا۔ انہوں نے جلدی سے کہا۔

"وہ عیسائی کہاں ہیں ؟"

اعرابی: وہ قریب ہی ہیں۔ انہوں نے مجھے زخمی کر دیا ہے۔

ریحان: کس طرف ہیں وہ درندے ؟

اعرابی: سامنے کی طرف۔ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر۔

ریحان: کتنے لوگ ہیں وہ ؟

اعرابی: پندرہ یا بیس ہیں۔ چار آدمیوں کو میں نے بھی مار ڈالا ہے۔ انہوں نے ایک لمبی آہ بھری اور ان پر پھر غفلت طاری ہونے لگی۔ ریحان ان سے کچھ حالات پوچھنا چاہتے تھے لیکن اب ان میں جواب دینے کی قوت نہیں رہی تھی۔ وہ بے ہوش ہو گئے تھے ریحان نے حسانہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "حسانہ، کیا تم اس اعرابی کی مرہم پٹی کرو گی۔

حسانہ: ضرور، مگر بھائی جان، ان کی بہن۔

ریحان: میں اس کی تلاش میں جاؤں گا۔

حسانہ: کیا تنہا جاؤ گے تم—؟

ریحان: میں اپنی جان کا مالک ہوں۔ تنہا ہی جاؤں گا۔

حسانہ: قبیلہ کے دو چار نوجوانوں کو اور ساتھ لے لو۔

ریحان: میں کسی سے کچھ نہ کہوں گا۔

ریحان مسلح ہونے کے لیے خیمہ کے اندر چلے گئے۔

حسانہ نے کھڑی ہو کر کہا۔ "اے آل غالب!"

یہ قبیلہ آل غالب تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی کئی لڑکیاں اور کئی نوجوان دوڑ کر اس کے پاس آگئے۔ اس نے اپنے چہرہ پر نقاب ڈال لیا۔ لڑکیوں نے کہا۔ "کیا ہے حسانہ؟"

حسانہ نے زخمی اعرابی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اپنے اس بھائی کو دیکھو۔ اسے وحشی عیسائیوں نے زخمی کیا ہے اور اس کی بہن کو چھین کر لے گئے ہیں۔ بھائی جان ان عیسائیوں کے تعاقب میں جا رہے ہیں۔ وہ خونخوار درندے پندرہ یا بیس ہیں۔

وہ کہہ رہی تھی۔ اس کی نقرئی آواز ایسی معلوم ہو رہی تھی۔ جیسے چاندی کی گھنٹیاں بج

رہی ہوں۔ اس نے ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ ڈالا۔

چند ادھیڑ عمر کے آدمی بھی وہاں اکٹھے ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "ان درندوں کی درندگی حد سے بڑھ گئی ہے۔ ہمیں اس کی بہن کو واپس لانے کی ضرور کوشش کرنی چاہیے۔"

اس وقت ریحان مسلح ہو کر خیمے سے باہر آئے۔ انہوں نے کہا۔ "میں ان خونخوار بھیڑیوں کے تعاقب میں جا رہا ہوں۔"

چند نوجوانوں نے کہا۔ اے ابن یعقوب، اتنی دیر صبر کرو کہ ہم بھی مسلح ہو کر آجائیں۔

وہ بھی تیزی سے اپنے اپنے خیمے کی طرف دوڑے۔ ریحان گھوڑے پر زین کسنے لگے۔ حسانہ نے عرب دوشیزاؤں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اس نوجوان عرب کی مرہم پٹی میں کون میری مدد کرے گی۔

اس وقت ایک سن رسیدہ عرب وہاں آگئے۔ وہ بڑے شاندار اور قوی الجثہ تھے۔ ان کا نام یعقوب تھا۔ وہ حسانہ اور ریحان کے والد تھے۔ انہوں نے کہا۔ شاباش۔ عرب دوشیزاؤ مرحبا۔ جلد اس کی مرہم پٹی شروع کرو۔

لڑکیوں نے عرب کی عبا پھاڑ ڈالی اور یہ دیکھنا شروع کر دیا کہ کس قدر زخم ہیں اور کتنے گہرے ہیں۔ ریحان نے زین کس لیا تھا اور وہ یعقوب کو اعرابی کی داستان سنا رہے تھے۔ یعقوب کو جوش آگیا۔ انہوں نے کہا۔

فرزند یا تو تم اس لڑکی کو درندہ عیسائیوں کے چنگل سے چھڑا کر لانا۔ یا اس کوشش میں مر جانا۔

ریحان: انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔

اب وہ نوجوان بھی مسلح ہو کر اور گھوڑوں پر سوار ہو کر آگئے۔ جو تیار ہونے کے لیے گئے تھے۔ ریحان بھی گھوڑے پر سوار ہوئے۔ انہوں نے قبیلہ والوں سے کہا۔ "خدا حافظ۔"
یعقوب نے کہا۔ "فی امان اللہ۔"

حسانہ نے ریحان سے کہا۔ "بھائی جان، میری اس بہن کو ضرور واپس لانا جو بدقسمتی سے وحشی عیسائیوں کے پنجہ میں پھنس گئی ہے۔"

ریحان۔ انشاء اللہ خدا میری مدد کرے گا۔

حسانہ: جاؤ خدا تم پر اپنی رحمت کا سایہ رکھے۔

ریحان نے گھوڑے کی باگ اٹھائی۔ ان کے ساتھیوں نے بھی باگیں سنبھالیں۔ گھوڑے کچھ دور تک مسکراتے چلے اور پھر انہوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ یہ سب پانچ جوان تھے۔ جو عیسائیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔

اس قافلہ میں اور بھی بہت سے نوجوان تھے۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر کو تو اس واقعہ کی خبر ہی نہیں ہوئی اور دو چار کو خبر بھی ہوئی تو اس وقت جب ریحان اور ان کے ساتھی روانہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے بھی ان کے پیچھے جانا چاہا۔ لیکن میر قبیلہ یعقوب نے انہیں یہ کہہ کر روک لیا کہ پندرہ بیس ہی تو عیسائی ہیں۔ ان کے تعاقب میں پانچ شیر گئے ہیں اور کسی کو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس لیے اور نوجوان نہ جا سکے۔ لیکن ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ انہیں اپنے نہ جانے کا افسوس ہے۔

اس قبیلہ کی چار پانچ دوشیزائیں زخموں کو دیکھ کر اندازہ کر رہی تھیں کہ کتنے زخم ہیں۔ اور ان کی کیا حالت ہے۔ بعض زخم معمولی تھے۔ بعض گہرے تھے۔ ان زخموں پر عبا چپک گئی تھی۔ جب انہوں نے عبا کو الگ کیا۔ تو زخموں سے خون رسنے لگا۔

اگرچہ اعرابی بے ہوش تھے۔ لیکن جب بڑے زخموں کے اوپر سے چپکی ہوئی عبا کو کھینچا جاتا تھا تو وہ کچھ اچھل پڑتے تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ زخم اتنے شدید ہیں کہ بے ہوشی کی حالت میں بھی انہیں تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔

نوجوان وہاں سے چلے گئے تھے تاکہ عربی لڑکیاں اطمینان اور بغیر کسی رکاوٹ کے زخمی کی مرہم پٹی کر سکیں۔ لیکن یعقوب نے لڑکیوں کو تنبیہہ کرتے ہوئے کہا۔ نہایت آہستگی اور ہوشیاری سے کام کرو۔

حسانہ خود یہ چاہتی تھی کہ زخمی کے بدن سے عبا جھٹکے سے نہ اتاری جائے بلکہ آہستہ آہستہ کھینچی جائے جس سے زخمی کے جسم کو اذیت نہ پہنچے۔ چنانچہ اس نے لڑکیوں سے کہا۔

تم ذرا صبر کرو۔ عبا میں اتارتی ہوں۔ اگر ممکن ہو سکے تو تم میں سے کوئی جا کر پانی گرم کر لائے۔

یعقوب: لیکن ایسے زخموں کو پانی سے دھونا تو مناسب نہ ہوگا۔

حسانہ: آپ بے فکر رہیے۔ ہم اس کام کو خوب جانتے ہیں۔

اور واقعی اس زمانہ میں عرب دوشیزائیں اور خواتین مرہم پٹی کے کام سے بہت زیادہ واقفیت رکھتی تھیں۔ وہ اس فن کو باقاعدہ سیکھی تھیں۔ اکثر میدان جنگ میں جاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی اور دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔ یعقوب نے کہا: "اچھا بھئی۔ جو تمہاری سمجھ میں آئے کرو۔"

حسانہ نے آہستہ آہستہ عبا کی تمام دھجیاں ایک ایک کر کے اتار ڈالیں۔ قمیص بھی پھاڑ کر اتار دی۔ صرف شلوار رہنے دی۔ تھوڑی ہی دیر میں جو لڑکی پانی گرم کرنے گئی تھی۔ وہ پانی لے آئی۔ پانی تیز گرم تھا۔ حسانہ نے صاف کپڑے کو گرم پانی میں تر کر کے زخموں کو بڑی احتیاط سے دھو کر صاف کیا اور مرہم بڑی آہستگی سے ملا۔ اس کے بعد اور لڑکیوں کی مدد سے پٹیاں کس دیں۔ اس طرح انہوں نے جسم کے اوپر کا حصہ کی مرہم پٹی کر دی۔ اب حسانہ نے یعقوب سے کہا۔

اچھا ہو کہ آپ یہ دیکھ لیں کہ جسم کے نیچے کے حصے میں تو کوئی زخم نہیں ہے۔

یعقوب: ٹھیک کہتی ہو۔

لڑکیاں وہاں سے علیحدہ ہو گئیں۔ یعقوب نے جسم کے نیچے کا حصہ دیکھا۔ اس میں زخم نہیں تھے۔ وہ اور دوسرے عرب ان اعرابی کو اٹھا کر حسانہ کے خیمے میں لے گئے اور آہستہ سے نرم بستر پر لٹا دیا۔ یعقوب نے کہا "نیچے کے حصے میں زخم نہیں ہے۔"

یعقوب اور عرب چلے گئے۔ لڑکیاں وہاں بیٹھ گئیں۔

٭

(۳)

سفاک عیسائی

ریحان اور ان کے ساتھی بڑی تیزی سے چلے جا رہے تھے۔ آفتاب افق مغرب کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اس کی سنہری مائل کرنیں سمٹ سمٹا کر اونچے درختوں کی چوٹیوں پر پہنچ گئی تھیں۔ چونکہ دن چھپنے لگا تھا۔ اس لیے ان نوجوانوں نے اپنے گھوڑوں کو سرپٹ چھوڑ دیا تھا۔ عربی گھوڑوں کے پیٹ زمین سے مل مل جاتے تھے۔ نوجوان شہ سواروں کی شان سے جمے ہوئے تھے۔ وہ دن چھپنے سے پہلے دشمنوں کو جا دبانا چاہتے تھے۔

آخر آفتاب غروب ہو گیا۔ انہوں نے باگیں سمیٹیں۔ گھوڑوں کی رفتار دھیمی کی اور کچھ دور چل کر انہیں روک لیا۔ گھوڑوں سے نیچے اترے۔ وہاں پانی نہیں تھا۔ انہوں نے تیمم کیا۔ اذان دی اور جماعت کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد دعا مانگی۔ "رب العالمین ہماری مدد کر۔ ہمیں ان دشمنوں تک پہنچا دے جو ایک معصوم اور مظلوم عربی دوشیزہ کو لے گئے ہیں۔"

وہ پھر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تیزی سے چلے لیکن تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ اندھیرا غالب آگیا۔ چاند عشاء کے بعد نکلنے والا تھا۔ اس لیے اجالا غائب ہوتا اور اندھیرا بڑھتا جاتا تھا۔ مجبوراً انہیں گھوڑوں کی رفتار کم کرنی پڑی۔ موسم کچھ ایسا تھا کہ شروع رات ہی سے خنکی ہو جاتی تھی۔ سردی بڑھتی جاتی تھی۔ ان لوگوں نے جلدی کی وجہ سے نہ تو گرم عبائیں پہنیں۔ نہ کمبل لیے۔ نہ ایسے کپڑے لیے جن سے رات کی سردی سے امن مل جاتا۔

جب تک یہ لوگ تیز چلتے رہے سواری کی مشقت کی وجہ سے انہیں ٹھنڈ معلوم نہیں

ہوئی۔ لیکن اب جبکہ انہیں اندھیرے کی وجہ سے آہستہ چلنا پڑا تو خنکی محسوس ہونے لگی
ایک نوجوان نے کہا: "ہم سے بڑی غلطی ہوئی۔ ہم نے سردی سے بچنے کے لیے کوئی کپڑا
نہیں لیا۔"

ریحان: "پرواہ نہ کرو۔ اگر خدا نے چاہا اور عیسائی ہمیں مل گئے تو بہت کپڑے مل جائیں
گے۔"

دوسرے نوجوان: "تم نے ٹھیک کہا ریحان۔ اگر مل جائیں تو انشاءاللہ ہمارے لیے کپڑے
کی کمی نہ رہے گی۔ لیکن ان کا ملنا بھی تو آسان نہیں ہے۔ خدا جانے کس مقام پر زخمی نوجوان کا
ان سے مقابلہ ہوا اور کب مقابلہ ہوا۔"

ریحان: "ان کے زخم تازہ تھے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کہیں قریب ہی ان پر
حملہ ہوا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ان کی بے ہوشی نے انہیں کچھ زیادہ نہیں کہنے دیا۔ یہی غنیمت
ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کا ذکر دیا۔"

ایک تیسرے نوجوان جن کا نام یوسف اخیلی تھا بولا "خدا جانے مظلوم زخمی نوجوان کا کیا حال
ہوگا۔ جب ہم چلے ہیں تو وہ بالکل بے ہوش تھے۔"

ریحان: "خدا ان پر اپنا فضل کرے۔ مجھے تو ان کی زندگی سے ناامیدی سی ہو رہی ہے۔"

یوسف: "میں نے تو ان کے چہرے پر مردنی چھائی دیکھی تھی۔ اس لیے اسی وقت میں
ان کی زندگی سے ناامید ہو گیا تھا۔"

ریحان: "ایک زمانہ تھا جب ان راستوں پر رات اور دن مسافروں کی آمد و رفت رہتی تھی
بڑا امن تھا۔ اطمینان سے لوگ آتے جاتے تھے۔ اب وحشی عیسائیوں کے خوف سے یہ
راستے بند ہو گئے تھے۔ وہیں کوئی شخص بھی تو ایسا نہیں ملا جس سے ہم کچھ دریافت کر لیتے۔"

یہ لوگ باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے عشاء کا وقت ہو گیا۔ انہوں نے عشاء
کی نماز پڑھی اور گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ افق مشرق سے چاند بھی نکلنے لگا تھا۔ اس
کی ٹھنڈی کرنیں آسمان پر نور کا فوارہ سا برسانے لگیں تھیں۔ اندھیرا گھٹنے لگا تھا۔

تھوڑی دیر میں چاند افق سے نکل آیا۔ چاندنی پھیلنے لگی۔ اجالا بڑھنے لگا۔ اب انہوں نے

گھوڑوں کی رفتار تیز کی۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں کچھ سائے نظر آئے۔ ریحان نے کہا:
"اب احتیاط کرو اپنی چادر گرا دو۔ شاید ہم دشمنوں تک پہنچ گئے ہیں۔"

سب کی نگاہیں سامنے کی طرف اٹھ گئیں۔ سب نے سائے دیکھے اور خوش ہو کر بولے:
"ٹھیک ہے۔ یقیناً سامنے عیسائی ہی ہیں۔"

انہوں نے اس آہستگی سے چلنا شروع کیا۔ جس سے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز زیادہ بلند
نہ ہو۔ جوں جوں یہ لوگ آگے بڑھتے جاتے تھے۔ سائے صاف نظر آتے جاتے تھے۔ یہ
انسان ہی تھے۔ ایک میدان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ شاید ان لوگوں نے انہیں آتے
ہوئے دیکھ لیا تھا۔

چاند اس وقت بہت کچھ اونچا ہو گیا تھا۔ چاندنی نے سفید چادر پھیلا دی تھی۔ آسمان
سے نور کی بارش ہونے لگی تھی اور اس نور میں کائنات کی ہر چیز نہا رہی تھی۔

یہ نوجوان قریب پہنچ کر اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں بہت سے لوگ کھڑے ہوئے ان کی طرف
دیکھ رہے تھے۔ یہ سب عیسائی تھے۔ بیس بائیس آدمی تھے۔ وہ سب مسلح تھے۔ غالباً انہوں
نے عرب نوجوان کو پہچان لیا تھا اور مسلح ہو گئے تھے۔ ریحان نے ان کے پاس پہنچ کر کہا:
"اے نصرانیو! ہم اس لڑکی کی تلاش میں آئے ہیں۔ جسے تم اپنے ساتھ لے آئے ہو۔
اگر تم اسے ہمارے حوالے کر دو تو ہم تم سے کوئی تعرض نہ کریں گے۔"

اسی وقت ایک لڑکی تیر کی طرح ان کی طرف جھپٹی مگر وہ تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ چند
عیسائیوں نے اسے پکڑ لیا۔ لڑکی نے عربی زبان میں کہا: "مجھے بچاؤ۔"

ریحان نے بلند آواز میں کہا۔ "اطمینان رکھو۔ خدا نے چاہا تو ہم تمہیں ان بھیڑیوں کے چنگل
سے چھڑا لیں گے۔"

ایک عیسائی نے گرج کر کہا۔ "اگر مسیح نے چاہا تو ہم تمہاری اسی میدان میں قبریں بنا دیں
گے۔"

ریحان: "شاید تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہے۔"

وہی عیسائی: "اور شاید تمہیں اپنی بہادری پر فخر ہے۔"

ریحان: ہمیں ہمیں خدا کی مدد پر بھروسہ ہے۔

عیسائی: تمہارا خدا؟ تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔

ریحان: ابھی معلوم ہو جائے گا۔ مگر میں تم سے پھر کہتا ہوں کہ تم اس لڑکی کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم واپس چلے جائیں گے۔

عیسائی: تمہاری تواضع کے لیے ہمارے پاس ہتھیار ہیں۔ ہم تمہاری مدارات کیے بغیر تمہیں کیسے جانے دیں گے۔

ریحان: معلوم ہوتا ہے۔ تمہارے سروں پر تمہاری قضا کھیل رہی ہے۔

عیسائی: یہ تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کن سروں پر قضا کھیل رہی ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا: ”اے مسیح دلیرو۔ یہ پانچ کافر (عیسائی مسلمانوں کو کافر کہا کرتے تھے) تمہارے سامنے آ گئے ہیں۔ یہ تمہارا شکار ہیں۔ انہیں شکار کرو۔

عیسائی ان کی طرف بڑھے۔ ریحان نے دیکھا کہ پانچ آدمی لڑکی کی حفاظت کے لیے رہ گئے ہیں اور باقی سترہ آدمی ان کی طرف چلے۔ جو عیسائی ریحان سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ شاید ان کا افسر تھا۔ وہ لڑکی کے پاس ہی رہا۔ ریحان نے کہا۔ شیرانِ عرب۔ ان گیدڑ عیسائیوں کے ٹکڑے اڑا ڈالو۔

یہ کہتے ہی انہوں نے تلوار میان سے کھینچ لی۔ ان کے ساتھ ہی ان کے ہمراہیوں نے بھی تلواریں سونت لیں۔ اس عرصہ میں عیسائیوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ عربوں نے سامنے ڈھالیں کر لیں۔ عیسائیوں کی تلواریں ڈھالوں سے ٹکرائیں۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا اور نہایت سختی سے حملہ کیا۔

عیسائیوں نے ان کا حملہ بڑی آسانی سے روک لیا اور وہ ان پانچ نوجوانوں کے چاروں طرف چھا گئے۔ عربوں نے جھپٹ کر ان پر حملہ کیا اور جلدی جلدی تلواریں چلانے لگے۔ انہوں نے دو عیسائیوں کو مار ڈالا۔ عیسائیوں نے جوش میں آ کر ان پر وار کیا۔

ریحان بڑی پھرتی اور دلیری سے حملے کر رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کو عیسائیوں سے بچا بھی رہے تھے اور ان پر حملہ بھی کر رہے تھے۔ عیسائی یہ سمجھ گئے کہ وہی عربوں کے افسر ہیں

وہ ان کی فکر میں لگ گئے۔ زیادہ تر ان پر حملے کرنے لگے۔ لیکن وہ اس پھرتی سے حملے کرتے اور دشمنوں کے وار روک رہے تھے کہ ان پر عیسائیوں کا وار کارگر نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے دو اور عیسائیوں کو مار ڈالا۔

عیسائیوں کو بڑا غصہ آیا۔ وہ جوش میں آ کر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا حملہ روکا۔ ان پر اس سختی سے حملہ کیا کہ عیسائی کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ایک عیسائی اور مارا گیا۔

عیسائی افسر نے للکار کر کہا: ”یہ کیا کر رہے ہو کیوں ان کا خاتمہ نہیں کر ڈالتے۔“

عیسائی پھر بڑھے۔ عربوں نے پھر ان پر حملہ کیا اور دو آدمیوں کو مار ڈالا۔ عیسائی یہ دیکھ کر غصہ میں آپے سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے بڑی سختی سے یورش کی۔ مسلمانوں نے بھی اب جوش میں آ کر حملہ کیا۔ ان کا یہ حملہ بہت ہی سخت ہوا۔ پانچ عیسائی اور مارے گئے۔ اس طرح بارہ عیسائی مارے جا چکے تھے۔ صرف پانچ مقابلہ میں رہ گئے۔ ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ وہ بھاگنے کی کوشش کرنے لگے۔ ریحان نے ایک اور عیسائی کو مار ڈالا۔ ایک کو یوسف نے ٹھکانے لگا دیا اور ایک اور عرب نے ختم کیا۔ دو عیسائی بھاگے۔

جب کہ عیسائی مارے جا چکے تھے۔ ان کا افسر اور اس کے چار ساتھی جو لڑکی کی حفاظت پر رہ گئے تھے۔ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور زبردستی لڑکی کو بھی سوار کر کے بھاگے۔ لڑکی نے چیخ ماری۔ ریحان نے دیکھا۔ وہ اور ان کے ساتھی ان مفرور عیسائیوں کے پیچھے دوڑے۔

◆

(۱۴)

پُرجوش تعاقب

عیسائی نہایت تیزی سے دوڑے جا رہے تھے۔ ریحان کے ساتھیوں نے بھی ان کے پیچھے گھوڑے ڈال دیئے تھے۔ گھوڑ دوڑ جیسی بھاگ ہو رہی تھی۔ اگرچہ عیسائیوں کے گھوڑے بڑے تیز رو تھے۔ لیکن عربی گھوڑوں کی رفتار ان سے کہیں زیادہ تیز تھی۔ عرب عیسائیوں کے قریب پہنچ گئے۔ عیسائی افسر نے اپنے ساتھیوں سے کہا، "تم اتنی دیر ان کافروں کو روک لو کہ میں کچھ دور نکل جاؤں۔ ورنہ یہ آگے ہی اس اسپین کی سرزمین کو چھین لیں گے اور پھر ہماری ہر امید اور قربانی بے کار ہو کر رہ جائے گی۔"

لیکن اس کے ساتھی یہ دیکھ چکے تھے کہ ان نوجوان عربوں نے ستر عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ ان کے مقابلہ میں جانا موت کے سامنے جانا تھا۔ اس لیے انہیں اس کی جرأت نہیں ہوئی۔ وہ برابر بھاگتے رہے۔ مسلمان ان کے اور قریب پہنچ گئے۔ افسر نے ان سے پھر کہا، "بہادرو! انہیں روکو۔ بلکہ پلٹ کر ان پر حملہ کر دو۔ وہ بے فکری سے بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ تم انہیں مار ڈالو گے۔"

یہ بات عیسائیوں کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ ایک دم پلٹے اور انہوں نے بڑی سختی سے عربوں پر حملہ کرنے کا قصد کیا۔ لیکن عرب اس تیزی سے دوڑے چلے آ رہے تھے کہ باوجودیکہ انہوں نے عیسائیوں کو پلٹتے دیکھ لیا تھا۔ اور اپنے گھوڑوں کو روکنے کی کوشش کر دی تھی۔ مگر گھوڑے نہ رک سکے اور زور میں آ کر عیسائیوں سے ٹکرا گئے۔

عیسائیوں نے جلدی سے عربوں پر حملہ کیا۔ عرب مدافعت پر تیار ہو گئے تھے انہوں

نے ڈھالوں پر ان کے وار روکے اور خود بھی حملہ کیا۔ عیسائیوں نے بھی ڈھالیں سامنے کر دیں۔ عربوں کی ڈھالوں نے دو عیسائیوں کی ڈھالیں پھاڑ ڈالیں۔ دونوں عیسائی گھبرا کر بھاگے۔ دو عرب ان کے پیچھے دوڑے وہ دونوں ریحان اور یوسف تھے۔ انہوں نے جوش اور قوت سے بڑھ کر اس زور سے تلواریں ماریں کہ دونوں عیسائیوں کے ٹکڑے ہو گئے۔ ریحان نے یوسف سے کہا، "میرے دوست تم واپس جا کر عیسائیوں سے لڑو۔ میں افسر کا تعاقب کرتا ہوں۔"

یوسف پیچھے ہٹ گئے اور ریحان آگے بڑھے۔ یوسف نے دیکھا کہ تینوں عیسائی جان کی بازی لگا کر لڑ رہے ہیں۔ وہ اس وقت زرہ نہیں پہنے ہوئے تھے۔ یوسف نے طیش میں آ کر نہایت سختی سے حملہ کیا اور ایک عیسائی کو دو ٹکڑے کر دیا۔ وہ عیسائی بھاگ نکلے۔ مسلمان ان کے پیچھے دوڑے۔ انہوں نے گھوڑوں کی پسلیوں میں ایڑیں گڑو دیں۔ گھوڑے پوری طاقت سے بھاگے۔ عرب ان سے بہت پیچھے رہ گئے۔

یوسف کو بڑی غیرت آئی۔ انہوں نے بھی گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ ان کا گھوڑا تڑپ کر اس تیزی سے دوڑا جیسے وہ فضا میں اڑ رہا ہے۔ یوسف اپنے ساتھیوں سے بہت آگے نکل گئے۔ انہوں نے چاندنی میں دونوں عیسائی کو دوڑتے ہوئے دیکھا۔ انہوں نے گھوڑے کو اور بڑھایا۔ وہ اور تیز دوڑا۔ آخر یوسف ایک عیسائی کے قریب پہنچ گئے۔ اس عیسائی کے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ لیکن عیسائی خود بھی سنبھل گیا اور اس نے گھوڑے کو بھی سنبھال لیا۔

اس عرصہ میں یوسف اس کے سر پر پہنچ گئے۔ انہوں نے اس پر حملہ کرنا چاہا۔ مگر عیسائی نے حملہ میں سبقت کی۔ اس کی تلوار یوسف کے سر کی طرف لپکی۔ یوسف نے گھوڑے کے ایڑ لگائی۔ وہ وہاں سے بڑھ گیا۔ عیسائی کا وار خالی گیا۔ اگر عیسائی کا وار پڑ جاتا تو یوسف کا یقیناً خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن گھوڑے نے انہیں بچا لیا۔

یوسف نے دل میں خدا کا شکر ادا کیا اور جوش میں آ کر بڑی پھرتی سے عیسائی کے تلوار ماری۔ عیسائی نے وار روکنے کی بڑی کوشش کی لیکن ان کی تلوار اس کی تلوار پر پڑ

اور عیسائی کی تلوار چھن سے ٹوٹ گئی۔ عیسائی نے ٹوٹی ہوئی تلوار یوسف کے پھینک ماری۔
یوسف نے تلوار کے اشارے سے اسے گرا دیا اور جلدی سے اپنا وار کیا۔ وار کاری پڑا۔
لیکن عیسائی کا ایک کان اڑ گیا۔ وہ چلا گیا۔ اس کے جسم میں جیسے مرچیں سی لگ گئیں۔ اس نے
بھاگنے کا ارادہ کیا۔ یوسف نے پھرتی سے دوسرا وار کیا اور عیسائی کے سر کی پھانک کھل گئی۔
وہ ہولناک چیخ مار کر گرا۔

اب باقی عرب بھی یوسف کے پاس آگئے اور سب ریحان کے پاس پہنچنے کے لیے
تیزی سے دوڑے۔ انہوں نے گھوڑوں کی باگیں ڈھیلی کر دیں۔ وفادار گھوڑے اور بھی
تیزی سے دوڑنے لگے۔

اگرچہ چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان سے نور ہی نور برس رہا تھا۔ مگر گھوڑوں کے بھاگنے
کی وجہ سے چاندنی مکدر ہو گئی تھی۔ غبار نے دودھیا چاندنی کو میلا کر دیا تھا۔

افسر نے جن عیسائیوں کو روکا یا تھا۔ ان میں سے صرف ایک باقی رہ گیا تھا اور وہ خوف
اور دہشت سے لرزتا ہوا افسر سے ملنے کے لیے تیز دوڑ رہا تھا۔ یوسف اور ان کے
ہمراہیوں سے اس کا بہت فاصلہ ہو گیا تھا۔ وہ گھوڑے کو دوڑاتے چلا جا رہا تھا۔

ریحان برابر افسر کا پیچھا کر رہے تھے۔ عیسائی افسر مسلم دوشیزہ کو لیے چلا جا رہا تھا۔ اس
کا گھوڑا بڑا مضبوط اور قوی تھا۔ وہ دونوں سواروں کا بوجھ آسانی سے اٹھائے دوڑ رہا تھا۔
افسر نے لڑکی کو آگے بٹھا رکھا تھا۔ غالباً لڑکی بے ہوش تھی۔ ریحان اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔

افسر اس فکر میں تھا کہ کسی طرح فاصلہ زیادہ ہو جائے۔ تو وہ کہیں چھپ جائے۔ لیکن
ریحان اس کا پیچھا نہ چھوڑتے تھے۔ وہ دوڑ رہا تھا اور ریحان اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔
دونوں کے گھوڑے پسینہ میں شرابور ہو گئے تھے۔ ان کی ٹاپوں کی آواز دور تک گونج
رہی تھی۔

اتفاق سے ریحان کا گھوڑا ٹھوکر کھا گیا۔ ریحان سنبھل نہ سکے۔ اس کی گردن پر آگئے۔
گھوڑا جھٹکے کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ ریحان گھوڑے کے آگے جا پڑے۔ لیکن خیریت ہوئی۔
ان کے چوٹ نہیں آئی۔ گھوڑے نے ذرا بھی حرکت نہیں کی۔ جس جگہ اور جس طرح کھڑا تھا اسی

جگہ کھڑا تھا اسی جگہ اور اسی طرح کھڑا رہا۔

ریحان جلدی سے اٹھے۔ انہوں نے گھوڑے کو تھپکی دی اور پھرتی سے اس پر سوار ہو
گئے۔ ابھی وہ چلنے نہیں تھے کہ پیچھے سے وہ عیسائی آگیا۔ جو یوسف اور ان کے ساتھیوں
کے مقابلہ سے جان بچا کر بھاگا تھا۔ ریحان سمجھے یوسف آرہے ہیں۔ انہوں نے اس
عیسائی کی طرف توجہ نہیں دی اور گھوڑے کو بڑھا لیا۔ ابھی گھوڑا چلا ہی تھا کہ عیسائی سوار ان
کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ان پر تلوار کا وار کیا۔

چاندنی میں تلوار چمکتی معلوم ہوئی۔ ریحان نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا۔ عیسائی کی تلوار
ان کے سر پر پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے ڈھال بلند کی اور گھوڑے کو روک کر خود بھی جلدی سے وار
کیا۔ عیسائی کی تلوار ان کی ڈھال پر اور ان کی تلوار عیسائی کے ہاتھ پر پڑی۔ اس کا بایاں
ہاتھ کٹ گیا۔ اس نے چیخ ماری اور پلٹا۔ ریحان نے بڑھ کر دوسرا وار کیا اور اس کی گردن اڑا
دی۔ اب ریحان نے گھوڑے کو تیز کیا۔ انہوں نے اس کی گردن پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔
"میرے وفادار عیسائی سوار کو نہ جانے دے۔"

گھوڑا ہنہنایا۔ گویا اس نے اشارہ کیا کہ وہ ان کی بات سمجھ گیا ہے۔ وہ اس تیزی سے
سرپٹ دوڑا کہ زمین پیچھے کی طرف بھاگتی ہوئی معلوم ہونے لگی۔ گھوڑے نے اپنی جان
کی بازی لگا دی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ عیسائی افسر کے قریب پہنچ گیا۔

دراصل عیسائی افسر کا گھوڑا جواب دینے لگا تھا۔ وہ اس زور سے سانس لینے لگا
تھا۔ جیسے بڑھک رہا ہے۔ اس کی رفتار بڑی حد تک کم ہو گئی تھی۔ ریحان اس کے قریب
پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا۔ "بزدل سفاک" تو میرے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکتا۔

افسر نے گھوم کر دیکھا کہ دشمن اس کے پیچھے آرہا ہے۔ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے
اس سفاک نے بھاگتے بھاگتے عرب دوشیزہ کو گھوڑے سے پھینک دیا۔ اس نے یہ خیال
کر لیا تھا کہ تعاقب کرنے والا عرب اس لڑکی کو اٹھانے لگ جائے گا۔ ممکن ہے اس
طرح خود بچ جائے۔

ریحان نے اس کی یہ حرکت دیکھ لی تھی۔ انہوں نے گھوڑے کا رخ پھیر لیا۔ اگر

ایسا نہ کرتے تو لڑکی ضرور کچل جاتی۔ گھوڑا لڑکی کے برابر سے نکلا چلا گیا۔ فوراً ہی ریحان کو یہ خیال ہوا کہ کہیں یوسف اور ان کے ساتھی پیچھے دوڑے نہ آ رہے ہوں اور وہ اس لڑکی کو نادانستگی میں نہ کچل ڈالیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے گھوڑے کو روکا۔ کچھ دور چل کر گھوڑا رک گیا۔ وہ واپس لوٹے۔ عیسائی افسر کا خیال صحیح نکلا، ریحان ان کے تعاقب سے باز رہے۔ اور وہ بھاگ گیا۔

ریحان واپس لوٹ کر لڑکی کے پاس آئے۔ وہ بے حس و حرکت پڑی تھی۔ انھیں خدشہ ہوا کہ کہیں وہ مر تو نہیں گئی ہے۔ وہ جلدی سے گھوڑے سے اترے اور لڑکی کے پاس بیٹھ کر جھک کر اسے دیکھنے لگے۔ لڑکی بے حد حسین تھی۔ اس کی صورت چاندنی میں جگمگا رہی تھی۔ انھوں نے اس کا پھول سے زیادہ نازک ہاتھ لے کر نبض دیکھی۔ وہ زندہ تھی۔ نبض چل رہی تھی۔ انھوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اسی وقت انھوں نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی۔ وہ سمجھ گئے کہ ان کے ساتھی گھوڑے اڑائے چلے آ رہے ہیں۔ انھیں خوف ہوا، کہیں ان کے گھوڑے ان دونوں کو نہ کچل ڈالیں۔ انھوں نے جلدی سے اپنا گھوڑا لڑکی سے ذرا فاصلے پر لے جا کر اس طرح کھڑا کر لیا کہ اگر آنے والے ٹکرائیں بھی تو گھوڑے سے ٹکرائیں اور وہ ان کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

❖

(۵)

حسین لڑکی

تھوڑی دیر میں یوسف اور ان کے ساتھی آ پہنچے۔ انھوں نے گھوڑا راستہ میں حائل کھڑا دیکھا۔ وہ گھوڑے کو پہچان گئے۔ ریحان کا گھوڑا تھا۔ چونکہ گھوڑا تنہا تھا اس لیے انھیں فکر ہوا کہ ریحان کہاں گئے۔ انھوں نے اپنے گھوڑے بالکل آہستہ کر لیے۔ ریحان نے آواز دے کر کہا، ”رک جاؤ۔“

انھوں نے ریحان کی آواز پہچان لی۔ خدا کا شکر ادا کیا اور رک گئے۔ ریحان نے ان کے پاس آ کر کہا۔ ”بے رحم اور سفاک عیسائی درندہ معصوم لڑکی کو گھوڑے سے پھینک گیا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے، میں نے اسے دیکھا اور یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی۔ اس کی نبض دیکھی۔“ یوسف نے جلدی سے پوچھا۔ کیا وہ مر گئی ہے۔ ریحان نے جواب دیا۔ میرے خیال میں مری نہیں، بے ہوش ہے۔ ایک نوجوان نے دریافت کیا، کیا افسر بچ کر نکل گیا۔

ریحان، ہاں وہ بچ گیا۔ اس شقی نے اس لڑکی کو اس لیے پھینک دیا کہ یہ میرے گھوڑے سے کچل جائے۔ کیونکہ میں اس کے پیچھے اندھادھند گھوڑا دوڑائے چلا جا رہا تھا۔ لیکن میں نے گھوڑے کا رخ پھیر دیا اور وہ بچ گئی۔ مجھے اس سنگدل وحشی پر غصہ تو بہت آیا اور میں نے چاہا کہ اس جفاکار کا تعاقب کروں۔ لیکن فوراً لڑکی کا خیال آ گیا کہ چلے اسے دیکھوں زندہ ہے یا مر گئی۔ میں رک گیا۔

یوسف، تم اس لڑکی کی خبر گیری کرو۔ ہم اس درندہ کے تعاقب میں جاتے ہیں۔

اسے کہیں زندہ جانے دیں۔

ریحان: میرا خیال ہے اس کا گھوڑا تھک چکا ہے۔ اگر تم اس کا پیچھا کرو گے تو ضرور اسے پالو گے۔ لیکن وہ تنہا ہے۔ سب اس کے پیچھے نہ جاؤ۔ دو آدمی چلے جاؤ اور دو میرے ساتھ رہو۔ ہم اس لڑکی کو ہوش میں لانے کی کوشش کریں گے۔

یوسف: ٹھیک ہے۔ میرے ساتھ ایک جوان چلے۔

ریحان: ہم اس لڑکی کو لے کر واپس چلتے ہیں اور اس جگہ قیام کریں گے۔ جہاں عیسائی ٹھہرے ہوئے تھے۔ تم دونوں وہیں آجانا۔

یوسف: اچھا۔

وہ ایک نوجوان کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ ان دونوں نے اپنے گھوڑے چھوڑ دیے۔ ریحان ان کے دو ساتھی لڑکی کے پاس آئے۔ وہ ابھی تک بےہوش تھی۔ ریحان نہیں چاہتے تھے کہ لڑکی کو ہاتھ لگائیں۔ لیکن بغیر اسے ہاتھ لگائے اسے ہوش میں لانا یا کہیں لے جانا ناممکن تھا۔ اس لیے مجبوراً انہوں نے اول اسے ٹٹولا۔ یہ کوشش کی کہ وہ ہوش میں آجائے۔ مگر وہ ہوش میں نہ آئی۔ ریحان نے اسے اٹھایا اور اپنے گھوڑے پر سوار کر کے اس کے پیچھے خود سوار ہوئے اور وہاں سے آہستہ آہستہ چلے۔ دونوں نوجوان ان کے پیچھے چل پڑے۔

اب رات زیادہ آگئی تھی۔ سردی بڑھ گئی تھی۔ ریحان کو خوف ہوا کہ کہیں لڑکی سردی سے شل ہو جائے۔ انہوں نے اپنی عبا اتار کر اسے اڑھا دی اور کچھ تیزی سے چلے۔

چاند خاموشی سے منزلیں طے کر رہا تھا۔ دودھیا چاندنی چٹک رہی تھی۔ دور تک کی چیزیں صاف نظر آرہی تھیں۔ کائنات خاموش تھی۔ سکوت اور سکون چھایا ہوا تھا۔

آخر یہ لوگ اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں عیسائی ٹھہرے تھے۔ وہاں عیسائیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور ان کا تمام ساز و سامان جوں کا توں موجود تھا۔ مگر وہ عیسائیوں کے گھوڑے بھی قریب ہی چر رہے تھے۔ عیسائیوں کے پاس خیمے نہیں تھے۔

ریحان نے لڑکی کو اتار کر آہستہ سے کمبل پر لٹا دیا اور کئی کمبل اسے اڑھا دیے۔

اس کے بعد انہوں نے نیزے گاڑ کر ان پر کمبل تان دیے اور بچھونا سا بنا کر اس میں لڑکی کو لٹا دیا اور اس کے لیے ایسا انتظام کر دیا کہ ہوا اور سردی سے اسے گزند نہ پہنچے۔

عیسائیوں کی قیام گاہ میں رسد بھی تھی۔ ریحان نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کہو بھائی کھانا تیار کرو گے یا بھوکے رہ کر ہی رات گزار دو گے؟

دونوں جوانوں نے کہا۔ "بھوکے کیوں رہیں۔ کھانا تیار کریں گے۔"

تینوں گھوڑے پکڑنے چلے۔ یا تو گھوڑے شائستہ تھے۔ اس لیے نہیں بھاگے۔ یا وہ بھوکے تھے۔ یا سردی کے مارے چپ تھے۔ غرض کوئی وجہ ہو وہ بھاگے نہیں۔ انہوں نے سب گھوڑوں کو پکڑ لیا اور رسوں سے باندھ دیا۔

اب انہوں نے کھانا تیار کرنا شروع کیا۔ چونکہ ریحان کو لڑکی کی بھی فکر تھی۔ اس لیے وہ گھڑی گھڑی اسے دیکھ آتے تھے۔ وہ ابھی تک غافل تھی۔ لیکن پہلے اس کا جسم ٹھنڈا تھا۔ اب گرم ہو گیا تھا۔ ریحان کو خوف ہوا۔ کہیں اسے بخار تو نہیں ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ اور بھی جلدی جلدی جا جا کر اسے دیکھنے لگے اور اس کی حالت سے اپنے ساتھیوں کو آگاہ کر دیتے۔ ان میں کوئی بھی حکیم نہیں تھا۔ جو اس بات کو معلوم کر لیتا کہ لڑکی کی کیا کیفیت ہے۔

انہوں نے کھانا تیار کر لیا۔ مگر ان کے ابھی دو ساتھی نہیں آئے تھے۔ اس لیے کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا۔ ان کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں وہ دونوں آگئے۔ یوسف نے بتایا کہ انہوں نے افسر کو جا لیا۔ لیکن وہ جنگل میں جا گھسا اور بچ گیا۔ انہیں پھر بھی خوشی نہ ہوئی کہ سفاک عیسائیوں میں سے صرف ایک زندہ باقی بچا۔ انہوں نے زخمی اعرابی کا انتقام لے لیا اور ان درندوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ جنہوں نے سفاکی کی تھی اور لڑکی کو ان سے چھین لیا۔

اب ان سب نے بیٹھ کر کھانا کھایا اور آگ جلا کر تاپنے لگے۔ ریحان نے یوسف سے بھی لڑکی کی کیفیت بیان کی۔ انہوں نے حکمت کی چند کتابیں پڑھی تھیں۔ معمولی مرضوں کو سمجھ لیتے تھے۔ وہ ریحان کے ساتھ گئے اور انہوں نے لڑکی کی نبض دیکھی۔ کچھ دیر تک دیکھنے کے بعد بولے "اسے بخار نہیں ہے۔ یہ سو رہی ہے۔ آرام سے سونے دو۔"

دونوں چھولداری سے باہر نکل آئے۔ ریحان نے کہا "میرے خیال میں اب ہم بھی سو رہیں۔"

یوسف: ہم میں سے ایک آدمی پہرہ پر رہے۔ چونکہ یہ میری تجویز ہے۔ اس لیے میں پہرہ پر رہوں گا۔

ریحان: نہیں تم سو جاؤ۔ میں پہرہ دوں گا۔

ایک اور نوجوان نے کہا "یہ کام میں کروں گا۔ تم سب آرام سے سو جاؤ۔"

یوسف: نہیں پہرہ میں دوں گا۔

غرض یوسف پہرہ پر رہے اور باقی سب لوگ عیسائیوں کے کمبل اوڑھ کر لیٹ گئے اور سو گئے۔ یوسف پہرہ دیتے رہے۔ پچھلی رات کو ریحان کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اٹھ بیٹھے۔ انہوں نے اصرار کر کے یوسف کو سونے پر مجبور کیا۔ یوسف سو گئے اور ریحان پہرہ دینے لگے۔

صبح صادق ہوئی تو چاندنی پھیکی پڑ گئی۔ پرند چہچہانے لگے۔ کوے پرواز کرنے لگے۔ ریحان نے ضروریات سے فراغت کی۔ وضو کیا اور اذان کہی۔ اذان کی آواز سن کر سب اٹھ بیٹھے اور وضو کر کے نماز کی تیاری کرنے لگے۔ انہوں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔

نماز پڑھ کر ریحان چھولداری کے اندر گئے۔ اس وقت کافی اجالا ہو گیا تھا۔ انہوں نے دیکھا لڑکی جاگ رہی ہے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ریحان نے پوچھا "کہو کیسی طبیعت ہے۔"

اس نے کہا "خدا کا شکر ہے اچھی ہوں۔"

ریحان: کہیں کوئی درد یا تکلیف تو نہیں ہے۔

لڑکی: بالکل نہیں ہے۔

ریحان: تمہیں عیسائی درندے نے گھوڑے پر سے پھینک دیا تھا۔

لڑکی: مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔

ریحان: ضرور معلوم ہوگا۔ تم بے ہوش ہو گئی تھیں۔

لڑکی: میرے بھائی کی کچھ خبر ہے۔

ریحان: وہ ہمارے قبیلہ میں پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے ہی ہمیں تمہاری بابت اطلاع دی تھی۔

لڑکی: میں وضو کرنا چاہتی ہوں۔

لڑکی: شکریہ میں خود پانی لے لوں گی۔

لڑکی: شکریہ میں خود پانی لے لوں گی۔

لڑکی اٹھی۔ وہ چھریرے بدن کی نہایت ہی وجیہہ و خوبرو تھی۔ بڑی حسین۔ اس کی آنکھیں سیاہ، پلکیں نوکیلی اور بھویں گھنی تھیں۔ وہ اٹھ کر باہر گئی۔ ضروریات سے فراغت کر کے وضو کیا اور چھولداری میں آ کر نماز پڑھی۔

اس کی نماز قضا ہو گئی تھی۔ اب آفتاب نکل آیا تھا۔ دھوپ پھیل گئی تھی۔ ریحان نے لڑکی سے پوچھا "کیا تم سفر کرنے کے قابل ہو؟"

اس نے جواب دیا "جی ہاں میں سفر کر سکتی ہوں۔ مجھے میرے بھائی کے پاس پہنچا دیجیے۔ بہت مشکور ہوں گی۔"

ریحان نے باہر آ کر تیاری شروع کی۔ عیسائیوں کے گھوڑوں پر سامان لادا۔ ایک گھوڑے پر لڑکی کے لیے زین کسا۔ چھولداری کے کمبل بھی اتار کر لادے۔ لڑکی کو گھوڑے پر سوار کر دیا اور یہ سب لوگ بھی گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے قبیلہ کی طرف چلے۔

(۶)

زخمی عرب کی حالت

عرب دوشیزائیں اور حسانہ زخمی عرب کے گرد بیٹھی تھیں۔ عرب بالکل بے ہوش تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ کیسی کیسی نازنین اور حسین لڑکیاں ان کے چاروں طرف بیٹھی ہیں اور کن نازک اندازوں سے ان کی مرہم پٹی کرکے تیمارداری شروع کی ہے۔

نازنیاں عرب کبھی عرب کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ عرب کے چہرہ پر زردی چھا گئی تھی۔ حسانہ نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا "ہا۔ غریب مظلوم خود موت کی کشاکش میں گرفتار ہے اور ہم عیسائیوں کے چنگل میں ہیں۔"

دوسری دوشیزہ نے جس کا نام سلمہ تھا۔ کہا "خدا ہی کو خبر ہے کہ ہم سے کیا غلطی اور کون سا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔ جس سے ہم مبتلائے مصیبت ہو گئے ہیں۔"

حسانہ "ہمارے قصور ہمارے گناہ ہمیں معلوم ہیں۔ ہم نے خدا کے احکام سے روگردانی شروع کر دی ہے۔ اس کی یہ سزا مل رہی ہے۔"

تیسری دوشیزہ: تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔

حسانہ: اچھا بہنو۔ اب جا کر اپنا اپنا کام کرو۔ اگر تم میں سے کسی کو فرصت ملے تو عشاء کی نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لیے آ جانا۔

تمام لڑکیوں کو کچھ نہ کچھ کام تھے۔ وہ اٹھ کر چلی گئیں۔ حسانہ تنہا رہ گئیں۔ کچھ دیر کے بعد یعقوب آئے۔ انہوں نے کہا: "اچھا سب چڑیاں اڑ گئیں۔"

حسانہ نے مسکرا کر کہا ایک چڑیا موجود ہے۔

یعقوب: چلو خیر ایک ہی چڑیا سہی۔ یہ بتاؤ اس عرب نے حرکت تو نہیں کی۔

حسانہ: بالکل بھی نہیں۔ جب سے یہاں لائے گئے ہیں۔ مردہ کی طرح پڑے ہیں۔

یعقوب نے عرب کے پاس بیٹھ کر ان کی نبض دیکھی اور حسانہ سے کہا۔ تم نے ان کی نبض نہیں دیکھی۔

حسانہ: جی نہیں۔ میں ان کے جسم کو کیسے ہاتھ لگا سکتی ہوں۔

یعقوب: کیا تم نے ان کی مرہم پٹی نہیں کی؟

حسانہ: کی ہے۔ وہ اپنا فرض ادا کیا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

یعقوب: ٹھیک کہتی ہو۔ زخمی اور بیمار کی نبض دیکھنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ کیا تم جانتی ہو کہ اس سرزمین اندلس میں کیسی کیسی عالمہ اور فاضلہ عورتیں گزر چکی ہیں۔ امۃ العزیز[1] جو کہ رسول الشریفہ کہلاتی تھیں۔ بڑی زبردست عالم تھیں۔ وہ طبیب بھی تھیں۔ باقاعدہ مطب کرتی تھیں۔ عورتوں اور مردوں سب ہی کو دیکھتی تھیں۔

حسانہ: مجھے معلوم ہے۔

یعقوب: کیوں نہ معلوم ہوگا۔ آخر تم بھی تو شاعرہ ہو۔

حسانہ: ابا جان اگر آپ شاعری کو برا سمجھتے ہیں تو میں اسے چھوڑ دوں گی۔

یعقوب: ناراض ہو گئی پگلی۔ اگر میں برا سمجھتا تو تجھے منع نہ کر دیتا۔

حسانہ: مگر بھائی جان شاعری کو برا سمجھتے ہیں۔

یعقوب: نہیں۔ وہ بھی برا نہیں سمجھتا۔ البتہ تجھے چھیڑا کرتا ہے۔ اچھا تم اس عرب کی نبض دیکھو۔

حسانہ نے اس کی نبض دیکھی۔ یعقوب نے پوچھا: کیا بات نظر آئی؟

حسانہ: میرا خیال ہے کہ ان کے جسم سے خون زیادہ نکل گیا ہے جس سے کمزوری

[1] تاریخ اسلام مصنفہ سید امیر علی صاحب صفحہ ۲۱۶

بڑھ گئی ہے اور اب انہیں بخار ہونے والا ہے۔

یعقوب: تمہارا خیال صحیح ہے۔ انہیں بہت تیز بخار ہونے والا ہے۔ ان کے جسم کو حرکت نہیں ہونی چاہیئے۔

حسانہ: مَیں نے قبیلے کی لڑکیوں سے کہا تو ہے کہ ان میں سے جنہیں فرصت مل جائے آ جائیں۔

یعقوب: ٹھیک کیا تم نے۔ لیکن اگر کوئی نہ آئی تو کیا کرو گی۔

حسانہ: مَیں تنہا نگرانی کروں گی۔

یعقوب: مرحبا۔ نہیں۔ اگر کوئی نہ آئی تو میں اور تم دونوں باری باری سے نگرانی کریں گے۔ ابتدائی رات میں تم جاگ لینا اور پچھلی رات کو میں جاگ لوں گا۔

حسانہ: آپ کیوں تکلیف کریں، مَیں آسانی سے جاگ سکتی ہوں۔

یعقوب: یہ مَیں نہ جانتا ہوں۔ مگر تم ہی تیمارداری کا سارا ثواب کیوں لو مجھے بھی تو حصہ دار کر لو۔

حسانہ: بہت اچھا۔ معلوم نہیں بھائی جان کب لوٹیں گے۔

یعقوب: کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے صبح تک آئیں۔

حسانہ: خدا کرے ان کی بہن مل جائے۔

یعقوب: خدا ایسا ہی کرے۔ دیکھتا ہوں شاید کھانا تیار ہو گیا ہو۔ دن چھپ چکا تھا اور اس قبیلے کے تمام مردوں اور عورتوں نے مغرب کی نماز پڑھ لی تھی۔ خیمہ میں روشنی کر لی تھی۔ شمع کی روشنی میں حسانہ کی صورت اور بھی چمکنے لگی تھی۔

یعقوب کنیز سے کھانا لائے۔ دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ ہاتھ دھو کر صاف کیے۔ تھوڑی ہی دیر میں عشاء کی اذان ہو گئی۔ مردوں نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور عورتوں نے اپنے اپنے خیمے میں ادا کی۔

جب یعقوب نماز پڑھ کر آئے تو حسانہ بھی نماز سے فارغ ہو چکی تھی اور تنہا زخمی عرب کے پاس بیٹھی تھی۔ یعقوب بھی بیٹھ گئے۔ حسانہ نے کہا: "اچھا ہوتا آپ سو

جاتے۔"

یعقوب: آج نیند آئی تو ذرا مشکل ہی ہے۔ ایک تو ان عرب ہی کا خیال ہے۔ دوسرے ریحانہ کی طرف آنکھیں لگی رہیں گی۔

حسانہ: خدا ان کی حفاظت کرے گا۔ ان کی فکر نہ کیجیے۔ رہے یہ زخمی ان پر بھی خدا فضل کرے گا۔

اس وقت سلمہ اور دو لڑکیاں اور آ گئیں۔ یعقوب نے کہا: "تو تمہاری سہیلیاں آ گئیں۔ اب میں جا رہا ہوں۔ دیکھو تم سب جاگتی نہ رہنا۔ باری باری سے جاگنا۔"

یعقوب چلے گئے۔ لڑکیاں حسانہ کے پاس بیٹھ گئیں۔ حسانہ نے ان سے پوچھا: "کیا تم اپنے سب کاموں سے فارغ ہو کر آئی ہو؟"

سلمہ: جی ہاں۔ اور مجھے تو ابا جان نے ہی بھیجا ہے۔

دوسری لڑکی نے کہا: "میں اجازت لے کر آئی ہوں۔"

حسانہ: بس ٹھیک ہے۔

سلمہ: کیا انہوں نے اب تک کوئی حرکت نہیں کی ہے؟

حسانہ: بالکل نہیں۔ بڑی گہری غفلت میں ہیں۔

سلمہ: زخم کیا تھوڑے ہیں۔

حسانہ: اور خون کیا تھوڑا نکلا ہے۔

سلمہ: اسی لیے چہرہ بالکل زرد ہو رہا ہے۔ جیسے جسم کا تمام خون نکل گیا ہے۔

حسانہ: نہ معلوم کتنی دور سے آئے تھے۔

سلمہ: اور نہ معلوم کس وقت زخمی ہوئے تھے۔

حسانہ: عجب نہیں کہ دوپہر کے بعد ہی زخمی ہو گئے ہوں۔ کیونکہ ان کی قمیض اور جبا دونوں ان کے زخموں سے چپک گئے تھے۔

سلمہ: خبر نہیں بے چارے کہاں کے رہنے والے ہیں۔ کیا مصیبت پڑی ہے۔

حسانہ: معلوم ہوتا ہے ہماری ہی جیسی مصیبت ان پر بھی پڑی ہے اور جیسے ہم

ہجرت کرکے آتے ہیں۔ ایسے ہی انہوں نے بھی ہجرت کی ہے۔

سلمہ: ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ جب ہی تو بہن بھی ان کے ساتھ تھی۔

حسانہ: مگر کس قدر چاہتے ہیں یہ اپنی بہن کو۔ مدح فرسا اذیت کے عالم میں بھی اسے نہیں بھولے۔

سلمہ: کیا ریحان، تم سے کم محبت کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جان چھڑکتے ہیں تم پر۔

حسانہ: میں جانتی ہوں اکثر وہ میری شاعری پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ سمجھتے ہیں مجھے ان کا اعتراض بہت ناگوار گزرتا ہے اور میں ان سے خفا ہو جاتی ہوں حالانکہ مجھے ان کے اعتراض میں لطف آتا ہے۔ مگر میں پیشانی پر بل ڈال لیتی ہوں۔ وہ مجھے منانے لگتے ہیں۔

سلمہ: بھولی حسانہ، وہ بھی سب سمجھتے ہیں، خوش مزاج ہیں، تھوڑی دیر تمہیں چھیڑ کر دل بہلا لیتے ہیں۔

حسانہ: ابا جان کہہ گئے ہیں کہ سب ساتھ نہ جاگیں، باری باری جاگیں اور انہیں حرکت نہ کرنے دیں۔ ان کا خیال ہے۔ انہیں تیز بخار چڑھنے والا ہے۔

سلمہ: یہ خیال تو میرا بھی ہے۔ انہیں ضرور بخار ہوگا۔ ہمیں باری باری سے ہی نگرانی کرنی چاہیے۔

چنانچہ انہوں نے وقت مقرر کر لیے۔ چار لڑکیاں تھیں، چوتھائی چوتھائی رات بانٹ لی۔ سب سے پہلے سلمہ کا نمبر رہا اور سب سے آخر حسانہ کا۔ حسانہ اور دونوں لڑکیاں وہیں قالینوں پر بیٹھ گئیں اور تھوڑی ہی دیر میں سو گئیں۔ سلمہ نگرانی کرنے لگی۔ اس کی نگرانی کے وقت عرب نے کوئی حرکت نہیں کی۔ جب چوتھائی رات گزر گئی تو اس نے دوسری لڑکی کو اٹھا دیا اور وہ نگرانی کرنے لگے۔ سلمہ سو گئی۔

اسی طرح سب باری باری سے جاگتی اور نگرانی کرتی رہیں۔ سب کے آخر میں حسانہ کو اٹھایا گیا اور وہ بیٹھ گئی۔ جب وہ لڑکی سو گئی جس کی حسانہ سے پہلے باری تھی تو حسانہ نے عرب کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ اسے ان کا جسم ایسا گرم معلوم ہوا کہ اس نے جلدی سے

ہاتھ کھینچ لیا۔ اور آہستہ سے کہا: "اُف کس قدر تیز بخار ہو گیا ہے انہیں۔"

واقعی عرب کو بہت تیز بخار ہو گیا تھا۔ ان کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ حسانہ کو بڑا فکر ہوا۔ اس نے سوچا کہ اپنے والد یعقوب کو اٹھا لے۔ ابھی وہ یہ ہی سوچ رہی تھی کہ یعقوب خود ہی آگئے۔ انہوں نے کہا: "اچھا اب تمہارا نمبر ہے حسانہ"

حسانہ: جی ہاں۔ مگر انہیں بہت تیز بخار ہو گیا ہے۔"

یعقوب نے عرب کی نبض دیکھ کر کہا۔ "ہاں بخار تیز ہو گیا۔ اس وقت خاص نگرانی کی ضرورت ہے۔ میں اور تم دونوں بیٹھ کر ان کی نگرانی کریں گے۔"

چنانچہ یعقوب بھی حسانہ کے پاس ہی بیٹھ گئے اور دونوں عرب کی نگرانی کرنے لگے۔

(٧)

کامیاب واپسی

صبح صادق کے وقت زخمی عرب بڑبڑانے لگے۔ حسانہ انہیں دیکھنے لگی۔ یعقوب نے کہا۔ "ڈر تو نہیں گئیں تم حسانہ؟"

حسانہ: ڈری تو نہیں۔ مگر یہ بڑبڑانے کیوں لگے۔

یعقوب: اکثر تیز بخار کی حالت میں ایسا ہی ہوجاتا ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

تھوڑی دیر بعد صبح کی اذان ہوئی۔ یعقوب نماز پڑھنے چلے گئے۔ حسانہ نے سلمٰی اور دوسری لڑکیوں کو جگایا۔ سب نے ضروریات سے فراغت کی۔ وضو کیے اور نماز پڑھی۔ نماز پڑھ کر تلاوت کرنے لگے۔ حسانہ کی آواز دلکش اور پیاری تھی۔ جب وہ ترنم سے پڑھنے لگتی۔ تو سننے والوں کو کیف آجاتا تھا۔ قرآن شریف بھی اس نے نہایت ہی دلفریب لہجہ میں پڑھا۔

تلاوت ختم کرکے سلمٰی اور دوسری لڑکیاں چلی گئیں۔ حسانہ وہیں بیٹھی رہ گئی۔ چونکہ سورج نکل آیا تھا۔ اس لیے شمع بجھادی گئی اور دن کی روشنی نے خیمہ میں اجالا کر دیا۔ یعقوب بھی نماز پڑھ کر آگئے۔ اس وقت زخمی اعرابی پھر بڑبڑائے۔ انہوں نے کہا: "ہشو، سفاکو ہشو، زہون، زہون۔ تم کہاں ہو؟"

حسانہ اور یعقوب دونوں سن رہے تھے۔ حسانہ نے کہا: "زہون، شاید ان کی بہن کا نام ہے۔"

یعقوب: ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ یا کوئی اور رشتہ دار ہو۔ بے چارہ کو غفلت اور

بے ہوشی کی حالت میں بھی وہی واقعہ یاد آرہا ہے۔ جو اس پر گزرا ہے۔ زہون کوئی بھی ہو۔ خدا کرے مل جائے۔

حسانہ چپ ہوگئی۔ اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ کسی کشمکش میں گرفتار ہوگئی ہے۔ یعقوب اعرابی کو دیکھ رہے تھے اور حسانہ گم صم بیٹھی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کنیز ناشتہ لائی۔ دونوں نے ناشتہ کیا۔ ناشتہ کرکے یعقوب خیمہ سے باہر آئے۔ انہوں نے اپنے قبیلہ کے سن رسیدہ لوگوں کو بلا کر کہا۔ "ابھی تک ہمارے وہ نوجوان واپس نہیں آئے ہیں، جو رات عیسائیوں کے تعاقب میں گئے تھے۔ ادھر زخمی اعرابی ابھی تک بے ہوش ہیں اس لیے آج سفر ملتوی رہے۔"

سب نے کہا "جب تک ہمارے نوجوان واپس نہ آجائیں اور اعرابی سفر کرنے کے قابل نہ ہوجائیں اس وقت تک سفر کرنا مناسب نہیں ہے۔"

غرض یہ طے ہوگیا کہ اسی جگہ قیام رکھا جائے۔ یہ لوگ شکار کے بڑے شوقین تھے۔ ان میں سے کئی آدمی شکار کے لیے چلے گئے۔ باقی لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے۔

حسانہ اب بھی اعرابی کے پاس بیٹھی تھی۔ ایک پہر دن چڑھ چکا تھا۔ تمام میدان میں خوب دھوپ پھیل گئی تھی۔ سورج نے گرم ہوکر ہر چیز کو گرم کر دیا تھا۔ حسانہ نے اعرابی کی نبض دیکھی۔ اسے یہ اندازہ ہوگیا کہ عجب نہیں ان کی غفلت دور ہو جائے۔

اس کا قیاس ٹھیک نکلا۔ تھوڑی دیر میں اعرابی نے آنکھیں کھول دیں اور بے مدعا خیمہ کی طرف دیکھنے لگے۔ حسانہ ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے کچھ خوشی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں چمک آگئی۔

کچھ وقفہ کے بعد اعرابی کراہنے لگے۔

حسانہ کچھ دیر تو بیٹھی دیکھتی رہی۔ مگر جب وہ زیادہ کراہنے لگے تو وہ کچھ زیادہ بے چین ہوگئی۔ اس نے کہا: "اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

ابھی تک اعرابی نے شاید اسے نہیں دیکھا تھا۔ اب اس پر نظر پڑی۔ وہ کچھ حیران رہ گئے۔ کچھ وقفہ کے بعد انہوں نے کہا "تم ... آہ ... تم کون؟"

حسانہ سمجھ گئی - ان سے ابھی بولا نہیں جاتا۔ اس نے جلدی سے کہا، "تم ابھی بولنے کی کوشش نہ کرو۔ میں آل غالب کی ایک دختر ہوں۔ تم ہمارے قبیلے میں آ گئے تھے۔
اعرابی: میں تمہارا ... شکریہ۔
اعرابی چپ ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد یعقوب آ گئے۔ اعرابی نے انہیں دیکھ کر اٹھنا چاہا۔ حسانہ نے جلدی سے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا، "کیا غضب کرتے ہو۔ حرکت نہ کرو۔"
یعقوب نے بھی اس کے پاس بیٹھ کر کہا۔ "عزیزم، تم بالکل حرکت نہ کرو۔ خدا کا شکر ہے کہ تمہیں ہوش آ گیا۔"
انہوں نے یعقوب کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہا۔ حسانہ نے کہا، "پھوپھی شکریہ کیا کہتی ہوں ادا کر لینا۔ پیٹ بھر کر شکریہ ادا کر لینا۔ مگر ابھی نہیں۔ جب آرام ہو جائے اس وقت۔
یعقوب: ہاں ٹھیک ہے۔ اور تم شکریہ ہی ادا کیوں کرو۔ ہم نے اپنا فرض ادا کیا۔
اعرابی چپ ہو گئے۔ انہوں نے تھوڑی دیر کے بعد کہا، "آہ زہرہون"
حسانہ نے جلدی سے ان کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کا رنگ کچھ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے پوچھا: "یہ زہرہون کون ہے؟"
اعرابی نے جواب دیا، "میری معصوم بہن ہے۔"
حسانہ کا چہرہ چمک اٹھا۔ اس نے کہا، "بھائی جان زہرہون کو عیسائیوں کے پنجے سے چھڑانے کے لیے گئے ہیں۔"
اعرابی کے چہرے سے کچھ ناامیدی کے آثار نمایاں ہوئے۔ انہوں نے کہا: "کیا سفاکوں نے زندہ ... آہ، رہنے دیا ... ہوگا۔
حسانہ: "خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ وہ اسے ان درندوں کے ہاتھوں سے چھڑا لاویں گے۔"
اس وقت سلمہ دوڑتی ہوئی آئی۔ اس نے کہا، "ریحان کامیاب ہو کر آئے ہیں۔
حسانہ نے جلدی سے سجدۂ شکر ادا کیا اور سجدہ سے سر اٹھا کر کہا، "خدا کا شکر و

احسان ہے۔"
یعقوب: میں دیکھتا ہوں۔ وہ زہرہون کو لے آئے یا نہیں۔
وہ جلدی سے خیمے سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے ریحان کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھا وہ سمجھ گئے کہ یہی زہرہون ہے۔ زخمی اعرابی کی بہن۔ انہوں نے مناسب نہیں سمجھا کہ زہرہون اپنے بھائی کو زخموں سے چور دیکھے۔ اسی لیے وہ جلدی سے خیمے سے باہر نکل آئے تھے تاکہ اسے روک سکیں۔
ریحان نے اپنے باپ یعقوب کو سلام کیا۔ انہوں نے محبت سے انہیں اپنے سینے سے لگا کر کہا، "مرحبا بیٹا۔ دلیری کی یہی شان ہوتی ہے۔ تم اعرابی کو جا کر بتا دو کہ ان کی بہن آ گئی ہے اور زہرہون تم پہلے کھانا کھا لو پھر اپنے بھائی سے ملنا۔
اس وقت سلمہ وہاں سے آ گئی۔ یعقوب نے اس سے کہا، "سلمہ، زہرہون کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ انہیں غسل کراؤ، کھانا کھلاؤ اور پھر حسانہ کے پاس پہنچا دو۔
"بہت اچھا بابا جان" سلمہ نے کہا اور زہرہون کو اپنے ساتھ لے گئی۔ یعقوب دوسرے خیمہ میں چلے گئے۔ ریحان حسانہ کے خیمہ میں داخل ہوئے۔ انہوں نے حسانہ سے کہا، "حسانہ میں نے تمہارے حکم کی تعمیل کر دی۔ تمہاری اس بہن کو درندوں کے چنگل سے چھڑا لایا جس کے لانے کا تم نے حکم دیا تھا۔
حسانہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اس نے کہا، "میرے اچھے بھائی جان ہیں میرے۔"
ریحان: "مگر میں ذرا ڈرپوک قسم کا آدمی ہوں۔ ہم پانچ آدمی تھے اور عیسائی بائیس تھے۔ وہ سب مارے گئے۔ لیکن میں نے نہیں مارا۔
حسانہ نے مسکرا کر کہا، "گویا تم اپنی بہادری کی مجھ سے داد لینے آئے ہو۔"
ریحان: "لیکن تم ایسی کہاں ہو کہ داد دو۔
حسانہ: "سنو گے۔ میرے دل کو اطمینان تھا کہ تم ضرور عیسائیوں کو مار کر دختر عرب کو ان سے چھین کر لاؤ گے۔ میں نے پہلے ہی چند اشعار موزوں کر لیے تھے۔ سنو ــ
ریحان شیر ہیں۔ ایسے شیر کہ جب دشمن پر حملہ کرتے ہیں تو اسے چیر پھاڑ ڈالتے ہیں۔

انہوں نے چاندنی رات میں جبکہ کائنات دلہن بنی ہوئی تھی سفاک عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا ڈالے۔ ان سے انتقام لے لیا اور اس دخترِ عرب کو ان سے چھین لائے۔ جو مظلوم اور معصوم تھی۔ میرے بھائی ریحان بہادر ہیں۔ دلیر ہیں۔ نڈر ہیں اور حملہ کرنے میں بہت سخت ہیں۔"

ریحان نے ہنس کر کہا "شکریہ، شکریہ! آج تم نے صحیح تعریف کی ہے اور مناسب اشعار موزوں کئے ہیں۔"

حسانہ: بس بچو دوست۔

ریحان: اچھا پھر غسل کر آؤں۔

وہ چلے گئے۔ اعرابی نے کہا "یہ تمہارے بھائی ہیں؟"

حسانہ: جی ہاں۔

اعرابی: تم نے ان ہی کی تعریف میں اشعار کہے ہیں؟

حسانہ: جی ہاں۔

اعرابی: کیا یہی نزہون کو چھڑانے گئے تھے؟

حسانہ: جی۔

اعرابی: نزہون کو لے آئے۔ کہاں ہے وہ؟

حسانہ: وہ ابھی آجائیں گی۔ شاید قبیلہ کی لڑکیوں نے انہیں روک لیا ہے۔

اعرابی کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ انہوں نے کہا۔ "اہلِ غالب کا شکریہ۔"

حسانہ نے مسکرا کر کہا "میں نے کہا نہیں جب اچھے ہو جاؤ گے۔ تب پیٹ بھر کر شکریہ ادا کر لینا۔"

اعرابی: اچھا۔ ذرا نزہون کو بلا دو۔

حسانہ: میں ابھی لے کر آئی۔

حسانہ اٹھ کر خیمہ سے باہر چلی گئی۔

(٨)

نزہون

حسانہ خود نزہون سے ملنے اور اس کے حالات معلوم کرنے کے لیے بے چین تھی۔ اس نے خیمہ سے نکل کر دیکھا۔ اسے وہ کہیں نظر نہ آئی۔ اسے خیال ہوا کہیں بہکا تو نہیں دیا ہے۔ اعرابی کو، تاکہ اس خبر کے سننے سے ان میں قوت آجائے۔ اور وہ کمزوری پر غالب پالیں۔

مگر یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ ریحان کسی طرح بھی غلط بیانی نہیں کرتے۔

ابھی وہ خیمہ کے دروازے پر کھڑی یہ باتیں سوچ ہی رہی تھی۔ اس کے ریشم جیسے سیاہ بال اس کے کندھوں اور پشت پر پڑے تھے۔ نہایت لانبے بال تھے کمر سے بھی نیچے آ رہے تھے۔ اس کے چاند سے چہرے کے گرد سیاہ بالوں نے ہالہ بنا لیا تھا۔ آفتاب کی شعاعوں میں اس کی صورت جگمگا رہی تھی۔ اس کی سیاہ بڑی بڑی اور موٹی آنکھیں بڑی دلکش تھیں ان میں جوانی کی شراب بھری ہوئی تھی۔ وہ نہایت ہی حسین نازنین اور دلربا تھی۔ ایک دفعہ حسانہ اس پری پیکر کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

سلمیٰ اور نزہون ساتھ ساتھ آ رہی تھیں۔ جب دونوں حسانہ کے پاس آئیں تو سلمیٰ نے نزہون سے کہا "یہ ہیں ہمارے قبیلہ کے سردار کی دختر حسانہ، ریحان ان کے بھائی ہیں۔"

نزہون نے حسانہ کو سلام کیا۔ حسانہ نے سلام کا جواب دے کر کہا "نزہون! خدا کا شکر ہے کہ تم عیسائی درندوں کے ہاتھوں سے چھٹ آئیں۔"

نزہون: ہاں خدا کا شکر ہے، احسان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے بھائی نے

نے بڑی سرفروشی کی۔ میں ان کی شکر گزار ہوں۔

حسانہ نے مسکرا کر کہا۔ بھائی جان نے اپنی بہادری کی کہانی سنائی ہوگی۔

اس وقت ریحان بھی وہاں آگئے۔ انھوں نے کہا۔ جی نہیں۔ میں نے یہ غلطی نہیں کی ہے۔ بلکہ یوسف اور دوسرے نوجوان نے انہیں ساری باتیں بتائی تھیں۔

زہرون نے حسین اور بے پاش نظریں ریحان پر ڈالیں۔ روح پرور انداز میں مسکرائی اور کہا۔ "یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ انھوں نے کچھ نہیں کہا۔ بلکہ اور ہی لوگوں نے کہا تھا اور کہا گیا تھا۔ وہ عیسائی کے تعاقب اور انہیں قتل کر ڈالنے کا واقعہ سناتے آرہے تھے۔ انھوں سلمیٰ ہی بتایا تھا کہ انھوں نے ریحان کی طرف اشارہ کرکے بڑی دلیری کی تھی۔

ریحان: لیکن میری یہ بہن شاعرہ تھی۔ جھوٹ اور سچ کے قلابے ملانے والی۔ یہ سمجھتی ہیں کہ سب ایسی ہی غلط بیانی کیا کرتے ہیں۔ جیسی یہ خود شاعری کرتی ہیں۔

حسانہ: میری شاعری میں غلو نہیں ہوتا۔ لیکن غیر زہرون کے کہنے سے ہی تسلیم کیے لیتی ہوں کہ تم نے اس معرکہ میں سرفروشی کی۔

ریحان نے ہنس کر کہا۔ "شکریہ۔"

اب حسانہ نے زہرون سے پوچھا "کیا تمہارے بھائی تمہارے سامنے زخمی ہوگئے تھے۔

زہرون نے جواب دیا جی ہاں۔ ہم پر اچانک عیسائی آپڑے۔ بھائی جان ان سے لڑے کئی عیسائیوں کو انھوں نے مار ڈالا۔ مگر وہ تنہا تھے۔ مجھے دو عیسائیوں نے پکڑ لیا۔ میں ان کی کچھ مدد نہ کر سکی۔ عیسائیوں نے انہیں زخمی کر دیا۔ میں نے ان سے عربی میں کہا کہ میرا خیال چھوڑیں۔ وہ اس سے بھاگ جائیں اور کہیں مسلمان ملیں تو انہیں مدد کے لیے لائیں۔ مگر وہ تیار نہیں ہوئے۔ اتفاق سے ان کا گھوڑا بھڑک کر بھاگ کھڑا ہوا۔ میں نے دیکھا پھر چند انھوں نے گھوڑے کو روکنا چاہا۔ لیکن وہ نہیں رکا۔ میں نے انہیں خون میں تر دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ وہ بہت زیادہ زخمی ہو گئے ہیں۔ میں نے ان کے لیے دعا مانگی کہ وہ مسلمانوں میں پہنچ جائیں۔ خدا نے میری دعا قبول کر لی۔ وہ تمہارے پاس آگئے۔

حسانہ: یہ تمہاری داستان تو پھر سنوں گی۔ پہلے تمہیں تمہارے بھائی سے ملادوں۔

زہرون: میں ان سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہوں۔

حسانہ: خدا کا شکر ہے۔ تمہارے بھائی تم سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ وہ غفلت کی حالت میں بھی تمہیں یاد کرتے اور تمہارا ہی نام لیتے رہے۔ لیکن ایک بات بتلاؤ۔

زہرون: کیا؟

حسانہ: تم ان کی حالت دیکھ کر ضبط کر سکو گی۔

زہرون نے جلدی سے کہا۔ "کیا خدانخواستہ ان کی حالت بہت نازک ہے؟"

حسانہ: اب تو خدا کے فضل سے بہت اچھی ہے۔ البتہ بہت نازک حالت تھی۔ ہم نے رات بھر ان کی نگرانی کی ہے۔ لیکن تم ان کی بہن ہو۔ ممکن ہے کہ انہیں دیکھ کر پریشان ہو جاؤ اور ضبط نہ کر سکو۔ اگر تم نے بے قراری یا بے صبری کی تو اس کا ان پر برا اثر ہوگا۔

زہرون: میں سمجھ گئی۔ اطمینان رکھو میں ضبط و صبر سے کام لوں گی۔

حسانہ: وہ ساری رات بے ہوش پڑے رہے ہیں۔ صبح کے وقت ہوش آیا ہے۔

زہرون: زخموں کی کیا کیفیت ہے؟

حسانہ: زخم کئی ہیں۔ ان میں سے چند زخم گہرے ہیں۔ ان کی وجہ انہیں بخار ہو گیا ہے۔ لیکن خطرہ کی کوئی بات نہیں ہے۔

زہرون: اچھا تو چلیے۔

سلمیٰ: اس طرح نہ جاؤ۔ پہلے بال سکھا لو، کھانا کھا لو، پھر جانا۔

حسانہ: سلمیٰ نے ٹھیک کہا۔ تمہارے بھائی کو بھی دودھ دینا ہے۔ تم پہلے کھانے سے نپٹ لو۔

زہرون: اچھا یہ تھا کہ بھائی جان سے مل کر کھانا کھاتی۔

سلمیٰ، کھانا تیار ہے پہلے کھانا کھلانے لے گئی۔ حسانہ دودھ لے کر اعرابی کے پاس آئی۔ اعرابی نے کہا "کہاں رہ گئی زہرون؟"

حسانہ: انھوں نے غسل کیا ہے۔ اب کھانا کھا رہی ہیں۔ تم دودھ پی لو۔ وہ بھی آ جائیں گی۔

اعرابی: تم کس قدر مہربانی کر رہی ہو۔

حسانہ: یہ مہربانی نہیں ہے۔

اس نے اعرابی کو سہارا دیا۔ وہ اُٹھے اور دودھ پی کر لیٹ گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں سلمہ کے ساتھ زہرہون خیمہ میں داخل ہوئی۔ وہ بالوں میں کنگھی کر کے اور چوٹیاں گوندھ کر آئی تھی۔ اس کی لمبی چوٹیاں دونوں کندھوں پر سے آکر اس کے گداز سینہ پر دونوں طرف دو سیاہ سانپوں کی طرح پڑی تھیں۔

اس وقت اور بھی حسین معلوم ہو رہی تھی۔ بالکل پری۔ بلکہ اس سے بھی کوئی اور حسین مخلوق۔

اس نے اپنے بھائی کو دیکھا۔ پہلی ہی نظر میں ان کی زبوں حالت دیکھ کر اسے سخت صدمہ ہوا۔ قریب تھا کہ وہ چیخ مار کر ان سے لپٹ جائے۔ مگر فوراً ہی سنبھل گئی۔ شاید اسے وہ وعدہ یاد آگیا۔ جو اس نے خیمہ کے باہر حسانہ سے کیا تھا۔ اس نے ضبط و صبر سے کام لیا اور بہ جبر چہرہ کو بشاش بنا کر اعرابی کے قریب جا کر بیٹھ گئی اور بولی "بھائی جان کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

اعرابی: خدا کا شکر ہے۔ اچھی ہے۔ میں ایسے نیک لوگوں میں آگیا۔ جنہوں نے بڑی گرم جوشی سے میرا استقبال کیا اور بڑی دل سوزی سے میری دیکھ بھال کی۔ میں ان کے پاس آتے ہی بے ہوش ہو گیا تھا۔ زہرہون مجھے یاد نہیں۔ میں نے ان سے کیا کہا۔ "مجھے اپنے گھوڑے سے اترنا تو یاد ہے۔ اس کے بعد معلوم نہیں۔ مجھ پر کیا بیتی اور میں کب تک بے ہوش پڑا رہا۔ جب مجھے ہوش آیا تو خیمہ کے اندر بڑے آرام سے تھا اور یہ (حسانہ کی طرف اشارہ کر کے) میرے پاس بیٹھی تھیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کے بھائی ریحان تمہیں عیسائی درندوں سے چھڑانے گئے ہیں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ وہ تمہیں پاسکیں گے لیکن خدا نے رحم کیا فضل کیا اور وہ تمہیں ان درندوں سے چھڑا لائے۔

زہرہون: بھائی جان۔ میں تمہاری طرف سے ناامید ہو گئی تھی۔ تم زخمی ہو گئے تھے۔ گھوڑا منہ زوری کر رہا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ تمہیں ضرور کہیں پھینک دے گا۔ مجھے

صدمہ ہوا تھا۔ میں نے تمہارے پیچھے دوڑنا چاہا۔ مگر ظالموں نے مجھے پکڑ لیا۔ میں مجبور ہو گئی۔

اعرابی: گھوڑے نے بڑی وفاداری کی۔ اگرچہ اس وقت جب وہ عیسائیوں کے سامنے سے بھاگا۔ تو مجھے اس پر بڑا غصہ آیا تھا۔ میں ان ظالموں کے ساتھ لڑ کر مر جانا چاہتا تھا۔ میں نے ہر چند گھوڑے کو لوٹانا چاہا۔ لیکن وہ نہیں لوٹا۔ منہ میں لگام دبائے دوڑا چلا گیا۔ جب میں نڈھال ہو کر گرنے لگا تو وہ اس طرح ہوشیاری سے چلا کہ مجھے گرنے نہ دیا اور یہاں لے آیا۔

زہرہون: خدا کو یہی منظور تھا۔ وہ درندے مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ رات کو ایک میدان میں ٹھہرے۔ میں اس فکر میں تھی کہ موقع مل جائے تو بھاگ نکلوں۔ مگر وہ سختی سے میری نگرانی کر رہے تھے۔ ابھی تھوڑی ہی رات گزری تھی کہ ریحان اور ان کے ساتھی وہاں پہنچ گئے۔ عیسائی مسلح ہو کر ان کے مقابلے میں آگئے۔ میں ان کی طرف دوڑی۔ چند عیسائیوں نے مجھے پکڑ لیا۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ جب عیسائی مرنے لگے تو ان کے افسر نے زبردستی مجھے گھوڑے پر سوار کیا۔ میں بے ہوش ہو گئی۔ پھر مجھے معلوم نہیں کیا ہوا۔ جب ہوش آیا تو میں آرام سے ایک چھولداری میں سو رہی تھی۔ مجھے ریحان نے بتایا کہ اس درندہ افسر نے مجھے گھوڑے سے پھینک دیا تھا۔ مگر خدا نے بچا لیا۔ میرے چوٹ نہیں آئی۔

اعرابی: ہم ریحان کے بہت شکر گزار ہیں۔

اعرابی اور زہرہون دونوں مل کر بہت خوش ہوئے۔

٭

(۹)

حسانہ اور ریحان

چونکہ اعرابی کے بعض زخم زیادہ گہرے تھے۔ اس لیے ابھی وہ سفر کرنے کے قابل نہیں تھے اور انھیں وہاں تنہا چھوڑنا اسلامی اخوت اور رواداری کے خلاف تھا چنانچہ اس تمام قبیلے نے اس وقت تک وہیں قیام کیے رہنا طے کر لیا۔ جب تک اعرابی چلنے کے قابل ہوں۔ ان اعرابی کا نام کوثر تھا۔ وہ کیوساڈا کے رہنے والے تھے۔

کیوساڈا اسلامی سرحدی علاقہ پر ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر تھا۔ اس شہر میں مسلمانوں کی کافی آبادی تھی۔ عیسائی زیادہ تھے۔ جو قشتالہ کے عیسائی بادشاہ کے مظالم سے تنگ آ کر ترکِ وطن کر آئے تھے اور اسلامی حکومت میں نہایت آرام اور اطمینان سے زندگی بسر کر رہے تھے۔

کوثر کو جو زخم معمولی تھے۔ وہ تو مندمل ہونے لگے تھے۔ لیکن جو زخم گہرے تھے۔ ان کے ابھی تک انگور نہیں بندھے تھے۔ تین چار روز کے بعد پٹیاں کھول کر زخم صاف کیے جاتے تھے اور مرہم لگا کر پھر پٹیاں کس دی جاتی تھیں۔ مرہم پٹی زہرہ، حسانہ اور سلمیٰ کرتی تھیں۔ یہ تینوں زخموں کے علاج میں بڑی ماہر تھیں۔

زہرہ اور حسانہ میں بڑا میل جول ہو گیا تھا۔ چند ہی روز میں ایسا معلوم ہونے لگا تھا۔ جیسے عرصے سے وہ ایک دوسرے سے واقف ہوں اور ان میں بڑی محبت ہو۔ وہ دونوں ہر وقت ساتھ رہتے، ساتھ اٹھتے بیٹھتے اور ساتھ کھانا کھانے لگی تھیں۔

کبھی کبھی زہرہ ریحان سے ایسا پردہ کرتی کہ ان کے سامنے نہ آتی کبھی آدھے چہرہ پر

نقاب کھینچ لیتی اور کبھی بالکل سامنے آ جاتی۔

ایک روز حسانہ یعقوب کے خیمہ میں سے آ رہی تھی۔ ریحان راستہ میں مل گئے۔ انھوں نے کہا، "تم کس کام میں مصروف رہتی ہو حسانہ؟"

حسانہ نے کہا، کوئی خاص کام نہیں رہتا۔

ریحان، شاید شاعری پیچھا نہیں چھوڑتی۔

حسانہ: تمہیں تو میری شاعری پر اعتراض کرنا ضرور ہے۔

اس وقت زہرہ بھی آ گئی۔ اسے ریحان نے نہیں دیکھا۔ حسانہ نے البتہ دیکھ لیا تھا۔

ریحان نے کہا، شاعری میں رکھا ہی کیا ہے۔"

حسانہ، تمہیں شاعری آتی نہیں نا اس لیے اعتراض کیا کرتے ہو۔"

ریحان: میں بہادر ہوں، شمشیر زن ہوں، صف شکن ہوں، مجھے شاعری سے کیا سروکار ہے۔

حسانہ ہنس پڑی۔ اس نے کہا، "صف شکن صاحب، کسی روز میرے گھوڑے سے اپنا گھوڑا ملا کر دشمنوں پر حملہ کرنا، تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ صف شکن کون ہے۔"

اب ریحان ہنسے۔ انھوں نے کہا، "ماشاء اللہ، کیوں نہ ہو ہاتھ پاؤں ہی ایسے مضبوط ہیں۔

حسانہ: تم سے اچھے ہیں۔

ریحان: بیشک بیشک۔ اسی لیے تم نے شاعری اختیار کی ہے۔

حسانہ: شاعری کا تعلق دل اور دماغ سے ہے اور بہادری کا تعلق صرف بدن کی مضبوطی سے ہے۔

ریحان: ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اب کیا حال ہے کوثر کا۔

حسانہ: اچھے ہوتے جا رہے ہیں۔ دیکھو مرد ایسے ہوتے ہیں کہ ذرا زخمی ہوئے اور بہانہ کر کے پڑ گئے۔ کبھی عورتوں کو بھی ایسے بہانے کرتے دیکھا ہے۔

ریحان: جی نہیں۔ بالکل نہیں، مگر عورتیں لڑتی ہی کب ہیں۔ زخمی ہی کہاں ہوتی ہیں۔

انہیں اس کی نوبت ہی نہیں آتی۔

حسانہ: اور تم نزہون کے متعلق کیا کہہ رہے تھے۔

ریحان: وہ واقعی دلیر ہیں۔ انہیں درندہ جلسائی نے گھوڑے سے پھینک دیا۔ ان کے چوٹ آئی۔ مگر انہوں نے اپنی چوٹ ظاہر نہیں کی۔

حسانہ: اب تم ہی بتاؤ۔ وہ عورت ہیں یا مرد۔

ریحان: تم جیسی عورت نہیں ہیں۔

حسانہ: شاید دیکھ لیا ہوگا انہیں۔ اسی لیے ڈر گئے اور لگے تعریفیں کرنے۔

نزہون مسکرانے لگی۔ ریحان نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ نزہون نظر آئی۔ انہوں نے کہا۔

"او ہو یہ بھی موجود ہیں۔"

وہ چل پڑے۔ حسانہ نے کہا "چل کیوں دیے ٹھہرو ناصح مشفق صاحب ذرا تو رکو۔"

ریحان نے چلتے چلتے کہا "تم سے جیتنا مشکل ہے۔ تم شاعرہ جو ٹھہریں۔"

حسانہ ہنس پڑی۔ ریحان چلے گئے۔ نزہون نے کہا "تم بہت تنگ کرتی ہو اپنے بھائی جان کو۔"

حسانہ: تمہیں کیوں رحم آنے لگا ان پر۔

نزہون: بیچارے سیدھے سادے ہیں تم سے ہار مان کر چلے گئے۔

حسانہ: بڑے سیدھے ہیں۔ اس بہلاوے میں نہ رہنا۔

نزہون: شاید شاعری کو پسند نہیں کرتے ہیں تم چھوڑ کیوں نہیں دیتی شاعری۔

حسانہ: اچھا جی۔ تم بھی کرنے لگی ان کی طرف داری۔

نزہون: اس میں طرف داری کی کیا بات ہوئی۔ بہنوں کو بھائیوں کا کہا تو ماننا چاہیے۔

حسانہ: اور بہنوں کا بھائیوں کو کہا نہ ماننا چاہیے۔

نزہون: اب لگیں تم تو منطق بگھارنے۔

حسانہ: آخر مرد کا کہا ہوا کیوں نہ ہو۔

نزہون: مرد کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

حسانہ: میں یہ بات مانتی ہوں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ عورتیں اپنی خودداری کو کھو دیں۔

نزہون: وہ سچ کہتے تھے۔ تم سے جیتنا مشکل ہی ہے۔

حسانہ: ان کا سہارا کیوں لیتی ہو۔ یہ کیوں نہیں کہتیں کہ میری بات کا جواب نہیں ہے تمہارے پاس۔

نزہون: تم شاعرہ جو ٹھہریں۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعر بات میں بات پیدا کرتا رہتا ہے۔ شاعروں سے کون جیت سکتا ہے۔

حسانہ: شاعر زندگی کے ہر شعبہ کا مطالعہ غور سے کرتا ہے۔ وہ اپنے جذبات کو الفاظ کا جامہ پہناتا ہے۔ چونکہ وہ جو کچھ لکھتا ہے۔ واقعات سے متاثر ہو کر لکھتا ہے۔ اس لیے سننے والوں پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ حقیقت کا جواب نہیں ہوا کرتا۔

نزہون: ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اب یہیں کھڑی رہو گی۔

حسانہ: جہاں کہو تمہارے ساتھ چلوں۔

نزہون: میرے ساتھ چلو۔ میں تو یہ کہتی ہوں ہم اور تم ایسی جگہ چلیں جہاں میرے اور تمہارے سوائے کوئی اور نہ ہو۔

حسانہ نے حسین قہقہہ لگا کر کہا "خوب آگئی تم میں بھی شاعری کی بو۔"

نزہون: کاش میں بھی شاعرہ ہوتی۔

حسانہ: یہ کیا کہنے لگی تم۔ یا تو ابھی مجھے شاعری چھوڑنے کی تلقین کر رہی تھیں یا اب خود شاعرہ بننے کی آرزو کرنے لگی۔

نزہون: در اصل شاعر اپنے جذبات کا اظہار خوب کر سکتا ہے۔

حسانہ: سچی بات ہے۔ مگر جانتی ہو۔ تم نے شعر گوئی شروع کی اور ریحان تم سے بھی الجھنے لگیں گے۔

نزہون: مجھ سے کیوں الجھیں گے۔

حسانہ: انہیں شاعری سے تعصب جو ٹھہرا۔
نزہون: مگر میں شاعرہ ہونے ہی کیوں لگی۔ یہ تو خدا کا عطیہ ہے۔ جسے عطا ہو گیا ہو گیا۔
حسانہ: یہ سچ ہے۔ شاعری خداداد ہے۔
نزہون: آؤ خیمہ میں چل کر باتیں کریں گے۔
حسانہ: چلو۔ مگر خیمہ ہی میں کیوں چلیں۔ یہ سامنے جو ٹیلہ ہے۔ اس پر چل کر بیٹھیں۔
نزہون: کہتی تو ٹھیک ہو۔ لیکن ابھی بھائی جان کو ناشتہ نہیں کرایا ہے۔
حسانہ: تو پہلے انہیں ناشتہ کرا دو۔
نزہون: میں ناشتہ ہی لینے جا رہی تھی۔ تمہاری باتوں میں کچھ خیال ہی نہ رہا۔
حسانہ: اچھا مجھ پر الزام لگاتی ہو۔
نزہون: تم مانو گی تھوڑا ہی۔
حسانہ: چلو مانے لیتی ہوں۔
وہ مسکرائی۔ نزہون کچھ جھینپ گئی۔ اس نے کہا۔ اچھا میں ناشتہ لاتی ہوں۔ اتنے میں تم خیمہ میں چل کر بیٹھو۔
حسانہ: تم خیمہ میں چلو۔ میں ناشتہ لے کر آتی ہوں۔
نزہون نے مسکرا کر کہا۔ ڈرو نہیں خیمہ میں کوئی ہوا نہیں بیٹھا ہے۔ میں ابھی آئی۔
وہ چلی گئی۔ حسانہ خیمہ میں داخل ہوئی۔ کوثر بڑے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے تھے۔ جب وہ اٹھنے بیٹھنے لگے تھے۔ حسانہ نے کہا۔ "آج خیمہ سے باہر چلیے گا۔"
کوثر نے اس کے حسین چہرہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "جی تو چاہتا ہے۔ لیکن معلوم نہیں چل سکوں گا یا نہیں۔"
حسانہ: دل کیا کہتا ہے تمہارا۔
کوثر: کچھ نہیں کہتا۔
حسانہ نے مسکرا کر کہا۔ "جب تو نہیں چل سکتے ابھی تم۔"

کوثر: یہی میرا خیال ہے۔
حسانہ: ہر بات قوت ارادی پر منحصر ہے۔
کوثر: اس وقت میری تمام قوتیں مضمحل ہو رہی ہیں۔
اب نزہون ناشتہ لے کر آ گئی۔ کوثر نے ناشتہ کیا۔ کنیز آ کر برتن لے گئی۔
نزہون نے کہا: "اور کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔"
کوثر: کہیں جانے کا ارادہ ہے کیا؟
نزہون: جی ہاں۔ میں اور حسانہ سامنے والے ٹیلہ تک جا رہی ہیں۔
کوثر: مجھے معلوم نہیں ٹیلہ کہاں ہے۔
نزہون: قریب ہی ہے چند ہی قدم کے فاصلہ پر۔
کوثر: ہو آؤ۔
دونوں سیم تنیں اٹھیں اور چلیں۔ ٹیلہ بہت ہی قریب تھا۔ وہ اس پر چڑھ کر بیٹھ گئیں۔ حسانہ نے کہا۔ تم نے اپنی داستان سنانے کا وعدہ کیا تھا۔
نزہون: ہاں مگر میری داستان بڑی دردناک ہے۔
حسانہ: اگر مناسب سمجھو تو سنا ڈالو۔
نزہون: بہت اچھا۔

❖

(۱۰)

نزہون کی داستان

نزہون نے بیان کیا۔

"ہم کیوساڈا میں رہتے تھے۔ میرے والد تجارت پیشہ تھے۔ ملک التجار کہلاتے تھے۔ غرناطہ، اشبیلیہ اور دوسرے مقامات کی مشہور اور قیمتی چیزیں عیسائی ممالک قسطالہ اور اراگون وغیرہ میں لے جاتے تھے۔ سیکڑوں اونٹوں خچروں اور گھوڑوں پر سامان تجارت لاد کر جاتا تھا۔ پچاس غلام ساتھ جاتے تھے۔ جس شہر میں ان کا تجارتی قافلہ جاتا تھا دھوم مچ جاتی۔ عیسائی خریداروں کے ٹھٹھ آ لگتے۔ سال میں دو مرتبہ وہ سامان لے جاتے تھے۔

جب بھائی جان نے ہوش سنبھالا تو انہیں بھی ساتھ لے جانے لگے۔ کئی مرتبہ وہ انہیں ساتھ لے جا چکے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ جب قافلہ چلنے کے لیے تیار ہوا تو ابا جان بیمار پڑ گئے۔ انہوں نے چند روز تو یہ انتظار کیا کہ آرام ہو جائے۔ تو وہ بھی ساتھ چلیں۔ لیکن جب طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو انہوں نے بھائی جان ہی کو میر قافلہ بنا کر بھیج دیا تھا۔ کبھی کبھی ہمارے قافلہ کے ساتھ اور لوگ بھی اپنا اپنا سوداگری کا مال لے کر چلے جاتے تھے۔ وہ کم پونجی والے سوداگر ہوتے تھے۔ ابا جان اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ ایسے لوگوں کا مال اپنے مال سے پہلے اچھی قیمت پر فروخت کرا دیتے تھے۔ اس سے انہیں کافی فائدہ ہو جاتا تھا۔

بھائی جان کے ساتھ بھی ایسے کئی سوداگر تھے۔ ابا جان نے بھائی جان کو ہدایت کر دی کہ وہ ان کے آرام و راحت کا خیال رکھیں اور ان کا مال پہلے فروخت کرائیں۔

بھائی جان روانہ ہو گئے۔ جب ان کا قافلہ قسطالہ کے قریب پہنچا تو انہوں نے عیسائی سواروں کا ایک دستہ آتے ہوئے دیکھا۔ بھائی جان نے قافلہ کو سڑک کے کنارے پر دور تک پھیلا دیا۔ عیسائی رسالہ قافلہ کے قریب آکر رک گیا۔ معلوم ہوا وہ رسالہ اُراکہ کے ساتھ تھا۔ اُراکہ قسطالہ کے ولی عہد کی بیوی تھی۔ نہایت حسین و جمیل تھی۔ اس نے میر قافلہ سے گفتگو کرنے کی خواہش کی۔ بھائی جان اس کے پاس گئے۔ اس نے حیرت سے بھائی جان کو دیکھا اور کہا: "تم میر قافلہ ہو؟"

انہوں نے کہا: "جی ہاں۔"

اُراکہ: اس تھوڑی سی عمر میں تم اتنے بڑے قافلے کی قیادت کر رہے ہو۔

بھائی جان: یہ قافلہ اپنا ہی ہے۔ اس میں چند ہی اور سوداگر ہیں۔ ان کا تھوڑا سا تجارتی سامان ہے۔ میرے والد قافلہ کے ساتھ آیا کرتے تھے۔ اس مرتبہ وہ بیمار ہو گئے۔ نہیں آ سکے۔ مجھے تنہا آنا پڑا۔

اُراکہ بھائی جان کو برابر دیکھے جا رہی تھی۔ بھائی جان بھی کبھی کبھی اسے دیکھ لیتے تھے۔ اس نے مال کی تفصیل پوچھی۔ بھائی جان نے بتا دی۔ اُراکہ نے کہا: "ہم تمہارا مال دیکھیں گے۔"

بھائی جان: کیا اسی وقت؟

اراکہ: اسی وقت نہیں۔ تم شہر میں چلو۔ ہمارے قصر کے قریب جو میدان ہے وہاں ٹھہرنا۔ ہم اپنے پانچ سوار تمہارے ساتھ کیے دیتے ہیں۔ وہ تمہیں وہ مقام جہاں ہم تمہیں ٹھہرانا چاہتے ہیں بتا دیں گے۔

بھائی جان: لیکن میرے ساتھ اونٹ بہت زیادہ ہیں۔ ایک تو ایسا مقام ہونا چاہیے جہاں پانی زیادہ ہو۔ دوسرے اونٹوں کی غذا درختوں کے پتے ہیں۔ اس کے قریب درخت ہوں۔ تیسرے اگر وہاں بازار لگے تو شور و شغب کی وجہ سے آپ کے آرام اور سکون میں کوئی خلل نہ پڑے۔

اراکہ نے مسکرا کر کہا: "تمہارے اونٹوں کے شور سے یا بازار کے غل سے میرے سکون میں فرق نہیں آئے گا۔ بلکہ مجھے خوشی ہی ہوگی اور تمہیں وہاں پانی کا، پتوں کا اور سب

چیزوں کا آرام ملے گا۔"

ارا کر نے پانچ سوار قافلہ کے ساتھ کر دیے۔ قافلہ وہاں سے چل کر شہر میں داخل ہوا اور شاہی قصر کے قریب ایک وسیع میدان میں ٹھہر گیا۔ فوراً رنگ برنگے خیمے (چھولداریاں) نصب کر دی گئیں۔ اونٹ خچر اور گھوڑے پھیل گئے۔

اتفاق سے شہزادہ بطروہ آ گیا۔ وہ شاید شکار کو گیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے مصاحب اور چند اور شکاری تھے۔ وہ اس قافلہ کو وہاں دیکھ کر بہت بگڑا۔ اس نے بھائی جان کو بلا کر دریافت کیا: "تم کہاں سے آئے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا کوسادانے:

بطروہ: تمہیں یہاں ٹھہرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟

بھائی جان: ہمیں شہزادی ارا کر نے یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا تھا۔ بطروہ نے بھائی جان کو غور سے دیکھا اور کہا "تم جھوٹ بولتے ہو۔"

بھائی جان کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا "اپنے جیسا دوسروں کو نہ سمجھو۔"

بطروہ جھلا اٹھا۔ اس نے کہا "تمہاری اور یہ جرأت کہ تم مجھے میرے منہ پر جھوٹا کہو۔"

بھائی جان: ابتدا آپ نے کی ہے۔ میں نے نہیں۔ ع

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سنے

بطروہ: سمجھوں گا۔ تم مسلمانوں کی گستاخیاں اور سرکشیاں اب بہت زیادہ بڑھتی جا رہی ہیں۔

وہ وہاں سے چلا گیا۔ لیکن دھمکی دے گیا۔ مگر بھائی جان نے اس کی دھمکی کا کوئی خیال نہ کیا۔

دوسرے روز کچھ دن چڑھے ارا کر اور بطروہ دونوں چند عیسائیوں کے ساتھ وہاں آ گئے۔ بھائی جان نے ان کا استقبال کیا۔ ارا کر نے پوچھا "تمہیں اس میدان میں کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

بھائی جان: تکلیف تو کوئی نہیں ہے۔ لیکن شہزادہ کو ہمارا یہاں رہنا ناگوار ہوا۔ یہ افسوس ہے۔

ارا کر: نہیں! نہیں! ناگوار نہیں ہو سکتا۔

بطروہ: تمہاری خاطر سے میں خاموش ہو رہا ورنہ یہ سچ ہے کہ میں عربوں کو پسند

نہیں کرتا اور اس نوجوان (بھائی جان کی طرف اشارہ کر کے) کو تو بالکل بھی پسند نہیں کرتا۔

ارا کر نے مسکرا کر کہا "تمہیں مسلمانوں سے تعصب ہے۔ تم اس تعصب کو چھوڑ دو تو اچھا ہے۔"

بطروہ: تعصب اس لیے ہے کہ یہ لوگ گستاخ، سرکش اور زبان دراز ہوتے ہیں۔

بھائی جان کو اس کی بات سخت ناگوار گزری۔ انہوں نے کہا "ہم ریاکاری، مکاری اور چاپلوسی کو پسند نہیں کرتے۔ جو ہمارے دل میں ہوتا ہے۔ وہی ہماری زبان پر آ جاتا ہے۔"

ارا کر نے دیکھا کہ بھائی جان کو غصہ آ گیا ہے۔ اس نے بطروہ سے کہا "تم کیسے آدمی ہو۔ مہمانوں کی قدر نہیں کرتے۔ یہ ہمارے مہمان ہیں۔"

بطروہ: تم نے ایک بات کہی۔ میں نے اس کا جواب دے دیا۔ یہ تمہارے مہمان ہیں۔ تو ان کی تواضع مجھ پر فرض ہے۔

معلوم ہوا بطروہ اپنی بیوی ارا کر سے دبتے تھے۔ دراصل ارا کر عالی خاندان اور نیک تھی۔ اس نے بطروہ کو کبھی بھی پسند نہیں کیا تھا۔ ان کی شادی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہوئی تھی۔ عیسائیوں میں اکثر ایسی شادیاں ہوتی تھیں۔

ارا کر نے بھائی جان سے تجارتی سامان دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ بھائی جان نے غلاموں کو اشارہ کیا۔ انہوں نے مختلف خیموں اور چھولداریوں میں سامان سجا دیا۔ دوسرے سوداگروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ نمائش لگ گئی۔

بطروہ اور ارا کر نے سامان دیکھا۔ ہر قسم کا عمدہ سامان تھا۔ چینی کے ایسے برتن تھے۔ جو کانچ کے برتنوں کی طرح صاف اور شفاف تھے اور ان پر چاندی اور سونے سے مینا کاری کی گئی تھی۔ نہایت خوبصورت تھے۔ ریشمی تھان تھے۔ جو نہایت عمدہ اور دیکھنے کے قابل تھے۔ اونی شالیں، غالیچے اور قالین تھے۔ سونے کے مرصع بہ جواہر زیورات تھے۔ یہ ایسی چیزیں تھیں جو عیسائی ملکوں میں لے جاتے تھے۔ ارا کر نے ان میں سے بہت سی چیزیں پسند کیں اور وہ سب خرید لیں۔

ان کے بعد عیسائی دولت مند اور امیر آنے شروع ہوئے۔ انہوں نے بھی خریداری

شروع کردی۔ ایک ہی ہفتہ میں تمام سامان فروخت ہوگیا۔ اس مرتبہ بھائی جان کو کافی منافع ہوا۔

اراکہ روزانہ آتی تھی اور گھنٹوں بھائی جان سے باتیں کرتی تھی۔ کبھی کبھی بطروہ بھی اس کے ساتھ آجاتا تھا۔ بھائی جان واپسی کا ارادہ کر رہے تھے۔ اراکہ چاہتی تھی کہ وہ ابھی اور ٹھہریں۔ لیکن ایک روز اراکہ نے آکر بھائی جان سے کہا۔ اب تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔

بھائی جان نے پوچھا کیوں؟ ایسی کیا بات ہے؟ تم کیوں چاہتی ہو کہ میں فوراً چلا جاؤں۔

اراکہ: سنو یہ ہمارا قومی راز ہے۔ مگر مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔ میں تم سے کچھ نہ چھپاؤں گی۔ بطروہ کا تعصب رنگ لا رہا ہے۔ وہ تمہیں گرفتار کرنے کی فکر میں ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ اسلامی علاقہ پر تاخت کرے۔ تم آج ہی روانہ ہو جاؤ۔

وہ چلی گئی۔ بھائی جان نے پہلے ہی کوچ کی تیاری کر رکھی تھی۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے بھی کہہ دیا تھا کہ بطروہ ہماری فکر میں ہے۔ وہ بھی تیار ہوگئے اور آدھی رات کے بعد یہ قافلہ بڑی خاموشی سے واپس ہوا۔

(۱۱)

عظیم شور

مزیون نے بیان کیا۔

بھائی جان نہایت تیزی سے وہاں سے روانہ ہوئے۔ انہیں اندیشہ ہوا اگر کہیں بطروہ ان کا تعاقب کرکے انہیں لوٹ نہ لے۔ وہ دن بھر سفر کرتے رات کو قیام کرکے آدھی رات تک آرام کرتے اور آدھی رات کے بعد پھر روانہ ہو جاتے۔ آخر وہ خدا خدا کرکے کیوساڈا میں آگئے۔ ان کے آنے سے مجھے اور ان کے باپ کو بڑی خوشی ہوئی۔ مجھے ان سے بڑی محبت تھی اور وہ مجھ سے بڑی محبت کرتے تھے۔ وہ میرے لئے کئی تحفے لائے تھے۔ انہوں نے اراکہ کی ساری باتیں مجھے سنائیں اور ابا جان سے کہا کہ بطروہ کا ارادہ کیوساڈا اور دوسرے سرحدی علاقوں پر تاخت کرنے کا ہے۔ ابا جان کو بڑی فکر ہوئی۔ کیونکہ کیوساڈا میں صرف پچاس سپاہی رہتے تھے۔ انہوں نے ان سپاہیوں کے افسر کو اس بات کی اطلاع دے دی۔ افسر نے اسی وقت غرناطہ قاصد بھیج دیا۔ تمام حال بادشاہ کو لکھا اور مدد طلب کی۔ لیکن افسوس ہے غرناطہ سے ہماری مدد کے لیے کوئی نہ آیا۔

اس عرصہ میں ابا جان پھر بیمار ہوگئے۔ ان کا علاج شروع ہوا۔ لیکن جوں جوں علاج ہوتا رہا، مرض اور بڑھتا گیا۔ ایک روز ابا جان کی حالت زیادہ بگڑ گئی۔ انہوں نے مجھے اور بھائی جان کو اپنے پاس بلا لیا اور کہا۔ میرے بچو۔ میں نے رات خواب دیکھا ہے۔ عیسائیوں نے ہمارے شہر پر حملہ کر دیا ہے اور شہر میں آگ لگا دی ہے۔ ایک سرے سے قتل عام شروع کر دیا ہے۔ میں نے تمہاری مدد کرنی چاہی لیکن نہ کر سکا تم دونوں شہر سے بھاگ گئے

اسی وقت میری آنکھ کھل گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا وقت قریب آ گیا ہے۔ عیسائی اس شہر پر تاخت کرنے والے ہیں۔ تم اس شہر سے چلے جاؤ۔

وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ اس قدر بیان کر کے چپ ہو گئے۔ ان پر غفلت طاری ہو گئی۔ ہمیں بڑا فکر ہوا۔ ہم انہیں اس حالت میں چھوڑ کر کہیں بھی نہیں جا سکتے تھے۔

ابا جان سے شہر کے معزز لوگوں کو بڑی محبت تھی۔ عوام بھی ان کی عزت کرتے تھے۔ ان کی علالت کے لیے لوگ آتے رہتے تھے۔ شہر کے مشہور طبیب ان کا علاج کر رہے تھے۔ طبیبوں نے جب ان کی یہ کیفیت دیکھی تو وہ ناامید ہو گئے۔ مجھے اور بھائی جان کو بڑا قلق ہوا۔ ہم نے بڑی دوا دوش کی۔ لیکن خدا کی مرضی پوری ہوئی۔ دوپہر کے وقت ان کا انتقال ہو گیا۔ ہمیں بڑا صدمہ ہوا۔ شہر کے تمام مسلمان ہمارے غم میں شریک ہوئے۔ اس روز تمام کاروبار بند ہو گئے۔ عورتوں سے گھر بھر گیا اور باہر مردوں کے ٹھٹھ آ لگے۔ بڑی شان سے ان کا جنازہ اٹھایا۔ میں فرطِ رنج و قلق سے بے ہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو لوگ انہیں دفن کر چکے تھے۔

اسی روز عصر کے وقت غل ہوا کہ عیسائی آ گئے۔ بھائی جان نے میرے پاس آ کر کہا۔ "زہرہ بانو۔ ابا جان کا خواب پورا ہوتا نظر آ رہا ہے۔ وہ ہم سے رخصت ہو گئے اور اب ہماری مدد نہیں کر سکتے۔ عیسائی آ گئے ہیں۔ ان کے مقابلہ کی اس شہر کے مسلمانوں میں طاقت نہیں ہے۔ عیسائیوں کی بے رحمی اور سفاکی مشہور ہے۔ یقیناً وہ اس شہر کو تاراج کر ڈالیں گے۔ اگر تمہاری یہی حالت رہی تو میں کچھ بھی نہ کر سکوں گا۔ تم اپنے دل کو سمجھاؤ۔ اپنی حالت کو سنبھالو اور آنے والے واقعات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

میں نے سوچا واقعی بھائی جان سچ کہہ رہے ہیں اگر میری یہی کیفیت رہی تو نہ وہ کچھ کر سکیں گے نہ میں ہی کچھ کر سکوں گی۔ مجھے عیسائیوں پر غصہ آ گیا۔ اس غصہ نے غم کا بار ہلکا کر دیا۔ میں اسی وقت اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا۔ "بھائی جان اب تم میری طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔ اگر ضرورت پڑے گی تو میں تنہا عیسائیوں کا مقابلہ کروں گی۔"

بھائی جان: مرحبا۔ میں یہی چاہتا ہوں۔ تم اٹھو اور عورتوں کی ہمت بندھاؤ۔ ان کی قیادت کرو۔ میں باہر جا کر دیکھتا ہوں۔ عیسائی کیا کرتے ہیں۔"

اگرچہ میرا دل غم سے نیم جان تھا۔ لیکن جوش اور غصہ نے میرے جسم میں قوت پیدا کر دی۔ میں کمرے سے نکل کر صحن میں آئی۔ میرے دل میں ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ چل کر عیسائیوں سے لڑوں۔

ہمارے گھر میں جو عورتیں جمع ہوئی تھیں۔ ان میں سے زیادہ تر جا چکی تھیں۔ بہت کم باقی رہ گئی تھیں۔ میں نے ان سے کہا۔ عیسائی ہمارے شہر پر حملہ کرنے کے لیے آ گئے ہیں۔ ہمیں مردوں کے ساتھ ہو کر ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

میں نے دیکھا تمام عورتوں میں وہی جذبہ تھا۔ جو میرے دل میں پیدا ہوا تھا۔ وہ عیسائیوں کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو گئیں۔ مگر انہیں بھی اپنے گھر جانا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ سب چلی گئیں۔

دن چھپے میں اور کنیزیں نماز پڑھ کر فارغ ہی ہوئی تھیں کہ بھائی جان آ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ عیسائیوں کے پاس ایک سفارت بھیجی گئی تھی اور اس سے کہا گیا تھا کہ بلاوجہ اور بغیر کسی اعلانِ جنگ کے انہوں نے کیوں لشکر کشی کی ہے اور کس قصور پر یہاں شہر والوں سے ناراض ہو کر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ شہر عیسائیوں کا تھا۔ تم نے زبردستی اس پر قبضہ کر لیا ہے۔ ہم اپنا شہر واپس لینے آئے ہیں۔

میر وفد نے کہا کہ اسپین کے جتنے علاقے پر عیسائی قابض ہو گئے ہیں۔ وہ سب مسلمانوں کا تھا۔ تم نے جبراً قبضہ کر لیا ہے۔ لیکن ہم نے تم سے اس بات کی شکایت تک نہیں کی۔ بطرو، جو اس لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ اس نے جواب دیا کہ تمام اسپین عیسائیوں کا تھا۔ اس پر تم نے قبضہ کر لیا تھا۔ اب ہم سپین سے تمہیں نکالنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ نکال کر چھوڑیں گے۔ غرض وہ اپنی طاقت اپنے لشکر کی کثرت اور مسلمانوں کی کمزوری کو دیکھ کر دلیر ہو رہے ہیں۔

"وہ کوئی بھی معقول بات ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ وہ یقیناً حملہ کریں گے۔"

میں نے پوچھا۔ شہر کے مسلمانوں کا کیا خیال ہے؟

بھائی جان نے جواب دیا۔ وہ مقابلہ کے لیے بالکل تیار ہیں۔

میں۔ عیسائیوں کے، اتنا کس قدر لشکر ہے؟

بھائی جان: بیس ہزار سے کم نہیں ہے۔

میں نے افسوس بھرے لہجے میں کہا: اف! اتنا بھاری لشکر ہے۔ کس طرح مسلمان ان کا مقابلہ کر سکیں گے۔

بھائی جان: شہر کے سب مسلمان جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں، ساڑھے چار ہزار ہیں۔ اگر اس تعداد میں سے عورتوں، بچوں، بوڑھوں، اپاہجوں اور بیماروں کو نکال دیا جائے تو صرف ڈیڑھ ہزار مسلمان ایسے رہ جاتے ہیں جو مقابلہ کر سکتے ہیں۔ بڑا فکر ہے۔ مگر ہمیں ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ خدا سے بہتری کی امید رکھنی چاہیے۔

مصیبت اور تکلیف میں خدا بہت جلد یاد آتا ہے۔ ہم نے بھی اس کو یاد کیا اور دعائیں مانگیں۔

میں نے اور بھائی جان نے اور ہماری وجہ سے کنیزوں اور غلاموں نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ ابا جان کے ایک دوست کھانا لائے تھے۔ ان کے گھر میں سے بھی آئیں۔ وہ پہلے بھی اکثر ہمارے گھر آتی رہتی تھیں۔ میں اور بھائی جان انہیں امی کہا کرتے تھے۔ وہ بھائی جان سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ ہم دونوں کو اپنے بچوں کی طرح چاہتی تھیں۔ انہوں نے کھانا منگوایا۔ بھائی جان نے بھوک نہ ہونے کا عذر کر دیا۔ مجھے بھی بھوک نہیں تھی۔ ایک تو ہمارے شفیق ابا جان کا انتقال ہو گیا تھا۔ دوسرے عیسائی شہر کے گرد آ پڑے تھے۔ غم، فکر اور پریشانی نے بھوک اڑا دی تھی۔

مگر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر ہم نے کھانا نہ کھایا اور صبح کو عیسائیوں نے حملہ کر دیا تو کمزوری کی وجہ سے ہم کیسے لڑ سکیں گے۔ مگر میں یہ بات منہ پر لا کر امی کے سامنے بھائی جان سے اس لیے نہ کہہ سکی کہ کہیں وہ یا بھائی جان یہ خیال نہ کریں کہ میں بھوک کو برداشت نہ کر سکی۔ عیسائیوں کے حملہ کا بہانہ کر کے خود بھی کھانے لگی اور بھائی جان کو بھی کھانے کے لیے مجبور کر دیا۔

میں چپ سی رہی۔ امی جان کچھ دیر تک ہم دونوں کو بڑے پیار سے سمجھاتی رہیں۔ آخر میں انہوں نے وہی بات کہی جو میرے ذہن میں آئی تھی۔ یعنی انہوں نے کہا میرے بچو! جنگ کے بادل سروں پر چھا رہے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ کل صبح ہوتے ہی عیسائی حملہ کریں گے۔ اگر تم نے کھانا نہ کھایا تو کمزور ہو جاؤ گے۔ دل کھول کر لڑ نہ سکو گے۔ اس لیے قوم کی بہبودی کے لیے کھاؤ۔ تاکہ جسمانی قوت بنی رہے اور عیسائیوں کا مقابلہ اچھی طرح کر سکو۔

میں نے دیکھا بھائی جان اس بات کو سن کر کچھ چونک گئے۔ انہوں نے کہا: امی! آپ نے خوب یاد کرایا۔ امی جان ہمیں اپنی طاقت قائم رکھنے کے لیے ضرور کچھ نہ کچھ کھانا چاہیے۔

چنانچہ انہوں نے مجھ سے بھی کہا: زہرہ بہن! آؤ کھانا کھاؤ۔

میں اور وہ امی جان کے ساتھ کھانا کھانے لگے۔ جب کھا چکے تو کنیزوں اور غلاموں نے کھایا۔ امی ہمیں کھلا پلا کر چلی گئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نے عشاء کی نماز پڑھی۔

ہمارے کمرے الگ الگ تھے اور ہم الگ الگ اپنے اپنے کمروں میں سویا کرتے تھے۔ لیکن اس روز مجھے اور بھائی جان دونوں ہی کو یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں ہم دونوں میں سے کوئی بے صبری نہ کرے اور رات رو رو کر جاگتے ہوئے نہ گزارے۔ چنانچہ بڑے کمرے میں سونے کا انتظام کیا گیا۔ میں، بھائی جان اور دو کنیزیں اس کمرے میں سو گئیں۔ نہ معلوم کتنی دیر تک سوتی رہیں۔ ایک عظیم شور سن کر ہماری آنکھ کھل گئی۔ ہم سب اٹھ بیٹھے اور معاملہ کی نوعیت سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

✿

(۱۴)

باقی داستان

زہرہ نے بیان کیا:

شور دم بدم بڑھتا جاتا تھا۔ بھائی جان نے کہا: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں نے شب خون مارا ہے۔"

خود میرا بھی یہی خیال تھا۔ ہمارا مکان شہر کے بیچ میں تھا۔ میں نے کہا: "میرا بھی یہی خیال ہے۔"

بھائی جان جلدی سے اُٹھے اور مسلح ہوئے۔ جب وہ باہر جانے لگے تو میں نے ان سے کہا: "میں بھی ساتھ چلوں بھائی جان۔"

انہوں نے کہا: "نہیں تم ابھی یہیں رہو۔ پہلے میں دیکھوں معاملہ کیا ہے۔"

وہ چلے گئے۔ تمام کنیزیں بھی اُٹھ گئی تھیں۔ ہمارے یہاں سات کنیزیں تھیں۔ آٹھ غلام تھے۔ دو کنیزیں ادھیڑ عمر کی تھیں۔ دو جوان تھیں اور تین میری ہم عمر تھیں۔ وہ سب میرے پاس آگئیں۔ میں نے ان سے کہا: "خنجر لے لو۔"

انہوں نے خنجر لے لیے۔ میں نے ایک چھوٹی تلوار لے لی اور باہر صحن میں نکل آئیں۔ سردی کا موسم شروع ہو گیا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے چل رہے تھے۔ میں نے اونی شال اوڑھ رکھی تھی۔ چاند نکل آیا تھا۔ چاندنی پھیل گئی تھی۔ آسمان سے نور کی بارش ہو رہی تھی۔ اور ہم اس نور میں نہا رہی تھیں۔

پہلے ایک طرف سے شور ہو رہا تھا۔ اب کئی طرف سے اور نزدیک سے چیخنے اور چلانے

کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ دفعتاً ہم نے اللہ اکبر کے پرشور نعرہ کی آواز سنی۔ میں نے کنیزوں سے کہا۔ یقیناً عیسائیوں نے شب خون مارا ہے اور وہ شہر میں گھس آئے ہیں۔ مسلمان ان کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

ایک کنیز نے کہا۔ میرا بھی خیال یہی ہے۔

ہم ابھی تک صحن میں کھڑی تھیں۔ مجھے عیسائیوں پر بڑا ہی غصہ آ رہا تھا۔ اگر سو پچاس لڑکیاں اور میرے ساتھ ہوتیں تو میں یقیناً مکان سے نکل کر عیسائیوں پر حملہ کر دیتی۔ لیکن رات کے وقت ایک جگہ لڑکیوں کا جمع ہونا مشکل تھا۔

شور بڑھتا اور قریب ہوتا جا رہا تھا۔ اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز ایک ہی مرتبہ آئی پھر نہیں آئی۔ زیادہ تر چیخنے اور چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اب میں نے ایسی روشنی دیکھی جیسے کہیں آگ لگ گئی ہو۔ کنیز نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے آگ لگائی جا رہی ہے۔

ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے کئی طرف شعلے بلند ہونے لگے۔ یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ آگ مسلمانوں کے مکانوں میں لگی یا لگائی گئی ہے۔ یا عیسائیوں کے مکانوں میں۔ تھوڑی دیر کے بعد بھائی جان واپس آئے۔ وہ بے حد غمگین معلوم ہوتے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا۔ بھائی جان کیا ہو رہا ہے۔ یہ کیا شور ہے۔ آگ کس نے لگائی ہے۔ کہاں لگائی ہے۔ کیوں لگائی ہے؟

میں ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گئی۔ بھائی جان نے کہا۔ عیسائی بھیڑیئے شہر میں گھس آئے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا ہے اور مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے انہوں نے گھروں میں آگ لگانی شروع کر دی ہے۔

میں۔ مگر عیسائی شہر کے اندر کیسے گھس آئے؟

بھائی جان۔ شہر کوساٹا کی فصیل کافی مضبوط تھی۔ اس کے دو پھاٹک تھے اور دونوں پھاٹکوں پر پہرہ تھا۔ بھائی جان نے کہا: "ہملڈ اور عیسائیوں سے شہر کے عیسائی مل گئے۔ ایک عیسائی نے جس کے مکان کی دیوار فصیل سے ملی ہوئی تھی۔ اپنے مکان کی دیوار اور فصیل توڑ ڈالی اور عیسائیوں کو شہر میں گھسا لایا۔

بے رحم اور سفاک عیسائیوں نے شہر میں گھستے ہی مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔

پھر مسلمان جمع ہو کر ان کے مقابلے میں آ گئے۔ انہوں نے عیسائیوں کو روک کر جنگ شروع کر دی۔ میں پھاٹک سے سپاہیوں کو ساتھ لے کر لڑائی کے موقعہ پر پہنچا۔ ہم نے چند زور دار حملے شروع کئے۔ بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا۔ لیکن ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ہم مار رہے تھے اور وہ برابر بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ ہمارے ساتھیوں میں سے بھی بہت سے مارے گئے مگر اس پر بھی ہم لڑتے اور انہیں قتل کرتے رہے۔

عیسائی مختلف محلوں میں پھیل گئے۔ ان بے رحموں نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کو منتشر کرنے کے لیے گھروں میں آگ لگا دی ان کا منشا پورا ہو گیا جو لوگ بھی کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ ان میں انتشار پیدا ہو گیا۔ انہیں یہ خوف ہوا کہ کہیں ان کے گھروں میں آگ نہ لگا دی ہو۔ چنانچہ وہ اپنے اپنے گھروں کی طرف بھاگ گئے۔ میں اور میں سپاہی بے شمار عیسائیوں کے مقابلے میں جمے رہے۔ ہم نے سو عیسائیوں کے قریب مار دیئے۔ ہم میں سے بھی کچھ لوگ مارے گئے۔ جب شعلے بھڑکنے لگے تو ہم سب پریشان ہونے لگے خصوصاً مجھے زیادہ فکر ہوا خوف ہوا کہ کہیں ظالموں نے میرا گھر بھی نہ جلا دیا ہو۔ آخر ہم پسپا ہو گئے اور میں یہاں چلا آیا۔ نازنین ہون، اگر ہم یہاں رہے تو قتل کر دیئے جائیں گے۔ تیار ہو جاؤ اور یہاں سے بھاگو۔"

میں: اور یہ ہمارا سارا ساز و سامان اور ہماری دولت

بھائی جان: سب کو چھوڑنا ہو گا۔ جلدی کرو۔ دیکھو آگ قریب آتی جا رہی ہے۔ شاید عیسائی تمام شہر ہی کو آگ لگا دینا چاہتے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ جس طرف نظر جاتی تھی۔ آگ کی لپٹیں نظر آتی تھیں۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں چلا گھر بھی آگ کی نذر نہ ہو جائے میں نے کہا۔

"میں تیار ہوں۔"

ہم اپنا سب کچھ چھوڑ کر کنیزوں کے ساتھ باہر نکلے۔ غلاموں نے گھوڑوں پر زین کس لیے تھے۔ ہم سب گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور وہاں سے چلے۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ عیسائیوں کا ایک گروہ آتا ہوا نظر آیا۔ سامنے ہی ایک مکان جل رہا تھا۔ اس کے شعلوں سے رات کی سی

روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ عیسائیوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ بھائی جان اور غلام نہایت بہادری سے لڑے۔ انہوں نے بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا۔ بھائی جان نے کئی عیسائیوں کو قتل کر کے ان کے بڑے افسر کو مار ڈالا۔ مگر ہمارے کئی غلام بھی مارے گئے۔ میں اور کنیزیں ایک طرف کھڑی تھیں۔ ہمارے پیچھے کی طرف سے عیسائیوں کا ایک دستہ اور آ گیا۔ اس دستہ کے درندوں نے کنیزوں پر حملہ کر دیا۔ پانچ کنیزوں کو چشم زدن میں مار ڈالا۔ دو کنیزیں بھاگ گئیں۔ ایک عیسائی جو شاید افسر تھا میری طرف بڑھا میں نے اس پر تلوار چلائی۔ اس نے ڈھال پر روکی۔ اس کی نظر کچھ مجھ پر پڑی وہ کچھ گھبرا گیا۔ اس نے کہا تم جیسی نازنین کو قتل نہیں کر سکتا گرفتار کروں گا۔

ٹھیک اسی وقت بھائی جان میرے پاس آ گئے۔ انہوں نے بڑے جوش سے حملہ کیا افسر پیچھے ہٹ گیا بھائی جان نے مجھ سے کہا۔ نازنین بھاگو ہمارے تمام غلام مارے گئے۔

میں ان کے ساتھ چلی۔ عیسائی ہمارے پیچھے چلے۔ بھائی جان نے پلٹ کر حملہ کیا۔ دو عیسائیوں کو مار ڈالا اور عیسائی پیچھے ہٹ گئے۔ بھائی جان پھر میرے پاس آئے اور ہم دونوں نے گھوڑے دوڑا دیئے۔ ہم ایک گلی میں گھس گئے اور تیر کی طرح چل کر پھاٹک پر پہنچے۔ اتفاق سے پھاٹک کھلا ہوا تھا اور وہاں کوئی نہیں تھا۔ ہم دونوں باہر نکل آئے اور ہم نے گھوڑوں کو سرپٹ چھوڑ دیا۔

بھائی جان نے مجھ سے کہا، عیسائی ہمارے پیچھے آ رہے ہیں۔ ہوشیاری سے گھوڑے دوڑائے چلی چلو۔"

میں گھوڑے کی سواری خوب جانتی تھی۔ میرا گھوڑا تیز رو تھا۔ بھائی جان کا گھوڑا نہایت ہی اچھی نسل کا تھا۔ غالباً ہمارے گھوڑے اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ ہم خطرہ میں ہیں۔ وہ ہمیں خطرہ سے نکالنے کے لیے پوری رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ شاید بھائی جان نے پیچھے پھر کر دیکھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا۔ عیسائی یا تو پیچھے رہ گئے ہیں۔ یا ہمارے ہاتھ نہ آنے سے مایوس ہو کر واپس لوٹ گئے ہیں۔

مگر پھر بھی ہم تیز چلتے رہے اور صبح تک ہم نے کافی فاصلہ طے کر لیا۔ جب صبح صادق

ہو گئی تو ہم نے ایک چشمہ کے کنارے پر گھوڑے روکے۔ انہیں چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور ضروریات سے فراغت کر کے ٹھنڈے پانی میں وضو کر کے نماز پڑھی۔ آفتاب نکلنے تک ہم وہیں ٹھہرے رہے۔ جب سورج نکل آیا تو ہم نے کیوساڈا کی طرف سے کچھ سوار آتے دیکھے۔ بھائی جان نے کہا ضرور یہ عیسائی ہیں۔ ہمارا پیچھا کیے چلے آ رہے ہیں۔ آؤ چلو۔"

ہم دونوں پھر گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور تیزی سے چلے۔ ہمارے گھوڑے پھر ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ ہم دوپہر تک دوڑتے رہے۔ چونکہ گھوڑے تھک گئے تھے۔ اس لیے ہم نے ایک جگہ قیام کر دیا۔ چونکہ ہم رات کے زیادہ حصّہ میں جاگتے رہے تھے اور کچھ سفر کرنے کی وجہ سے کسل ہو گئے تھے۔ اس لیے ہماری آنکھ لگ گئی۔ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر میری نیند ٹوٹی۔ دیکھا تو بھائی جان گھوڑے پر سوار ہو چکے تھے اور عیسائی نزدیک آ گئے تھے میں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ عیسائیوں نے آتے ہی بھائی جان پر حملہ کر دیا۔ بھائی جان بڑی دلیری سے لڑے۔ انہوں نے کئی عیسائیوں کو مار ڈالا۔ مگر خود بھی زخمی ہو گئے اور اس قدر زخمی ہوئے کہ مجھے ان کے بچنے کی اُمید نہ رہی۔ ان کا گھوڑا شوخی کرنے لگا۔ بھائی جان اسے روکتے اور عیسائیوں کے مقابلہ میں لوٹنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ دولتیاں جھاڑتا اور پیچھے کی طرف دوڑتا تھا۔ آخر اس نے لگام منہ میں دبا لیا اور بھاگ نکلا۔ عیسائیوں نے ان کا تعاقب کیا۔ میں اٹھ کر ان کے پیچھے دوڑی۔ مجھے دو عیسائیوں نے پکڑ لیا۔ غور سے دیکھا تو ایک ان میں سے وہ افسر تھا۔ جس پر میں نے تلوار چلائی تھی۔ اس نے بھی مجھ پر تلوار چلانی چاہی تھی۔ لیکن کچھ گھبرا گیا تھا اور کہنے لگا تھا تم جیسی نازنین کو میں قتل نہیں کر سکتا۔ گرفتار کروں گا۔ میں نے ہر چند اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی لیکن نہ نکل سکی۔ وہ دونوں مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ میں نے نکل بھاگنے کی کوشش کی۔ مگر وہ اس قدر نگرانی کر رہے تھے کہ کامیاب نہ ہوئی۔ میں نے خدا سے اپنے ناموس کی سلامتی کی دعا مانگی۔ تھوڑی رات گئے تمہارے بھائی جان پہنچ گئے۔ انہوں نے بڑی دلیری سے عیسائیوں سے جنگ کی اور حسانہ نزہون کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ نزہون نے دیکھا۔ وہ کچھ محجوب ہو گئی۔

☆

(۱۳)

دیرینہ تعلق

کچھ وقفہ کے بعد حسانہ نے کہا۔ "واقعی سفاکوں نے تمہیں گھوڑے کے اوپر سے پھینک دیا تھا؟"

نزہون: "مجھے کچھ معلوم نہیں۔ البتہ تمہارے بھائی جان کہتے تھے۔"

حسانہ: "شاید تمہاری ... تعریف کرنے کے لیے کہتے ہوں۔ ورنہ تم تو ایسی حسین اور نازنین ہو کہ جنہیں ہاتھ لگاتے نہ بنتے۔"

نزہون نے مسکرا کر کہا: "یہ اپنی تعریف شروع کر دی تم نے۔ تمہارے بھائی جان کیا کہہ رہے تھے تمہیں۔"

حسانہ: جو تم نے سنا وہی کہہ رہے تھے۔

اسی وقت ریحان وہاں آ گئے۔ انہوں نے کہا: "ارے تم دونوں یہاں بیٹھی ہو۔"

دونوں نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ حسانہ نے کہا: "یہ کہو ہم دونوں کو ڈھونڈنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

ریحان: ضرورت — ضرورت تو کچھ نہیں پیش آئی مگر تم یہاں آئیں کیوں۔

حسانہ: تفریح کرنے کے لیے۔

ریحان: یا ان کا (نزہون کی طرف اشارہ کر کے) دماغ چاٹ رہی تھیں۔ سنا رہی ہوں گی اپنی شاعری۔

حسانہ: تمہیں کیوں خیال ہونے لگا ہے ان کا۔

ریحان: خیال . . . . خیال سے کیا مطلب میں تو بات کر رہا ہوں۔

حسانہ: مگر ذکر شاعری ہی کا رہے گا۔

ریحان: اور تمہیں آتا ہی کیا ہے۔

حسانہ: معلوم ہی ہے۔ یہ بھی شاعرہ ہیں۔

ریحان: ایں شاعرہ ہیں۔ او ہو جب تو یہ
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے۔

حسانہ: دیوانے دو۔ یہی مطلب ہے نہ تمہارا۔

ریحان نے نزہون کی طرف دیکھا۔ وہ حسین نگاہوں سے ان کی طرف پہلے ہی سے دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے کہا۔ مگر میں شاعری کو برا تو نہیں کہتا۔

نزہون مسکرائی۔ حسانہ نے کہا۔ اب کیسے کہہ سکتے ہو۔ دو شاعرہ ایک جگہ اکٹھی ہیں نا؟"

ریحان: اور یہ بڑی اچھی بات ہے۔ اگر میں اب شاعری کی مذمت کروں گا تو تم دونوں میری ہجو کہہ ڈالو گی۔

دونوں ہنس پڑیں۔ ریحان کچھ نادم سے ہو گئے۔ انہوں نے کہا: مگر تم نے شاعری کے لیے یہی جگہ کیوں منتخب کی۔ خیمہ موجود نہیں تھا۔

حسانہ: مگر ہمارے یہاں آنے سے حرج ہی کون سا ہو گیا۔

ریحان: وہاں کوثر جو اکیلے رہ گئے۔

حسانہ: تم بھی بیٹھ جاتے ان کے پاس۔

ریحان: ہیں — ٹھیک کہتی ہو۔ مجھے بھی بیٹھ جانا چاہیے تھا۔

حسانہ: اب چلے جاؤ۔

ریحان: اچھا جا رہا ہوں۔

وہ چلے گئے نزہون نے کہا۔ "بڑی بے درد ہو تم"
حسانہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "کیا ہوا؟"

نزہون: جاؤ۔ بہت سیدھے ہیں۔ تمہارے بھائی جان۔

حسانہ: میں کہہ چکی ہوں۔ اس بھول میں مت رہنا۔

نزہون: خیر ہو گا۔ یہ بتاؤ تم اور تمہارا قافلہ یہاں کیسے مقیم تھا۔

حسانہ: ہم بھی اپنے وطن سے عیسائیوں کے خوف سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ جس روز تمہارے بھائی جان زخمی یہاں پہنچے۔ ہم ان کے آنے سے تھوڑی ہی دیر پہلے یہاں آئے تھے۔

نزہون: تمہارا وطن کہاں تھا؟

حسانہ: ہم شہر اکلاڈیٹ میں رہتے تھے۔

نزہون نے متعجب ہو کر کہا۔ اکلاڈیٹ میں۔ کیا اسی اکلاڈیٹ میں جو دوشہ کے قریب ہے؟

حسانہ: جی ہاں۔

نزہون: جب تم ہمارے پڑوسی ہو۔

حسانہ: جی ہاں۔ میں نے کیوساڈا کی تعریف سنی تھی۔ کئی مرتبہ ابا جان سے اس شہر کے دیکھنے کی آرزو کی۔ انہوں نے وہاں چلنے کا وعدہ بھی کیا۔ مگر کاروبار نے مہلت نہ دی۔

نزہون: شاید تمہارے والد بھی تجارت پیشہ ہیں؟

حسانہ: جی ہاں تجارت بھی کرتے ہیں اور جاگیردار بھی ہیں۔ جب میں ان سے کیوساڈا چلنے کے لیے کہتی تو وہ کہہ دیتے کہ وہاں میرے ایک دوست موسٹے بڑے سوداگر ہیں۔ ان کے پاس چل کر ٹھہریں گے۔"

نزہون نے حیرت سے حسانہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ وہ اپنے دوست کا نام موسیٰ بتاتے ہیں؟

حسانہ: جی ہاں۔ کیا تم انہیں جانتی ہو؟

نزہون: میرے والد ہی کا نام موسیٰ تھا۔

اب حسانہ کو بھی حیرت ہوئی۔ اس نے کہا: "اچھا تم میرے ابا جان کے دوست کی بیٹی ہو۔ کیسی خوشی ہو گی۔ اس بات کو سن کر انہیں۔"

نزہون: خوشی ہو گی یا رنج۔ کیونکہ ان کے دوست تو اللہ کو پیارے ہو گئے۔

حسانہ : مگر دوست کی نشانی تو موجود ہے۔

زہرون : کیا الکاڈیٹ پر بھی عیسائیوں نے حملہ کر دیا تھا؟"

حسانہ : نہیں۔ وہیں یہ معلوم ہوا تھا کہ عیسائی سرحدی علاقہ کی طرف تاخت کرنے کے ارادے سے آ رہے ہیں۔ شہر میں مسلمان بہت کم تھے۔ رات کے وقت تمام مسلمان جمع ہوئے سب نے یہ طے کیا کہ اس شہر کو چھوڑ دیں۔ چنانچہ اگلے ہی روز سے مسلمانوں کی روانگی شروع ہو گئی۔ سب کے آخر میں ہمارا قبیلہ چلا۔

زہرون : یہ عیسائی بہت ہی بد عہد اور ابن الوقت ہیں۔ جب دب جاتے ہیں تو خوشامد کر کے امن امان سے رہنے کے اقرار کر لیتے ہیں اور جب طاقت ور ہو جاتے ہیں تو تمام عہد و قرار کو توڑ کر حملہ کر دیتے ہیں۔

حسانہ : یہی بات ہے۔ یہ بدبخت نہ خود چین سے بیٹھتے ہیں اور نہ دوسروں کو بیٹھنے دیتے ہیں۔

زہرون : دیکھیے خدا کو کیا منظور ہے۔ ایک یہ چھوٹی سی سلطنت غرناطہ کی اندلس میں مسلمانوں کی رہ گئی ہے۔ عیسائی اس پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہیں۔"

حسانہ : خدا بہتر کرے گا۔ اب سورج کافی گرم ہو گیا ہے۔ تمہارا چہرہ تمتما کر بالکل گل انار بن گیا ہے۔"

زہرون : اور تمہارا چہرہ کیسا ہو گیا ہے۔ تیز گلاب کے پھول سا۔

حسانہ : اچھا چلو اب یہاں سے۔

زہرون : چلو

دونوں گل رخسار وہاں سے چلیں۔ ٹیلے سے نیچے اتریں اور اس خیمہ پر آئیں جس کے اندر کو اترے تھے۔ زہرون نے جھانک کر دیکھا۔ ریحان وہاں بیٹھے تھے۔ اس نے کہا۔ لو بیٹھے ہیں تمہارے بھائی جان۔

حسانہ : بیٹھنا ہی چاہیے تھا انہیں۔

زہرون : کس قدر تمہارا کہنا مانتے ہیں۔

حسانہ : میں بھی تو ان کا کہنا مانتی ہوں۔

زہرون : کہاں مانتی ہو۔ وہ شاعری کو اچھا نہیں سمجھتے۔ تم نہیں چھوڑتیں۔

حسانہ : کیوں چھوڑ دوں۔ وہ میرے شوق کی چیز ہے۔

زہرون : مجھے بھی شاعری سکھا دو۔

حسانہ نے مسکرا کر کہا۔ کیا بھائی جان کی دلیری کی تعریف کرو گی؟

زہرون نے ہنس کر کہا۔ بہت شوخ ہو۔

اسی وقت یعقوب وہاں آ گئے۔ انہوں نے کہا۔ یہ تم دونوں یہاں کھڑی کیا سرگوشیاں کر رہی ہو؟

حسانہ : ابا جان، یہ زہرون تمہارے دوست موسیٰ کی بیٹی ہے۔

یعقوب نے حیرت سے زہرون کو دیکھ کر کہا۔ کیوں زہرون؟

زہرون : جی ہاں۔

یعقوب : بہت عرصہ ہوا جب میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ اس وقت تم بہت چھوٹی تھیں۔ کہاں ہے موسیٰ؟

زہرون دلگیر ہو گئی۔ اس نے کہا۔ انتقال ہو گیا۔

یعقوب کو بڑا افسوس ہوا۔ انہوں نے کہا۔ "میرے عزیز دوست" تم دنیا سے رخصت ہو گئے۔ خدا تمہاری مغفرت کرے۔ (زہرون سے) بیٹی میں تمہارے باپ کا دوست ہوں مجھے باپ ہی سمجھنا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تم میرے پاس آ گئیں۔

انہوں نے شفقت سے اس کے حسین سر پر ہاتھ رکھا۔ زہرون نے کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ وہ ہمیں آپ کے پاس لے آیا۔"

یعقوب : ہاں اس کا احسان ہے۔ اب تم کوئی فکر نہ کرنا۔ اب تک میرے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔ اب دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہو گئی ہیں۔

زہرون نے شکریہ ادا کیا۔ یعقوب چلے گئے اور یہ دونوں مہ وشیں خیمہ کے اندر داخل ہو گئیں۔

رومانی باتیں

یعقوب اور ان کے قبیلہ اس وقت تک وہاں ٹھہرے رہے۔ جب تک کوثر کو آرام نہ ہوا اور ان کے تمام زخم مندمل ہو کر اچھے نہ ہو گئے۔ انہیں بھی یہ بات معلوم ہو گئی تھی، وہ اور نزہون دونوں یعقوب کا اپنے باپ ہی جیسا احترام کرنے لگے۔

کوثر نے غسل صحت کیا۔ یعقوب نے اس روز اپنے تمام قبیلہ کی دعوت کی۔ کوثر کی تیمارداری میں حسانہ نے بڑا حصہ لیا تھا۔ وہ اس کے بہت زیادہ شکر گزار تھے۔

اگرچہ وہ بہت نڈر، دلیر اور بہادر تھے۔ لیکن حسانہ کو دیکھ کر ان کی بہادری اور دلیری کوچ کر جاتی تھی۔ اس سے باتیں کرتے ہوئے ان کا دل کانپنے لگتا تھا اور جب کبھی وہ اپنی حسین نگاہیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھتی تھی۔ تو ان کا دل دھڑکنے لگتا تھا۔ انہیں تعجب ہوتا تھا کہ ان کی یہ کیفیت کیوں ہو جاتی ہے۔

جب انہوں نے غسل صحت کیا تو یہ ارادہ کیا کہ جب حسانہ آئے گی تو اس کا شکریہ ادا کریں گے۔ مگر جب حسانہ آئی تو ان کی زبان پر جیسے تالا لگ گیا۔ انہوں نے بڑی ہمت سے کہا، "حسانہ"

حسانہ دیکھنے میں بڑی حسین اور بھولی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے ان کی طرف دیکھ کر کہا، "کیا ارشاد ہے؟"

کوثر: میں کچھ کہنا چاہتا ہوں مگر۔"

حسانہ نے فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا: کہنا نہیں چاہتے۔

کوثر: نہیں بلکہ کہا نہیں جاتا۔

حسانہ: کیوں نہیں کہا جاتا؟

کوثر: یہی مجھے بھی حیرت ہے کہ کیوں نہیں کہا جاتا۔

حسانہ: عجیب بات ہے یہ تو۔

کوثر: بہت ہی عجیب۔ میں خود حیران ہوں۔

حسانہ: میں مبارکباد دینے آئی تھی۔

کوثر: اور میں تمہارا بہت ہی زیادہ شکر گزار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے تیمارداری کر کے مجھے موت کے منہ سے بچا لیا۔

حسانہ مسکرائی۔ کوثر نے کہا، "میرا ایمان بچانا تمہارا ممنون احسان ہے"

حسانہ مسکرا رہی تھی۔ کوثر کہے جا رہے تھے۔ "تم نے جس دلسوزی سے میری تیمارداری کی ہے۔ میرے دل پر اس کا نقش ہو گیا ہے"

حسانہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ نزہون آ گئی۔ اس نے کہا، "حسانہ، میں اور بھائی جان تمہارے بہت زیادہ شکر گزار ہیں۔ تم نے مسیحائی کر کے ہم پر بڑا احسان کیا ہے"

حسانہ: میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے نزہون

نزہون: تم نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔

حسانہ: احسان کا ذکر نہ کرو۔

وہ دن نہایت ہی خوشی میں بسر ہوا۔ چونکہ اب کوثر کو آرام ہو گیا تھا اور وہ سفر کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ اس لیے اگلے روز اس قافلہ نے جیان کی طرف کوچ کیا۔ ایک روز اس بستی میں ٹھہرے اور دوسرے روز جیان پہنچ گئے۔

شہر جیان وادی جبل کوز میں واقع تھا اس کے ایک طرف پہاڑوں کا سلسلہ اونچا اٹھتا چلا گیا تھا۔ شہر عمدہ تھا اور اس کے گرد مضبوط شہر پناہ تھی۔ شہر کے دوسری طرف باغوں کا سلسلہ میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ ان باغوں میں قسم قسم کے پھل اور میوے کے درخت تھے۔ عام طور پر مسافروں کو پھل اور میوے کھانے کی اجازت تھی بشرطیکہ خوش ذائقہ

پھل ہوتے تھے۔ بازاروں میں کثرت سے پھل آتے تھے کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔

پہاڑ سر سبز اور شاداب تھا۔ اس میں کئی چشمے گرم گندھک کے تھے۔ ان چشموں میں گندھک کے ذرے پانی کے ساتھ بہتے رہتے تھے اور ان کا پانی گرم ہوتا تھا۔ اکثر لوگ اس میں اس غرض سے غسل کرتے تھے کہ بہت سے مرضوں سے انہیں نجات مل جاتی تھی۔

یعقوب نے شہر کے باہر قیام کیا۔ جیان کے مسلمانوں کو اس قافلہ کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ مسلمانوں کی مہمان نوازی مشہور تھی۔ لوگ ان کے پاس آئے۔ ان کے لیے تحائف لائے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ عیسائیوں کے مظالم سے تنگ آ کر ہجرت کر کے آئے ہیں تو انہیں ہمدردی پیدا ہو گئی اور انہوں نے بھی خلوص سے ان کی مدارات شروع کر دی۔

ایک روز حسانہ نے ریحان سے پہاڑ کی سیر کرنے کو کہا۔ ریحان نے کہا "پہاڑ پر کیا رکھا ہے۔ باغوں کی سیر کرو۔"

حسانہ ہنس پڑی۔ ریحان نے کہا۔ "تم ہنسی کیوں؟"

حسانہ: کیا کرو گے پوچھ کر۔

ریحان: آخر معلوم تو ہو۔

حسانہ: تمہیں پہاڑ پر جاتے اس لیے خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں وہاں کوئی درندہ جانور نہ ہو۔

اب ریحان کو ہنسی آ گئی۔ انہوں نے کہا "بالکل ٹھیک سمجھا تم نے۔ درندہ جانوروں سے تو ڈرنا ہی چاہیے۔"

حسانہ: مطلق نہ ڈرنا۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔

ریحان: مگر درندوں کو شاعری سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

حسانہ: شاعری سے کیا مطلب؟ تلوار جو ہو گی میرے پاس۔

ریحان نے ہنس کر کہا۔ شاعر زبان اور قلم کی تلوار سے کام لیا کرتے ہیں۔ لیکن یہ تلوار انسانوں پر چل سکتی ہے۔ درندوں پر نہیں۔

حسانہ: خیر تمہیں چلنا ہو گا۔ کوئی درندہ مل گیا تو تمہاری بہادری کا امتحان بھی ہو جائے گا۔

ریحان: اور کون چلے گا۔

حسانہ سمجھ گئی کہ وہ نزہون کو پوچھ رہے ہیں کہ وہ بھی چلے گی یا نہیں۔ لیکن اس نے انجان بن کر کہا "اور کون چلتا؟"

ریحان: "تم تنہا ہی چلو گی۔"

حسانہ: اور جسے تم لے جانا چاہو لے چلو۔

ریحان: تمہاری سہیلی نہیں چلے گی۔

حسانہ: میری تو کئی سہیلیاں ہیں۔ نہ معلوم کس سہیلی کو کہہ رہے ہو۔

ریحان: نزہون نہیں چلیں گی۔

اتفاق سے نزہون بھی اسی وقت وہاں آ گئی۔ حسانہ نے شوخی سے اسے دیکھ کر کہا۔ "وہ آ گئیں تم خود ہی پوچھ لو۔"

ریحان نے نزہون کو دیکھا۔ انہوں نے کہا "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔۔۔۔۔۔ تم بڑی شوخ ہو گئی ہو حسانہ؟"

حسانہ نے جواب دیا "یہ پہاڑ پر سیر کرنا چاہتے ہیں۔"

ریحان نے ذرا تیز ہو کر کہا "میں جانا چاہتا ہوں۔"

حسانہ ہنس پڑی۔ اس نے کہا۔ "بھول گئی۔ میں جانا چاہتی ہوں یہ کہتے ہیں۔ نزہون چلیں تو میں بھی چلوں۔"

ریحان نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا "میں نے یہ کہا تھا۔"

حسانہ: اچھا۔ یہ بھی میں نے کہا تھا کہ نزہون نہیں چلیں گی۔

نزہون: میں گندھک کے گرم چشموں میں نہانا چاہتی ہوں۔ اگر چلو تو اچھا ہے۔

حسانہ نے شوخ نظروں سے ریحان کو دیکھ کر کہا "کہو کیا کہتے ہو؟"

ریحان: "چلو"

حسانہ: اب انکار کرتے تو جانتی۔

شوخی سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ریحان نے جیسے سنا ہی نہیں۔ انھوں نے
کہا "تو تیار ہو جاؤ۔"

وہ چلے گئے۔ یہ دونوں تیار ہو گئیں۔ ریحان مسلح ہو کر آ گئے۔ حسانہ نے
حسین قہقہہ لگا کر کہا "یہ اوچی کیوں بن گئے۔ کیا دشمنوں سے وہاں مقابلہ کرو گے۔"

ریحان: تم اعتراض ضرور کرو۔ چلتی ہو یا نہیں۔

حسانہ: اچھا اوچی صاحب چلیے۔

یہ تینوں چلے۔ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ پہاڑ کچھ اونچا نہیں تھا۔ ایک چٹان کے پیچھے
گندھک کا گرم چشمہ رواں تھا۔ نزہون نے کہا "یہ جگہ نہانے کے لیے مناسب ہے۔"

ریحان: اچھا تم دونوں نہاؤ میں شکار تلاش کروں۔

ریحان چلے گئے۔ حسانہ نزہون دونوں نے کپڑے اتار کر تہبند گلے سے پیر تک
لپیٹ لیے اور چشمہ میں اتریں۔ پانی خاصا گرم تھا۔ دونوں خوب نہائیں۔ نہا کر
چشمہ سے نکلیں اور کپڑے پہنے۔ ان کے بدن ہلکے ہو گئے تھے اور صورتیں چمک آئیں
انھوں نے بال خشک کیے اور انھیں ریشم کے لچھوں کی طرح پشت اور کندھوں پر پھیلا
لیا۔ کالے بالوں میں چاند سے چہرے اور بھی جگمگا اٹھے۔

تھوڑی دیر میں ریحان بھی آ گئے۔ انھوں نے ان پریوں کو دیکھا بولے "چند پرند
شکار کر لایا ہوں۔"

حسانہ: تم پرند ہی شکار کر سکتے تھے۔ بے چارے معصوم پرندوں نے
تمہارا کیا لیا تھا۔

ریحان: تم میرے ہر کام پر اعتراض ضرور کرو۔ شاید اس لیے کہ میں تمہاری شاعری
پر اعتراض کیا کرتا ہوں۔

حسانہ: تمھیں شاعری آتی نہیں۔ اس لیے اعتراض کرتے ہو۔

ریحان: مجھے خوف ہے کہ کہیں میں بھی شاعر نہ بن جاؤں۔

حسانہ نے شوخی سے نزہون کی طرف دیکھ کر کہا "کچھ عجب نہیں ہے۔"

نزہون: اچھا اب چلیے۔

یہ تینوں چلے۔ پہاڑ سے نیچے اترے اور اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ ریحان نے
دیکھا۔ کوئی فوجی افسران کے باپ یعقوب سے باتیں کر رہے ہیں۔ وہ بھی ان دونوں
کے پاس چلے گئے۔

٭

(۱۵)

خلیفہ ابوالولید

ریحان جب یعقوب اور افسر کے پاس پہنچے تو انہوں نے افسر کو سلام کیا۔ انہیں یعقوب نے بتایا کہ یہ افسر غرناطہ سے آئے ہیں۔ انہیں اپنے اور کوثر کے تمام حالات سنا دیے ہیں۔ افسر نے کہا، غرناطہ میں کیوساڈا اور الکاڈیٹ کی تاراجی کے واقعات پہنچ گئے ہیں۔

خلیفۃ المسلمین ابوالولید ظل اللہ نے چند جاسوس ان شہروں کے واقعات اور حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے جنگی تیاریاں بھی شروع کر دی ہیں۔ شیخ یعقوب نے جو حالات مجھے سنائے ہیں۔ انہیں سننے سے میرے دل میں جوش و غضب کا طوفان امنڈ آیا ہے۔ میرا ارادہ جیان میں چند روز قیام کرنے کا تھا۔ مگر میں تمہارے قافلہ کے ساتھ کل ہی غرناطہ روانہ ہو جاؤں گا اور تمہیں خلیفہ کے حضور میں پیش کروں گا۔"

میں نے افسر کو غور سے دیکھا۔ وہ ادھیڑ عمر کے اچھے تن و توش کے آدمی تھے۔ ان کے چہرے سے دلیری و شجاعت کی علامتیں ظاہر تھیں۔ میں نے عرض کیا۔ ہم اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آئے ہیں۔ لیکن ہم پر حملہ نہیں ہوا۔ حملے سے پہلے ہی ہم چلے آئے تھے۔ لیکن کوثر کیوساڈا سے آئے ہیں۔ ان کے سامنے وحشی عیسائیوں نے شہر پر تاخت کی اور بلا کسی تخصیص کے مرد اور عورتوں کو ذبح کر ڈالا۔ گھروں میں آگ لگا دی۔ کوثر اپنی بہن کو لے کر بھاگے۔ انہیں عیسائیوں نے راستہ میں پکڑ لیا۔ ان پر چاروں طرف سے حملہ کر کے

اس قدر زخمی کر دیا کہ ان کی طاقت جواب دے گئی۔ وہ تو خدا نے مہربانی کی اور وفادار گھوڑا انہیں عیسائیوں کے نرغے سے نکال لایا۔ وہ ہماری قیام گاہ پر آ کر بے ہوش ہو گئے۔ عیسائی ان کی بہن کو لے گئے۔ میں اپنے ساتھ چار نوجوانوں کو لے کر دوڑا اور ان کی بہن کو چھڑا لایا۔ خدا خدا کر کے کوثر کو بھی صحت ہو گئی۔

افسر: تم نے بڑی دلیری کی۔ یقین ہے خلیفہ ابوالولید عیسائیوں سے ضرور انتقام لیں گے۔

اسی وقت انہوں نے سفر کی تیاری شروع کر دی اور دوسرے روز وہاں سے غرناطہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جیان سے غرناطہ پچاس میل کے فاصلہ پر تھا۔ چونکہ انہیں غرناطہ پہنچنے کی جلدی تھی۔ اس لیے پندرہ میل روزانہ سفر کرتے تھے۔ تیسرے روز مغرب کی نماز کے بعد وہ غرناطہ کے سامنے پہنچے۔ افسر نے چاہا کہ وہ شہر میں چل کر ٹھہریں۔ لیکن شیخ یعقوب نے انکار کر دیا اور کہا میں یہیں ٹھہرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ ایک تو اس لیے کہ خلیفہ کو میرے یہاں ٹھہرنے کی اطلاع ہو جائے۔ دوسرے اس لیے کہ میں یہیں سے سلطان کے حضور میں جا کر فریاد کروں۔ میرا خیال ہے اس سے سلطان پر زیادہ اثر ہوگا۔

افسر نے کہا "تم خلیفہ ولید سے واقف نہیں ہو۔ بڑے مدبر مسلمانوں کے ہمدرد اور فن جنگ کے ماہر ہیں۔ وہ تمہاری داستانِ مصیبت سن کر بہت زیادہ متاثر ہوں گے۔ لیکن اگر تم شہر میں داخل ہونا نہیں چاہتے ہو تو نہ ہو۔ یہیں ٹھہر جاؤ۔ مگر تم اس وقت سے میرے مہمان ہو۔ تمہاری ضروریات کی تمام چیزیں شہر میں جا کر بھیجے دیتا ہوں۔"

شیخ یعقوب نے اس بات کو منظور کر لیا۔ افسر چلے گئے اور تھوڑی ہی دیر میں ہر قسم کی رسد پھل اور میوے لے کر آ گئے۔ شیخ یعقوب نے اور دوسرے لوگوں نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

انہوں نے رات آرام سے بسر کی اور صبح کی نماز پڑھ کر ناشتہ تیار کیا۔ ابھی وہ ناشتہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ شاہی برقنداز آ گئے انہوں نے بتایا کہ ان کے آنے کی اطلاع

سلطان کو رات ہی ہو گئی تھی۔ ریحان کو خیال ہوا کہ شاید افسر نے کسی ذریعے سے رات ہی کو اطلاع کرا دی۔ انھوں نے برقندازوں سے پوچھا۔ "ہماری اطلاع سلطان کو کس نے کی۔"

ایک برقنداز نے جواب دیا۔ پھاٹک کے محافظوں نے اپنے افسر کو اطلاع دی اور افسر نے اسی وقت سلطان سے جا کہا۔

شیخ یعقوب نے اپنے ساتھ دو عربوں کو اور ریحان اور کوثر کو لیا اور برقندازوں کے ساتھ چلے۔ انھوں نے اس سے پہلے شہر غرناطہ نہیں دیکھا تھا۔ پہلی مرتبہ اس میں داخل ہوئے تھے۔ اس کی نفاست، اس کی سجاوٹ اور اس کی رونق دیکھ کر حیران رہ گئے۔ غرناطہ نہایت پرانا شہر تھا۔ اسے مسلمانوں نے رشک باغ ارم بنا دیا تھا۔ بڑے بڑے راستوں، بازاروں اور عام گزرگاہوں میں دونوں کناروں پر اس کثرت سے پھلواری تھی کہ باغیچوں کا دھوکہ ہوتا تھا۔ نہایت ہی خوش رنگ اور خوشبودار پھول غنچے اور کلیاں پودوں پر جھوم رہی تھیں۔ ان پھولوں کے پودوں کی آبیاری کے لیے شہر کے اندر نہر جاری تھی اور اس نہر سے چھوٹی چھوٹی خوشنما نالیوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ جس میں صاف اور شیریں پانی ہر وقت رواں رہتا تھا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر پارک تھے۔ سبزہ کی یہ کثرت تھی کہ سارا شہر سبزہ زار معلوم ہوتا تھا۔

بازاروں کی دکانیں بلند، شاندار اور نہایت اچھی تھیں۔ اس کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ ہر دکان کے سامنے خوشنما زرنقش سائبان لگے ہوئے تھے۔ خوش پوش مسلمان اور عیسائی کثرت سے آ جا رہے تھے۔ وہ دربار خاص پر جا کر رکے۔ نہایت شاندار اور قابل دید عمارت تھی۔ اس کے بعد سفید پوش سواروں کا دستہ اس مستعدی کے ساتھ کھڑا تھا کہ حکم ہوتے ہی دوڑ پڑے۔

برقندازوں نے اس دستہ کے افسر کو کہا۔ وہ عمارت کے اندر گیا اور آدھے گھنٹے کے بعد وہ واپس آیا۔ اس نے شیخ یعقوب سے کہا۔ "آئیے ظل اللہ نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔"

شیخ یعقوب اور ان کے تمام ساتھی افسر کے ساتھ چلے۔ جب وہ عمارت کے اندر داخل ہوئے تو اس کی رفعت و بلندی، تزئین اور آراستگی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اس عالیشان عمارت کو انسانوں نے نہیں جنوں نے بنایا ہے۔ کئی کمروں میں سے ہو کر وہ ایک نہایت وسیع کمرے میں پہنچے۔ اس کمرہ کا فرش ایسا نرم تھا کہ پاؤں اس میں دھنستے تھے۔ اس کے سامنے کے رُخ پر سنگ مرمر کا نہایت مبلق اور خوبصورت لمبا اور کافی چوڑا چبوترہ تھا۔ اس پر چاندی کی سلاخوں کا جنگلا لگا ہوا تھا۔ جنگلا سے ملا ہوا عین بیچ میں تخت تھا۔ تخت سونے اور چاندی کا گنگا جمنی تھا۔ جس میں ہیرے جواہرات زمرد اور یاقوت اس کثرت سے جڑے ہوئے تھے کہ وہ جگمگا رہے تھے۔ سلطان ابوالولید تخت پر بیٹھے تھے۔ وہ جوان العمر اور بڑے بارعب شخص تھے۔ کمرے کے دونوں طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سنگ مرمر کی چھوٹی چھوٹی چبوتریاں بنی ہوئی تھیں۔ ان چبوتروں پر فوجی افسر، وزیر اور ارکین سلطنت بیٹھے تھے۔

شیخ یعقوب اور ان کے ساتھیوں نے سلطان کے قریب پہنچ کر نہایت ادب سے انہیں سلام کیا۔ سلطان نے کہا۔ "تم لوگ کون ہو۔ کہاں سے اور کس لیے آئے ہو؟"

شیخ یعقوب نے عرض کی "عالیجاہ، ہماری داستان بڑی دردناک ہے۔ ہم وحشی عیسائیوں کے ستائے ہوئے ہیں"

خلیفہ: اپنی داستان بیان کرو۔

شیخ یعقوب نے اول اپنے ہجرت کرنے کا حال اور پھر کوثر اور اس کی بہن کا واقعہ شہر کیوساڈا میں عیسائیوں کے مسلمانوں کو ذبح کر ڈالنے کے حالات کچھ ایسے دردانگیز لہجہ میں بیان کیے کہ خلیفہ ابوالولید کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ انہوں نے کہا، میرے زمانے میں اور مسلمانوں پر اس قدر ظلم کیا۔ جواب دوں گا میں کل قیامت کے روز پروردگار عالم کو (شیخ یعقوب سے مخاطب ہو کر) تمہاری دردناک داستان نے ہمارے دل کو ہلا دیا ہے۔ اطمینان رکھو ہم ایک ایک مسلمان کا انتقام لیں گے۔ خدا ضرور ہماری مدد کرے گا۔ کوثر کون ہے!

کوثر نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور عرض کیا! "ظل اللہ کوثر بندہ زادہ کا نام ہے۔"

خلیفہ: تمہاری بہن تمہارے پاس آگئی۔

کوثر: آگئی عالم پناہ! (ریحان کی طرف اشارہ کرکے) یہ بھائی رات ہی کو عیسائیوں کے تعاقب میں گئے۔ ان سے لڑے، انہیں قتل کیا اور میری بہن نزہون کو چھڑا لائے۔

خلیفہ نے اپنے حافظہ پر اس طرح زور دیتے ہوئے جیسے وہ کوئی پرانی بات یاد کر رہے ہیں۔ کہا: "نزہون"

کوثر: جی ہاں قبلہ عالم۔

خلیفہ: کہیں تم موسیٰ سوداگر کے بیٹے تو نہیں ہو۔

کوثر اور ان کے سب ساتھی خلیفہ کے اس سوال سے حیران ہوئے۔ کوثر نے کہا۔

"ظل اللہ میں ان ہی کا بیٹا ہوں۔"

خلیفہ نے جلدی سے پوچھا "کہاں ہیں وہ؟"

کوثر: جلالت مآب! جس روز عیسائیوں نے شہر پر حملہ کیا ہے اسی روز انہوں نے وفات پائی۔

خلیفہ غمگین ہو گئے۔ انہوں نے کہا: "افسوس اس شیر دل نے وفات پائی۔ ہم اس کی کوئی خدمت نہ کر سکے۔ خیر۔ اس کی اولاد کو ہم اپنی اولاد سمجھیں گے۔ تم حیران ہو رہے ہو۔ یہ ہمارا اور مرحوم کا راز ہے۔ مگر ہم تمہیں بتا دیں گے۔ (وزیر اعظم سے مخاطب ہو کر) ان سب کے لیے قصر شاہی کے قریب بڑا دیوان خالی کرا دو (شیخ یعقوب سے) آپ لوگ اس دیوان میں آکر ٹھہریں۔"

شیخ یعقوب نے شکریہ ادا کیا۔ وزیر اعظم ان سب کو ساتھ لے کر چلے۔

(۱۶)

خوشنما محل

وزیر اعظم یعقوب اور ان کے ساتھیوں کو لے کر چلے۔ دیوان خاص کے قریب ہی سے شاہی محلات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ چند ہی محلات کے سامنے سے ہو کر ایک عالیشان محل پر پہنچے۔ اس محل کا نام "دار ریک الروح" تھا۔ اس کا پھاٹک نہایت عالیشان اور بڑا شاندار تھا۔ پھاٹک کے سامنے ایک چھوٹا سا قطعہ تھا۔ جس میں سبزہ لہلہا رہا تھا اور اس کی حد بندی خوشنما پھولوں کے پودوں سے کی گئی تھی۔ خوش رنگ اور خوشبودار پھول کھل رہے تھے۔

سبزہ زار قطعہ کے دونوں بازوؤں پر دو مختصر راستے گئے تھے جو سیڑھیوں پر ختم ہوتے تھے۔ سیڑھیوں پر چڑھ کر پھاٹک میں داخل ہوتے تھے۔ پھاٹک اس قدر بلند تھا کہ اس میں سے ہاتھی مع عماری کے آسانی سے گزر سکتا تھا۔ پھاٹک کے اوپر ایک دریچہ تھا۔ وہ بھی بڑا خوشنما تھا۔ پھاٹک کے اندر جانے کا راستہ سنگ مرمر کا تھا۔ دریچہ کی چھت پر ایک سنگ مرمر کا بت تھا۔ ایک غازی ایک گھوڑے پر بیٹھا سوار تھا۔ سوار کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ بت بڑا ہی سبک اور خوبصورت تھا۔ وہ ایک کیل پر اس طرح قائم کیا گیا تھا کہ ہوا کے زور سے جھونکے سے حرکت کرنے لگتا تھا۔

پھاٹک کے بعد نہایت خوشنما چمن تھا۔ اس چمن میں تختہ بندی بڑے سلیقہ سے کی گئی تھی۔ چنبیلی، گلاب، رائے بیل، بیلا، جوہی، سوسن، سورج مکھی اور خدا جانے کس کس قسم کے پھول تھے۔ بڑی بڑی کیاریوں میں ایک ایک قسم کے پھول الگ الگ تھے۔ ہر کیاری پر

باغِ ارم کا دھوکا ہوتا تھا۔ خوشبو سے تمام چمن مہک رہا تھا۔

اس چمن میں جو روشیں تھیں۔ وہ سنگِ مرمر کی تھیں۔ چمن کی کیاریوں کی آبیاری کے لیے روشوں کے دونوں طرف سنگِ مرمر ہی کی نالیاں تھیں۔ جن میں صاف پانی بہہ رہا تھا۔ یہ نالیاں اچھی خاصی بڑی تھیں۔ چمن کے وسط میں ایک بڑا فوارہ تھا۔ اس فوارہ سے پانی اچھل کر ہر وقت حوض میں گرتا رہتا تھا۔ حوض سنگِ مرمر کا تھا۔ پانی اس قدر صاف تھا۔ جیسے تازہ بھرا گیا ہو۔ یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ حوض میں پانی کس طرح اور کس طرف سے آتا ہے اور کس طرف سے خارج ہو کر کہاں چلا جاتا ہے۔

چمن کے اختتام پر محل کے ایک سرے سے دوسرے تک دو فٹ اونچا چبوترہ تھا۔ اس پر چڑھنے کے لیے کئی مقامات پر چوڑی چوڑی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ سیڑھیوں کے دونوں طرف نارنگیوں کے پیڑ تھے۔ چبوترہ پر نہایت عمدہ استرکاری ہو رہی تھی پہلی ہی نظر میں ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے سنگِ مرمر لگا ہو چبوترہ چالیس فٹ چوڑا تھا۔ اس کے خاتمہ پر نہایت خوبصورت اور نازک بارہ دریاں تھیں۔ جس کے در بہت اونچے اور محرابیں بڑی سبک اور دیدہ زیب تھیں۔ ان پر پلاسٹر نہایت ہی کاریگری سے کیا گیا تھا۔ بارہ دریوں کے پیچھے بے شمار کمرے تھے۔ ہر کمرہ نہایت وسیع اور بہت اونچا تھا۔ لیکن روشنی کا اس قدر اہتمام تھا کہ اندھیرے کو ذرا نہیں دخل تھا۔ اس کاریگری سے روشندان رکھے گئے تھے کہ باہر سے ان کے ذریعے سے اندر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ لیکن روشنی کا گزر پوری طرح ہوتا تھا۔

محل اتنا بڑا تھا کہ اس میں ایک قبیلہ کیا کئی قبیلے سما سکتے تھے۔ تمام محل حد درجہ آراستہ تھا۔ کھڑکیوں اور دروازوں پر پھولدار ریشم کے خوشنما پردے پڑے ہوئے تھے۔ صوفے اور مسہریاں قرینے سے بچھے تھے۔ فرش قالینوں کے تھے۔ کرسیاں اور میزیں بچھی تھیں۔ غرض آرام اور زیب و زینت کی ہر چیز تھی۔

وزیرِ اعظم نے شیخ یعقوب سے کہا۔ "یہ محل تمہیں پسند ہے۔"

یعقوب: یہ شاہی محل ہے۔ کون پسند نہ کرے گا۔

وزیرِ اعظم: اچھا تم سب اس میں آ جاؤ۔

وہ سب محل کے اندر سے باہر آئے۔ وزیرِ اعظم چلے گئے۔ شیخ یعقوب اپنے ہمراہیوں کو لے کر اپنی قیام گاہ پر پہنچے اور وہاں سے سب سامان اور سب لوگوں کو لے کر محل میں آئے۔ گھوڑے اصطبل میں پہنچا دیے اور یہ سب لوگ محل کے اندر داخل ہوئے محل کو دیکھ کر ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ ایسا شاندار محل انہوں نے کبھی کاہے کو دیکھا تھا۔ شیخ یعقوب نے محل کے حصے اپنے قبیلے والوں میں تقسیم کر دیے۔ کوثر نے جو حصہ پسند کیا وہ اس کے قریب تھا جس میں شیخ یعقوب ٹھہرے۔

ابھی ان لوگوں کو قصرِ شاہی میں آئے کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ کنیزوں کی پلٹن کھانا لے کر آ گئی۔ یہ کنیزیں شاہی تھیں۔ نہایت عمدہ لباس پہنے تھے۔ کھانا اس قدر لائیں کہ سب نے شکم سیر ہو کر کھا بھی لیا اور بچ بھی رہا۔ ان کنیزوں کی ایک افسر بھی تھی۔ اس نے پوچھا، "نزہون کون ہے؟"

نزہون اور حسانہ پاس پاس بیٹھی تھیں۔ حسانہ نے نزہون کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ ہیں۔"

افسر: اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے کہ جب اور جس چیز کی ضرورت ہو بے تکلف کہلا دینا۔ یہ کنیزیں تمہاری خدمت پر مامور رہیں گی۔

نزہون: میں اعلیٰ حضرت کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ ملکۂ عالیہ سے میرا سلام عرض کر دینا۔

افسر: آپ سب اصحاب کے لیے کھانا اور دوسری ضروریات کی چیزیں شاہی مطبخ اور شاہی توشہ خانہ سے آتی رہیں گی۔ پھل اور میوے جات بھی وہیں سے آویں گے۔

اسی وقت چند کنیزیں پھل اور میوے لائیں۔ شیخ یعقوب نے وہ بھی سب میں تقسیم کر دیے۔

دو کنیزیں نزہون کے پاس رہ گئیں۔ باقی سب چلی گئیں۔

ظہر کی نماز پڑھ کر نزہون حسانہ چبوترہ سے اتر کر چمن میں آ گئیں اور گل گشت کرنے لگیں۔ حسانہ نے کہا: خلیفۃ المسلمین، تمہیں کیسے جانتے ہیں۔

نزہون: خدا ہی کو خبر ہے۔

حسانہ: بڑا تعجب ہے۔ بھائی جان کہتے تھے کہ جب خلیفہ نے تمہارا نام سنا تو کوئی بھولی ہوئی بات یاد کرنے لگے اور جھٹ فرمایا "کہیں تم موسیٰ سوداگر کے بیٹے تو نہیں ہو"

نزہون: مجھ سے کوثر بھائی جان نے بھی یہی کہا تھا۔ کوئی ایسا راز ہے جسے ابا جان اور سلطان ہی جانتے تھے۔ مگر ابا جان نے کبھی کوئی بات کوئی اشارہ اس راز کے متعلق نہیں کیا

حسانہ: مجھے بھائی ریحان کو اور ابا جان کو بھی بڑا تعجب ہو رہا تھا۔ خدا جانے کیا راز ہے اور اس راز سے سلطان کا کیا تعلق ہے اور سلطان کا تم سے کیا تعلق ہے؟

نزہون: مجھے خود حیرت ہے۔ اگر مجھ سے ممکن ہوتا تو سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر اس راز کو معلوم کرتی۔

حسانہ: چلی جاؤ۔ سلطان کے پاس سمجھیں گے کوئی پرستان کی پری آگئی ہے۔

نزہون: اور تم۔

حسانہ: مجھے کون پوچھتا ہے۔ میں جو ہوں، ہوں۔

نزہون نے مسکرا کر کہا۔ تم کیا ہو، میں بتا دوں۔ مگر بتا نہیں سکتی۔ بس یہ سمجھو کہ

پری ہو، حور ہو، رشکِ قمر ہو، دلربا تم ہو
مگر پوچھے کوئی ہم سے بتلا دیں کہ کیا تم ہو

اس وقت کوثر باہر سے آتے ہوئے نظر آئے۔ نزہون نے انہیں دیکھ کر کہا "دیکھو وہ آ رہے ہیں بھائی جان۔ ان سے پوچھنا تم کیا ہو"

حسانہ نے دیکھا، اس نے کہا "وہ کیا کہہ سکتے ہیں؟"

نزہون: واقعی تمہارے سامنے آ کر ان کے منہ پر تالا سا لگ جاتا ہے۔

حسانہ: اچھا — مجھ سے شوخی کرو گی۔

نزہون نے ہنس کر "نہ بابا۔ تم ایسی شوخ و شریر ہو کہ تم سے بازی لے جانا کس کے بس کی بات ہے۔"

دونوں ہنسنے لگیں۔ کوثر نے انہیں نہیں دیکھا۔ وہ فوارہ کے پاس سے ہو کر سیدھے چلے گئے۔ حسانہ نے کہا: چلو حمام میں غسل کریں گے۔

نزہون: وہاں چلو۔

دونوں وہاں سے چلیں اور حمام میں پہنچیں۔ حمام کیا تھا، اچھا خاصا گھر تھا۔ جو چبوترہ سے نیچے اس سے ملا ہوا تھا۔ اس حمام کی دیکھ بھال کے لیے کنیزیں رہتی تھیں۔ وہ انہیں حمام کے اندر لے گئیں۔ حمام کی تمام عمارت سنگِ مرمر کی تھی۔ اس کی بارہ دری بڑی ہی شاندار اور آرام دہ تھی۔ اس میں بیٹھ کر چمن کا نظارہ خوب ہوتا تھا۔

حمام کے اندر کئی کمرے نہانے کے تھے۔ ہر کمرہ میں کئی کمروں میں سے ہو کر جانا ہوتا تھا۔ دونوں علیحدہ علیحدہ کمروں میں چلی گئیں۔ کنیزوں نے انہیں گرم پانی سے غسل کرایا۔ خوشبودار ابٹن ملا۔ جب دونوں نہا کر نکلیں اور بارہ دری میں آ کر بیٹھیں تو اور نکھر گئی تھیں۔ جب ان کے بال خشک ہو گئے تو کنیزوں نے سنگھار کر دیا۔ اول تو وہ دونوں تھیں ہی آفت کی پرکالہ اب اور بھی دلربا ہو گئیں۔ دونوں وہاں سے چلیں اور اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ جو قصر انہیں رہنے کو ملا تھا۔ وہ نہایت ہی شاندار تھا چونکہ وہ تھک گئی تھیں اس لیے صوفوں پر جا کر بیٹھ گئیں۔

۞

(۱۷)

جوشِ جہاد

خلیفہ ابوالولید نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ انہوں نے نوجوانوں کو فوج میں بھرتی ہونے کی ترغیب دی۔ لیکن افسوس ہے کہ کچھ زیادہ لشکر جمع نہ ہو سکا۔ مشکل سے دو ہزار جانباز بھرتی ہوئے۔ چار ہزار لشکر مستقل تھا۔ اس طرح گویا کل چھ ہزار سپاہی ہو سکے۔ اس تھوڑے سے لشکر سے بیس ہزار عیسائیوں کا مقابلہ کیسے ہو سکتا تھا اور ان چھ ہزار میں سے بھی کم سے کم دو ہزار لشکر دارالسلطنت غرناطہ اور اس کے مضافات کی حفاظت کے لیے چاہیے تھا۔ صرف چار ہزار لشکر ایسا تھا جسے عیسائیوں کے مقابلہ پر بھیجا جا سکتا تھا۔

اس وقت امیر الجیش (سپہ سالار) الشیخ الغزاۃ تھے۔ وہ نہایت تجربہ کار اور بڑے بہادر تھے اور نائب سپہ سالار ابوالجیوش تھے وہ بڑے نڈر اور جنگجو تھے۔

سلطان ابوالولید نے مجلسِ شوریٰ منعقد کی۔ اس مجلس میں تمام چھوٹے بڑے افسر، ارکین سلطنت اور شہر کے معزز لوگ مدعو کیے گئے۔ شیخ یعقوب، ریحان اور کوثر بھی بلائے گئے۔

سلطان ابوالولید نے کہا۔ اے بہی خواہانِ قوم تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ شاہ قسطلہ نے یہ دیکھ کر غرناطہ میں ایک چھوٹی سی سلطنت چند روز ہوئے قائم ہوئی ہے۔ سرحدی شہروں پر حملہ کر دیا ہے اور ان شہروں کے مسلمانوں کو بڑی بے دردی سے ذبح کر ڈالا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس اسلامی سلطنت میں اس کا مقابلہ کرنے کی قوت نہیں ہے۔

ایک زمانہ تھا۔ جب تمام سرزمین اسپین (اندلس) پر مسلمانوں کا قبضہ تھا لیکن مسلمانوں

میں نا اتفاقی پیدا ہوئی۔ اسلام کی قوت کمزور ہونے لگی اور بنو عباسیہ کے آخری فرمانروا مستعین اللہ کے زمانے میں جتنے گورنر تھے خود مختار ہو گئے۔ شبیلیہ، بطلیوس (باڈ اجوذا) طلیطلہ، ٹولیڈو، طرطوشہ، بلنسیہ، سطر، دانیہ، مرسیہ، مریہ (المیریا) اور مالقہ پر وہاں کے گورنروں نے قبضہ کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ان صوبوں کے مرکز سے جو اس زمانہ میں قرطبہ تھا علیحدہ ہو جانے سے قرطبہ کی حکومت بہت کمزور ہو گئی۔ ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔

عیسائیوں نے مسلمانوں کی اس نا اتفاقی اور کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے رفتہ رفتہ اول ان صوبوں پر حملے شروع کیے۔ جو خود مختار ہو گئے تھے۔ چونکہ ان میں اتفاق اور اتحاد نہ رہا تھا۔ اس لیے ایک دوسرے کی مدد نہ کر سکے۔ ان میں سے کسی میں بھی اتنی قوت نہ تھی کہ وہ طاقتور عیسائیوں کا مقابلہ کر سکتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ایک دو دو کر کے تمام صوبے عیسائیوں نے فتح کر لیے اور وہاں سے مسلمانوں کو نکال دیا۔ آخر میں انہوں نے قرطبہ پر بھی قبضہ کر لیا۔

یہ ہمیں خدا کے احکام کی نافرمانی کی سزا ملی ہے۔ خدا نے فرمایا ہے تم متفق ہو کر رہو۔ اگر تم میں نا اتفاقی ہوئی تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ ہم نے پروردگار کے اس حکم کی نافرمانی کی۔ ہم میں نا اتفاقی ہو گئی۔ ہماری ہوا اکھڑ گئی اور ہم سپین کا بہت بڑا علاقہ کھو گئے۔ عیسائی باقی ہر شہر پر حملہ کر کے مسلمانوں کو سرزمین اندلس سے نکال دینا چاہتے تھے۔ اب یہ بات تمہارے اختیار میں ہے کہ تم اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنی قومی روایات کے پیشِ نظر بہادری کے جوہر دکھاؤ۔ جن معصوم مسلمانوں کو عیسائیوں نے ذبح کیا ہے ان ظلموں کا ان سے انتقام لو اور اگر تمہاری ہمتیں پست ہو گئی ہیں۔ تمہاری بہادری زنگ خوردہ ہو گئی ہے۔ تم عزت کی زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے اور اس ملک اندلس میں جہاں کہیں مسلمان آباد ہیں۔ انہیں بلا لو اور سب مل کر افریقہ، مراکش، مصر یا عرب چلے جاؤ۔ لیکن میں تو جیسے بزرگ جلا وطن ہو گئے یہاں لڑتا ہوا مارا جاؤں گا۔ میں اس وقت کو برداشت کرنے کیلئے ہرگز زندہ نہ رہوں گا کہ مسلمانوں کی عورتیں بے عصمت ہوں کہ میں عیسائیوں کے خوف سے اپنی جان بچا کر بھاگ

آگیا۔"

ابوالولید کی اس تقریر کا اثر مسلمانوں پر بہت زیادہ ہوا۔ ان کے چہرے جوشِ غضب سے سرخ ہو گئے۔ سب سے پہلے شیخ الغزاۃ نے کہا، "عالم پناہ میں بھی اس روز کے لیے زندہ رہنا نہیں چاہتا کہ میں عیسائیوں کے خوف سے جان بچا کر اسلامی ممالک کی طرف ہجرت کروں۔ میں بھی اپنی جان کا مالک ہوں اور میں ان شاء اللہ مرتے دم تک اعلیٰ حضرت کے ساتھ رہوں گا۔

ابوالولید: ایک بات سب سن لیں کوئی اس وقت یہ خیال نہ کرے کہ ہم بادشاہ ہیں۔ سلطان ہیں، خلیفہ ہیں۔ ہم نے جو کہا ہے۔ اس کی تائید ضروری ہے۔ نہیں تم یہ سمجھو کہ ہم بھی مثل تمہارے ایک فرد ہیں۔ خدا کی قسم ہم کسی سے اس وجہ سے ناخوش نہ ہوں گے کہ انہوں نے جنگ کے خلاف رائے دی۔ بلکہ اس لیے خوش ہوں گے کہ انہوں نے حقیقت کا اظہار کیا اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارے پاس اس قدر جمعیت نہیں ہے کہ ہم عیسائیوں کے بے شمار لشکروں کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ اگر آپ سب جنگ کے حق میں رائے دیں اور جنگ کرنے کے لیے چلیں تو مارے جائیں۔ اس لیے جو کچھ طے کرو سوچ سمجھ کر اچھی طرح غور کر کے۔"

ابوالجیوش: اعلیٰ حضرت نے بالکل درست فرمایا۔ جو لوگ جنگ کے حق میں ہوں وہ یہ ضرور سوچ لیں کہ فتح کی امید کم اور شکست کی زیادہ ہے۔ ممکن ہے کہ ہم سب مارے جائیں۔ اس لیے جو کچھ طے کرو سوچ سمجھ کر۔ میں اور میرے متعلقین ہم سب سلطان پر، اسلام اور اسلامی حکومت پر نثار اور قربان ہو جانے کا تہیہ کر چکے ہیں ہم سلطان کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہا دیں گے۔

وزیر اعظم ذرا سن رسیدہ بھی تھے۔ انہوں نے کہا۔ اگرچہ میں بوڑھا آدمی ہوں، لیکن ناکارہ نہیں ہوں۔ میں نے بھی طے کر لیا ہے کہ سلطان کے ساتھ رہوں گا۔ سلطان کے ساتھ جیوں گا اور سلطان کے ساتھ مروں گا۔

اور ابھی کئی لوگوں نے یہی بات کہی کہ ہم سلطان کے ساتھ رہیں گے۔ اب شیخ یعقوب

نے کہا، "میں اپنے قبیلہ کی طرف سے یقین دلاتا ہوں کہ میرے قبیلہ کا ہر فرد سلطان پر قربان ہو جائے گا۔ اگر ضرورت پیش آئی تو میرے قبیلہ کی عورتیں اور لڑکیاں تلواریں سنبھالیں گی اور جب تک ایک ایک کٹ نہ جائے گی جنگ گاہ سے منہ نہ پھیرے گی۔"

کوثر نے کہا، "میں نے وہ ہولناک خونریزی دیکھی ہے۔ جس نے میرے سینہ میں انتقام کی آگ بھڑکا دی ہے۔ وحشی اور درندہ عیسائیوں نے بڑی بے رحمی سے عورتوں اور بچیوں کو ذبح کر ڈالا۔ بلغیر خوار معصوموں کو ماؤں کی گودوں سے چھین کر دیوار سے ٹکرا کر مار دیا۔ گھروں میں آگ لگا دی۔ بوڑھے اور چھوٹے بچوں کو آگ میں جھونک دیا۔ میری نظروں کے سامنے وہ مناظر گھومتے رہتے ہیں۔ بھولنا چاہتا ہوں۔ نہیں بھول سکتا۔ میں ان شاء اللہ ان درندوں سے ضرور انتقام لوں گا اور میری زندگی کا صرف ایک ہی مقصد رہ گیا ہے اور وہ انتقام ہے۔ خواہ اس جد و جہد میں میری جان ہی کیوں نہ جاتی رہے۔"

ابوالولید: ان ہی خبروں نے ہمارے سینہ میں بھی شعلۂ انتقام بھڑکا دیا ہے اگر ہم انتقام نہیں لے سکتے تو ہمیں جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

غرض اس مجلس میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا جس نے جنگ کے علاوہ کوئی اور رائے دی ہو۔ سلطان کا چہرہ چمک اٹھا۔ انہوں نے کہا۔ شیرانِ اسلام تم نے وہی طے کیا جو تمہیں اپنی قومی روایات کو مدِ نظر رکھ کر طے کرنا چاہیے تھا۔ ہمیں اس لیے خوشی ہوئی کہ مسلمانوں کے سینوں میں ابھی جہاد کا جذبہ باقی ہے۔ یاد رکھو۔ جب تک یہ جذبہ تمہارے دلوں میں ہے۔ اس وقت تک تم مٹائے نہیں جا سکتے۔ کوئی تمہیں نہیں مٹا سکتا۔ بلکہ تم اپنے مٹانے والوں کو مٹا دو گے۔ ہمیں خدا کی ذات سے پوری امید ہے کہ تم فتحیاب ہو گے۔ یہاں سے نکل کر اعلان کر دو کہ ؎

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے امتحاں ہمارا

اور للکار رو کر ہم وحشیوں سے انتقام لیں گے۔ بہادر بن کر زندہ رہیں گے۔ بزدل بن کر ایک لمحہ کے لیے بھی زندہ نہ رہیں گے۔ اپنے اپنے دوستوں کو تیار رکھو عنقریب کوچ کا حکم دیا جائے گا۔

مجلس شوریٰ برخاست ہو گئی۔ سلطان چلے گئے اور سب لوگ بھی رخصت ہو گئے۔

☆

(۱۸)

شوخ لڑکیاں

غرناطہ کے باشندوں کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ سلطان نے مجلس شوریٰ طلب کی ہے۔ وہ مجلس شوریٰ کا فیصلہ سننے کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ عیسائیوں نے بڑی بے رحمی اور سفاکی سے سرحدی شہروں کے مسلمانوں کو ذبح کر ڈالا ہے۔ عام طور پر مسلمانوں کے سینوں میں جوش انتقام کا شعلہ زن تھا۔

جب مجلس شوریٰ شروع ہوئی تھی تو ایک انبوہ دارالامارت کے سامنے جمع ہو گیا تھا لیکن خلیفہ ابوالولید کا یہ رعب و داب تھا کہ سب خاموش تھے اور نہایت اطمینان اور استقلال سے کھڑے تھے۔

تھوڑی دیر میں جب مجلس شوریٰ ختم ہو گئی اور لوگ دارالامارت سے باہر آ گئے۔ تو چند پرجوش نوجوانوں نے پوچھا۔ "مجلس شوریٰ نے کیا فیصلہ کیا؟"

شیخ الغزاۃ نے کہا۔ "قوم کے نونہالو۔" "اس مجلس نے وہی فیصلہ کیا ہے۔ جو تم چاہتے تھے یعنی عزت کی زندگی اور عزت کی موت۔ دندان شکن عیسائیوں سے مسلمانوں کا انتقام لیا جائے گا۔"

اس بات کو سن کر تمام مجمع خوش ہو گیا۔ لوگوں نے نعرے لگانے "اللہ اکبر" سلطان ابوالولید زندہ باد۔ "اسلام زندہ" دشمن برباد۔

شیخ الغزاۃ نے مجمع کو خاموش ہو جانے کے لیے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ سب لوگ چپ ہو گئے۔ شیخ الغزاۃ نے کہا۔ "شیران اسلام۔ صرف نعرے لگانے سے کچھ نہیں ہوتا۔

آرزوؤں سے تقدیریں نہیں بدلا کرتیں۔ زندگی کے لیے زندہ رہنے کے لیے جد و جہد کرنی پڑتی ہے۔ جہاد جد و جہد ہی کا نام ہے۔ اس وقت کشتی اسلام بھنور میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس کے ملاح قوم کے نوجوان ہیں۔ تم کوشش کرو گے تو انشاءاللہ کشتی بھنور سے نکل جائے گی۔ اس وقت سرفروشی کی ضرورت ہے۔ وہ نوجوان جن کے دلوں میں جذبہ جہاد ہے آگے بڑھیں۔ دشمنوں سے لڑیں اور مسلمانوں کے خون ناحق کا انتقام لیں۔ وہ قوم مردہ ہو جاتی ہے۔ جس کے نوجوانوں کے دلوں سے جنگ کا جذبہ مٹ جاتا ہے دنیا میں وہی قوم ترقی کرتی ہے۔ جو دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ وہ قوم بہت جلد مٹ جاتی ہے۔ جو آرام طلب ہو جاتی ہے اور جس میں نااتفاقی پیدا ہو جاتی ہے۔ آج اسلام تم سے قربانی چاہتا ہے۔ اسلام کو اندلس میں زندہ اور قائم رکھنا چاہتے ہو تو قربانی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

مجمع نے بلند آواز سے کہا۔ ہم تیار ہیں۔ قربانی دیں گے۔ جہاد کریں گے اور انشاءاللہ کشتی اسلام کو بھنور سے نکال کر رہیں گے۔

شیخ الغزاۃ۔ شاد باش، مرحبا، صد مرحبا، زندہ قوموں کی یہی نشانی ہے۔ فوجی دفتر میں جاؤ۔ اپنے نام لکھاؤ۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ بوڑھے یا کمسن بچے نام نہ لکھائیں۔ جنگ کے لیے نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ صرف نوجوان اور جوان ہی اپنے نام لکھوائیں۔ اچھا خدا حافظ۔

تمام مجمع بڑے جوش و خروش سے "اللہ اکبر کا نعرہ"، "اسلام زندہ باد"، "سلطان کی عمر دراز" کے نعرے لگانے لگے۔ یہ لوگ جن راستوں، بازاروں، کوچوں اور گلیوں میں سے گزرتے نعرے گونجتے چلے گئے اور لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے اور نعرے لگاتے رہے۔ چنانچہ ان نعروں سے تمام شہر گونج اٹھا۔ گویا اسی وقت اعلان ہو گیا کہ مجلس شوریٰ نے جنگ کا فیصلہ دے دیا۔ عام طور پر لوگ اس فیصلہ کو سن کر خوش ہوئے۔

حسانہ، نزہون اور سلمیٰ اس وقت فوارہ کے حوض پر بیٹھی حوض میں فوارہ سے پانی برسنے کا تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ سلطان نے مجلس شوریٰ طلب کی ہے۔

جو جنگ اور صلح کے متعلق کوئی فیصلہ کرے گی۔ یہ تینوں نازنین اس قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں جو جلاوطن ہو کر آئے تھے۔ وہ جنگ چاہتی تھیں۔ ان کے نازک اور گداز سینوں میں بھی انتقام کی آگ دہک رہی تھی۔ وہ مجلس شوریٰ کا فیصلہ سننے کی منتظر تھیں۔

جب انہوں نے یہ شور اور نعروں کی آواز سنی تو اچھل پڑیں۔ نزہون فوراً سجدہ میں جھک گئیں۔ اس نے سجدہ سے سر اٹھا کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے مجلس شوریٰ نے جنگ کا فیصلہ کیا ہے۔ نہایت مبارک فیصلہ ہے یہ۔ اس فیصلے سے قوم کی عظمت اور اسلام کی عزت باقی رہے گی۔

سلمیٰ نے کہا، مگر تم نے یہ اندازہ کیسے کر لیا کہ مجلس شوریٰ نے جنگ کا فیصلہ کیا ہے۔

نزہون: قوم کے نونہال پر جوش نعرے لگا رہے ہیں۔ یہ اس بات کا اعلان ہے کہ جنگ کا فیصلہ ہوا ہے۔

حسانہ: میرا بھی ایسا ہی خیال ہے۔ یہ پر جوش اور پر زور نعرے اعلان جنگ ہی کے ہیں۔

نزہون: کاش سلطان ہمیں بھی میدان جنگ میں جانے کی اجازت دے دیں۔

حسانہ ہنس پڑی۔ نزہون نے کہا، "تم ہنسی کیوں؟

حسانہ: بات ہی ہنسنے کی ہے۔ تمہیں میدان جنگ میں بھیجیں؟ [illegible] ہیں کو عیسائی تمہیں پھر اٹھا کر لے جائیں۔

نزہون نے اکڑ کر سینہ تانتے ہوئے کہا۔ "اب کس کی مجال ہے کہ میری طرف دیکھ بھی سکے۔"

حسانہ نے حسین قہقہہ لگا کر کہا۔ "یہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ تمہاری طرف دیکھنے کی انسانوں کو جرأت نہیں ہو سکتی۔ مگر قسطالہ کے عیسائی تو وحشی درندے ہیں۔ ان پر تمہاری جادو نگاہیں اور تیکھی چتونوں کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔"

سلمیٰ بے ساختہ ہنس پڑی۔ نزہون نے مسکرا کر کہا۔ تم شاعرہ ہو نہ۔ تمہارے دل و دماغ میں شاعرانہ باتیں ہی بسی رہتی ہیں۔ جس وقت میں تلوار لے کر نکلوں گی اور موت میری

تلوار کی جلا میں ہو گی۔ جس پر وار کروں گی۔ اسے مار ہی ڈالوں گی۔

حسانہ: کیوں نہیں۔ یہ نازک جسم، یہ نازک بازو، یہ نازک ہاتھ پاؤں اور تلوار، کیا سکتے ہیں۔ لیکن

انھیں لگے نہ خنجر، نہ تلوار تم سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

نزہون: جیسی تم خود دھان پان اور نازو نزاکت والی ہو ایسا ہی دوسروں کو سمجھتی ہو۔

حسانہ: میں شاعرہ ہوں۔ میرا کلام لوگوں کے جذبات کو برانگیختہ کر دیتا ہے۔ میں سینوں میں آگ لگا دیتی ہوں۔ میں مردہ دلوں کو زندہ بنا دیتی ہوں۔

نزہون: کیوں نہیں شاید اپنے قبیلہ کو بھاگنے کی ترغیب تم نے ہی دی ہے۔

حسانہ: نہیں۔ میں نے جب کوثر کی زبان سے تمہارا ذکر سنا تو بھائی جان کے سینہ میں انتقام کی آگ بھڑکا دی وہ گئے۔ انھوں نے عیسائیوں سے انتقام لیا اور تمہیں ان سے چھین لیا۔

نزہون: یہ تمہارا مجھ پر احسان ہے۔

حسانہ: مگر احسان کا بدلہ کیا ہے۔

نزہون: هل جزاء الاحسان الا الاحسان یعنی "احسان کا بدلہ احسان ہے۔

حسانہ: دیکھو تم نے یہ بات خود کہی ہے۔ اس سے مکر تو نہیں جاؤ گی۔

نزہون: ہرگز نہیں، کبھی نہیں۔

حسانہ: مجھے تم سے امید نہیں۔

نزہون: تعجب ہے تم ایسا کہہ رہی ہو۔

حسانہ: میں جانتی بھی ہوں۔

نزہون: اچھا بتاؤ تم اس احسان کے بدلہ میں کیا احسان چاہتی ہو؟

حسانہ: کہہ دوں۔

نزہون: ضرور کہو۔

حسانہ: اگر تم نے انکار کر دیا تو؟

نزہون: ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

حسانہ: تو یہ احسان کرو کہ جو تمہیں عیسائیوں سے چھین کر لائے ہیں ان کی ہو جاؤ۔

شرم سے نزہون کی آنکھیں جھک گئیں۔ اس نے شرمیلی نظروں سے شوخ و شریر حسانہ کو دیکھ کر کہا "شریر"۔

حسانہ: بس ترکی تمام ہو گئی۔ سارے اقرار رکھے رہ گئے۔ سب دعوے باطل ہو گئے۔

سلمہ نے بڑی سنجیدہ بن کر کہا "بھئی ہاں، اب چپ کیوں ہو گئیں۔ تم نزہون وہ تسلیاں وہ دعوے، وہ اقرار کیا ہوئے۔ جو تم ابھی کر رہی تھیں۔

نزہون جھینپی جا رہی تھی وہ شرما کر اور دلربا بن گئی تھی خاموش تھی۔ بے چاری کیا جواب دیتی۔ حسانہ نے کہا۔ "واپس لے لو اپنے اقرار۔ کہہ دو۔ "احسان کا بدلہ احسان نہیں ہے"۔

نزہون: تم الٹی باتیں کیوں کرنے لگیں۔

حسانہ اور سلمہ دونوں بے ساختہ ہنس پڑیں۔ سلمہ نے کہا "بھئی سیدھی باتیں کرو۔ ایسی باتیں تو واقعی ہمیں بھی پسند نہیں۔ وہ چھین کر لائے تو یہ ان ہی کی ہو جائیں۔ آخر کیوں؟

حسانہ: اس لیے کہ انھوں نے ان پر یہ احسان کیا ہے۔ یہ ان پر احسان کریں۔

سلمہ: یہ تو بالکل سیدھی بات ہے الٹی والٹی تو نہیں ہے۔

نزہون: میں تو سلمہ تمہیں بہت سیدھا اور سنجیدہ سمجھا کرتی تھی۔ مگر تم تو....

سلمہ: جو چاہے خطاب دے ڈالو۔ سچی بات کہنے والی کو تو بری باتیں سننی پڑتی ہیں۔ مگر انکار ہی کیوں نہیں کر دیتیں کہ انھوں نے تم پر یہ احسان نہیں کیا ہے۔

حسانہ: بھئی ٹھیک کہا۔ سلمہ تم نے، یہ انکار کر دیں۔ سلسلہ ختم ہوا سمجھو۔

سلمہ: کر دو جی انکار۔

نزہون: کیوں کر دوں۔

سلمہ نے ہتھیلی بجا کر کہا: "اقرار ہے، اقرار۔ حسانہ کھلاؤ مٹھائی۔

حسانہ: ضرور، ضرور۔

زہون: کہیں تم دونوں کی شامت تو نہیں آئی ہے۔

اس وقت یعقوب آتے نظر آئے۔ یہ سب چپ ہوگئیں۔

٭

---

(۱۶)

کوچ

جنگ کی تیاریاں بڑے زور و شور سے کی جا رہی تھیں۔ آلاتِ حرب فراہم کیے جا رہے تھے۔ نوجوانوں اور جوانوں میں بھی جوش پیدا ہو چکا تھا۔ وہ جنگ کے دفتر میں اپنے نام لکھانے گئے تھے۔ لیکن ان کی تعداد پانچ سو سے زیادہ نہ ہو سکی۔

خلیفہ ابوالولید نے اس تھوڑی سی تعداد کو غنیمت سمجھا۔ ان لوگوں کی جنگی تربیت دی گئی۔ سامانِ جنگ جمع کرنے اور رضاکاروں کی جنگی تعلیم دینے میں کافی وقت خرچ ہو گیا۔ ۱۰ء کے آخر میں تیاریاں مکمل ہوئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سلطنتِ غرناطہ میں اتنا دم ہی نہیں تھا کہ وہ قسطلہ کی زبردست عیسائی حکومت کا مقابلہ کرتی۔ ابوالولید غرناطہ میں اس وقت تخت نشین ہوئے تھے جب اس کی حکومت بہت کمزور ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے غرناطہ کے خلیفہ نصر بن محمد تھے۔ یہ نصر اپنے بھائی محمد مخلوع کو قتل کر کے تخت پر بیٹھے تھے۔ ان کے زمانے میں قسطلہ کے عیسائی بادشاہ نے الجزائر پر حملہ کیا۔ وہ اس شہر کو تو فتح نہ کر سکا۔ مگر جبل طارق پر قبضہ کر لیا۔ اس سے حکومتِ غرناطہ کو بڑا نقصان پہنچا۔ لوگ نصر سے ناخوش ہو گئے۔

اس وقت ابوالولید مالقہ کے گورنر ہو گئے۔ وہ ایسے جنگجو، دلیر اور نڈر تھے کہ عیسائی ان سے دبتے تھے۔ اہلِ غرناطہ نے ان کی طرف رجوع کیا۔ ان سے کہا کہ "سرزمینِ اندلس میں غرناطہ ہی کی ایسی اسلامی حکومت باقی رہ گئی ہے۔ جو مسلمانوں کی پشت پناہی کر سکے۔ نصر بن محمد مغرور اور پست ہمت شخص ہے۔ وہ ایک دن غرناطہ پر عیسائیوں کا قبضہ کرا دے گا

اس لیے آپ نصر کو بے دخل کر کے خود غرناطہ کی حکومت سنبھال لیں۔

ابوالولید بھی دیکھ رہے تھے کہ نصر کی نااہلیت غرناطہ کی حکومت کو تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے غرناطہ پر یورش کر دی۔ نصر ان کا مقابلہ نہ کر سکا۔ وہ قصر الحمرا میں محصور ہو گیا۔ ابوالولید نے اس کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تم تخت سے دستبردار ہو جاؤ تو جس مقام پر تم رہنا چاہو گے تمہیں وہاں رہنے کی اجازت دے دی جائے گی۔

نصر نے اس بات کو منظور کر لیا۔ اس نے تخت و سلطنت سے دستبرداری کی دستاویز لکھ دی اور وادی آش میں جا کر رہنے کی اجازت چاہی۔ ابوالولید ۷۱۳ھ میں غرناطہ میں تخت نشین ہو گئے اور انہوں نے نصر کو وادی آش میں جا کر رہنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ نصر وہاں چلے گئے۔

ابوالولید نے نہایت ہوشیاری سے حکومت شروع کی۔ انہوں نے بدنظمی دور کر کے نہایت عمدگی سے انتظام و انصرام شروع کیا۔ عیسائی اس وقت تک تو خاموش رہے۔ جب تک غرناطہ کے بادشاہوں میں خانہ جنگی رہی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح مسلمان آپس میں لڑ کر کمزور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ کبھی کبھی وہ حرکت کرتے تھے اور دو چار شہروں پر قبضہ کر لیتے تھے۔

مگر جب ابوالولید تخت نشین ہوئے اور مسلمانوں کی خانہ جنگی ختم ہو گئی تو قسطلہ کے عیسائی بادشاہ کو فکر ہوا کہ کہیں وہ اتنی قوت حاصل نہ کر لیں۔ جس سے ان کو زیر کرنا دشوار ہو جائے۔ چنانچہ اس نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور سرحدی مقام پر حملے کر کے کئی شہروں پر قابض ہو گیا۔

خلیفہ ابوالولید رفتہ رفتہ سلطنت کی بگڑتی ہوئی حالت درست کر رہے تھے۔ اگر انہیں دو چار سال کا اور وقفہ مل جاتا تو وہ ضرور غرناطہ کی سلطنت کو اس قدر مضبوط کر دیتے کہ عیسائی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت بھی نہ کرتے لیکن عیسائیوں نے انہیں موقعہ ہی نہ دیا۔ انہوں نے بھی اب زیادہ تاخیر کرنی مناسب نہیں سمجھی اور قسطلہ کی عیسائی سلطنت سے ٹکر لینے کی ٹھان لی۔

چنانچہ انہوں نے جس قدر لشکر جمع ہو چکا تھا۔ اسے ہی عیسائیوں کے مقابلہ میں بھیجنے کا قصد کر لیا۔ ایک روز انہوں نے اعلان کر دیا کہ جمعہ کی نماز پڑھ کر لشکر روانہ ہو جائے گا۔ اس روز تمام مسلمان فتح کی دعائیں مانگیں۔

یہ اعلان بدھ کے روز کیا گیا تھا۔ اسی روز سے تمام مسجدوں میں دعائیں مانگی جانے لگیں۔ کوثر اور ریحان بھی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے اور وہ بھی روانگی کی تیاری کر رہے تھے چونکہ سلطان کو ان کی دلیرانہ جنگ کے حالات معلوم ہو گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے انہیں سو سو سواروں پر افسر مقرر کر دیا تھا۔ وہ روزانہ سپاہیوں کو قواعد کراتے اور جنگی مشق میں ان کے ساتھ شریک ہوتے۔

ایک روز حسانہ باغیچہ میں سیر کر رہی تھی۔ وہ تنہا تھی۔ کچھ گنگنا رہی تھی۔ شاید اس نے کچھ اشعار موزوں کئے تھے۔ انہیں بھی ترنم سے پڑھ رہی تھی۔ اس کی آواز میں غضب کی شیرینی اور دلکشی تھی۔ سننے والے محو و بے خود ہو جاتے تھے۔ اتفاق سے وہاں نزہون آ گئی۔ اس نے کہا۔ کس قدر پیاری آواز ہے۔ تمہاری۔ جی چاہتا ہے۔

وہ خاموش ہو گئی۔ حسانہ نے مسکرا کر کہا "کیا جی چاہتا ہے؟"

نزہون: جی یہی چاہتا ہے کہ ؎

تو ہو ترا جلوہ ہو اور گوشۂ تنہائی

حسانہ: یہ بات تو طے ہو چکی۔

نزہون: کیا؟

حسانہ: جب تم بھابی بن جاؤ گی تو ہر وقت ہی پاس رہا کروں گی۔

نزہون: واہیات۔

حسانہ: کیا بات ہے۔ کیا اقرار سے پھرنا چاہتی ہو۔

نزہون: کہیں شامت تو نہیں آئی ہے تمہاری۔

حسانہ: عجیب تماشا ہے۔ اقرار کر کے انکار کرنا چاہتی ہو۔ میں نے تو تم سے کہہ دیا تھا اس روز اپنا اقرار واپس لے لے۔ سلمیٰ بھی موجود تھی۔ اس نے کہا تھا۔ انکار کر دو۔ تم نے

کہا تھا۔ کیوں انکار کروں۔ اب کیسے انکار کر سکتی ہو۔

نزہون: نہیں مانو گی۔

حسانہ: بالکل مان گئی ہوں۔ اسی لیے تو سمجھا رہی ہوں۔ اقرار کر کے انکار نہیں کیا کرتے۔

نزہون: اس کی طرف بڑھی۔ وہ پچھلے قدموں ہٹنے لگی۔ چونکہ اسے خوف تھا کہ کہیں نزہون کوئی شرارت نہ کر سکے اس لیے اس کی طرف دیکھتی جاتی تھی اور پیچھے ہٹتی جاتی تھی۔

نزہون اسے پکڑنا چاہتی تھی۔ دونوں کی نگاہیں ملی ہوئی تھیں۔ وہ ایک دوسری ہی کو دیکھ رہی تھیں۔ ادھر اُدھر یا آگے پیچھے ان میں سے کوئی بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔

دفعتاً حسانہ کسی سے ٹکرا گئی تھی۔ اس نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا تو کوثر تھے۔

کوثر سر جھکائے آہستہ آہستہ آ رہے تھے۔ انہوں نے ان دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ جب حسانہ اس سے ٹکرائی تو انہوں نے چونک کر سر اٹھایا اور حسانہ کو دیکھا۔ انہوں نے مسکرا کر کہا۔ خیر تو ہے۔ میرے اوپر کیوں آ پڑی تھیں؟

حسانہ محجوب ہو گئی۔ نزہون نے کہا۔ یہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ تم ان کا بوجھ سنبھال سکو گے یا نہیں۔"

حسانہ اور بھی عرقِ ندامت میں غرق ہو گئی۔ کوثر نے کہا تو یہ مشق مجھ سے ہی شروع کی گئی ہے۔

نزہون نے نقرئی قہقہہ لگا کر کہا۔ جی ہاں ابتدا تم ہی سے کی ہے۔"

حسانہ شرم سے دوہری ہوئی جا رہی تھی۔ اس نے شرمیلی نظروں سے نزہون کو دیکھا۔

نزہون نے کہا۔ "آپ شرم کی گڑیا کیوں بنی کھڑی ہو۔ مشق ہی ٹھہری تو شروع رکھو۔

حسانہ نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ بہت پچھتاؤ گی نزہون۔"

کوثر نے شرم کی حسین گڑیا حسانہ کو کہا۔ مجھے بھی کوئی عذر نہیں ہے۔ مگر یہ کھیل ذرا غیر مناسب ہے۔

نزہون: "نامناسب ہوتا تو کھیلا ہی کیوں جاتا۔

حسانہ چل پڑی۔ کوثر چلے گئے۔ نزہون دوڑ کر اس کے پاس آئی اور کہا: "ابھی سے چل دیں۔

تم تو۔

حسانہ: بڑی شوخ ہو گئی ہو تم۔

نزہون: اس میں شوخی کی کیا بات ہے۔ تم نے ایک کھیل شروع کیا تھا۔ اسے ناتمام ہی چھوڑ دیا۔ مجھے اشارہ کر دیتیں، میں چلی جاتی۔

حسانہ: کروں گی اشارہ کسی روز۔

نزہون: خفا تو نہیں ہو گئیں کہیں تم۔

حسانہ: کوئی اپنی بھاوج سے بھی خفا ہوا کرتا ہے۔

نزہون: دوست۔ پھر وہی۔

حسانہ ہنس پڑی۔ نزہون مسکرانے لگی۔

جمعہ کے روز تمام مسجد میں فتح کی دعائیں مانگی گئیں۔ نماز پڑھ کر مجاہدینِ اسلام اپنے اپنے دستے میں پہنچ گئے۔ سلطان ابو الولید مع معزز شہریوں کے شہر سے باہر آئے۔ وہ ایک طرف کھڑے ہو گئے اور لشکر نے کوچ شروع کیا۔ اس لشکر کو رخصت کرنے کے لیے شہر کے بے شمار مسلمان آئے تھے۔ انہوں نے اللہ اکبر اور اسلام زندہ باد کے نعرے لگائے۔ سب سے پہلے شیخ الغزاۃ کے پیچھے ابو الجیوش اور ان کے پیچھے دوسرے افسر روانہ ہوئے۔ جب تمام لشکر روانہ ہو گیا۔ تب سلطان اور سب لوگ واپس لوٹ آئے۔

✽

(۲۰)

آغازِ جنگ

جس عرصہ میں اسلامی لشکر تیار ہو کر روانہ ہوا اس عرصہ میں عیسائیوں نے اور کئی سرحدی شہروں پر قبضہ کر لیا اور جن شہروں پر انھوں نے قبضہ کیا وہاں آگ اور خون کا ایک ایسا کھیل کھیلا جس سے انسانیت مجروح ہو کر رہ گئی۔ انھوں نے مسلمانوں پر بے انتہا مظالم کیے۔ ان کا قتلِ عام کیا۔ عورتوں اور بچوں تک کو ذبح کر ڈالا۔ گھروں کو لوٹا اور ان میں آگ لگا دی۔

جو ستم رسیدہ بچ گئے۔ وہ بھاگ بھاگ کر آتے رہے۔ بعض جیان میں رہ گئے اور بعض اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے۔ جو عیسائیوں سے انتقام لینے کے لیے جا رہا تھا۔ جب ان مسلمانوں نے مجاہدینِ اسلام کو اپنی دردناک داستانیں سنائیں تو ان کے دلوں میں اور بھی جوش و غضب کا طوفان اُمنڈ آیا۔

اب مسلمانوں نے تیزی سے سفر شروع کیا۔ شیخ الغزاۃ نے یہ طے کیا کہ جلد سے جلد عیسائیوں پر یورش کی جائے اور ان کی پیش قدمی کو روک دیا جائے۔

عیسائیوں کو بھی اس تھوڑے سے لشکر کے آنے کی خبر ہو گئی تھی۔ وہ بھی اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مقابلہ ہوتے ہی اس لشکر کو ختم کر ڈالیں گے۔

عیسائیوں کا لشکر کئی مقامات پر بٹا ہوا تھا۔ لیکن اس کی کثرت اس قدر تھی کہ ایک ایک مقام پر مسلمانوں سے کئی کئی گنا لشکر موجود تھا۔ اس لیے عیسائیوں کو اس اسلامی لشکر کے آنے کا

کوئی خوف اندیشہ نہ تھا۔ مگر مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر سن کر انھیں اسلامی شہروں پر تاخت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جو لشکر جس مقام پر تھا وہیں رہا۔

اسلامی لشکر بڑی شان سے بڑھ رہا تھا۔ شیخ الغزاۃ بطور ہراول کے کوچ کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے ریحان اور کوثر تھے۔ ان دونوں میں بہت ہی زیادہ جوش پایا جاتا تھا اور جو جوش ان میں تھا۔ وہی ان کے سپاہیوں میں بھی پیدا ہو گیا تھا۔ یہ لشکر کیوساڈا کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ابھی کیوساڈا دور تھا۔ ایک روز یہ لشکر ایک میدان میں مقیم ہی ہوا تھا۔ خیمے نصب ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے ظہر کی نماز پڑھ لی تھی۔ لوگ کھانا تیار کر رہے تھے کہ دور فاصلے پر غبار اٹھا۔ بعض مسلمانوں نے دیکھا۔ انھوں نے دوسروں کو دکھایا۔ دوسروں نے اوروں کو اس طرح تمام لشکر میں اس غبار کا چرچا ہو گیا۔

مسلمان اس کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔ غبار بڑھا چلا آ رہا تھا۔ جیسے آندھی آ رہی ہو۔ لیکن ہوا ساکن تھی مطلع صاف تھا۔ اس لیے آندھی کا خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ مسلمان سمجھ گئے کہ کوئی لشکر آ رہا ہے۔ بڑا بھاری لشکر۔ شیخ الغزاۃ نے بھی اس غبار کو دیکھ لیا تھا۔ وہ بھی سمجھ گئے تھے کہ کوئی لشکر آ رہا ہے۔ انھوں نے اپنے لشکر کو مسلح ہونے کا حکم دیا۔ مسلمان ہتھیاروں کی طرف دوڑے اور جلد جلد مسلح ہو گئے۔ شیخ الغزاۃ نے ریحان سے کہا: "شیر دل مجاہد! کیا تم خبر لاؤ گے کہ کس کا لشکر ہے اور کیوں آ رہا ہے؟"

ریحان: ان شاء اللہ۔

یہ کہتے ہی وہ گھوڑے کی طرف چلے۔ ان کا گھوڑا قریب ہی ان کا غلام لیے کھڑا تھا۔ شیخ الغزاۃ نے انھیں روک کر کہا: "کیا تنہا ہی جا رہے ہو ریحان؟"

ریحان: جی ہاں۔ میں اپنی جان کا مالک ہوں اور میں نے اپنی جان کو راہِ خدا میں وقف کر دیا ہے۔

شیخ الغزاۃ: نہیں، تنہا نہ جاؤ۔ کوثر کو اپنے ساتھ لو اور دونوں اپنے اپنے دستوں کو لے کر جاؤ۔

کوثر بھی وہیں کھڑے تھے۔ وہ خوش ہو گئے۔ وہ اور ریحان دونوں اپنے اپنے سو سو سواروں کو لے کر تیزی سے چلے۔ وہ غبار کی طرف چل رہے تھے اور غبار ان کی طرف بڑھا آ رہا تھا۔ جب وہ غبار کے قریب پہنچے تو غبار کا دامن چاک ہوا اور عیسائی سوار آتے ہوئے نظر آئے۔

ریحان اور کوثر اپنے دو سو ہمراہیوں کے ساتھ ٹیلوں کے پیچھے چھپ گئے اور عیسائی لشکر کا اندازہ کرنے لگے۔ انہوں نے پانچ علم لہراتے ہوئے دیکھے۔ وہ اس بات کو جانتے تھے کہ ایک علم کے نیچے ایک ہزار سوار ہوتے ہیں وہ سمجھ گئے کہ پانچ ہزار سپاہ ہے۔ کوثر نے ریحان سے کہا: "کہو کیا ارادہ ہے؟"

ریحان: کیا تم حملہ کرنا چاہتے ہو؟

کوثر: ہاں۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو۔

ریحان: میں تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن ہم اپنے سپاہیوں کو مجبور نہیں کر سکتے۔

کوثر: سپاہیوں کو رخصت کر دو۔

ریحان: ٹھیک ہے۔

کوثر نے اپنے سپاہیوں کو مخاطب ہو کر کہا: "میں اور ریحان عیسائی لشکر پر حملہ کریں گے۔ تم سب واپس ہو کر امیر عسکر کو عیسائی لشکر کی تعداد بتا دینا۔

چند سپاہیوں نے کہا: آپ لڑیں اور ہم واپس چلے جائیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔

ریحان: مگر ہم تمہیں خوشی سے جانے کی اجازت دے رہے ہیں۔

سپاہی: ایک تو جو جذبہ آپ کے دل میں ہے وہی ہمارے دلوں میں ہے۔ ہم بھی شہادت کے طلب گار ہیں۔ دوسرے ہم آپ کو چھوڑ کر ہرگز نہیں جا سکتے۔

غرض ان میں سے ایک بھی سپاہی لوٹنے کو تیار نہ ہوا۔ اس عرصہ میں عیسائی لشکر ان ٹیلوں پر سے گزرنے لگا جن کے پیچھے یہ لوگ چھپے ہوئے تھے۔ ریحان نے کہا "اچھا تو خدا کا نام لے کر تیار ہو جاؤ۔

سب لوگ تیار ہو گئے۔ انہوں نے تلواریں سونت لیں۔ ریحان نے بلند آواز سے کہا "نصر من اللہ و فتح قریب" یعنی مدد اللہ کی طرف سے ہے اور فتح قریب ہے۔ دو سو مسلمانوں نے مل کر "اللہ اکبر" کا پر جوش نعرہ لگایا۔ اس نعرہ کو سن کر عیسائی چونک گئے اور خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ساتھ ہی مسلمانوں نے ٹیلوں کے پیچھے سے نکل کر عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔

یا تو عیسائی لشکر بڑھا آ رہا تھا یا ایک دم رک گیا۔ مسلمانوں نے بڑھ کر نہایت سختی سے حملہ کیا۔ کرا تنے میں عیسائی سنبھلیں اور معاملہ کی نوعیت کو سمجھیں، مسلمانوں نے تقریباً پچاس سپاہیوں کو مار ڈالا۔

چونکہ مسلمانوں نے ایک دم حملہ کیا تھا۔ اس لیے عیسائی ان کی تعداد معلوم نہ کر سکے۔ یہ سمجھے کہ کافی تعداد میں ہیں اور ان کے اور ساتھی ابھی ٹیلوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں وہ بڑی احتیاط سے مدافعت کرنے لگے۔

مسلمانوں نے عیسائی لشکر کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ کچھ لشکر تو ٹیلوں سے آگے بڑھ گیا تھا اور باقی سب لشکر پیچھے تھا۔ مسلمان ٹیلوں کے پیچھے سے نکل کر حملہ آور ہوئے اور سامنے راستے پر جتنے عیسائی سپاہی تھے۔ انہوں نے ان سب کو کاٹ ڈالا۔ اب کوثر اپنے سو ساتھیوں کے ساتھ تو عیسائیوں کے پیچھے بڑھے ہوئے حصے پر ٹوٹ پڑے اس اگلے حصے میں تقریباً پانچ سو عیسائی تھے۔ انہوں نے سختی سے حملہ کر کے انہیں بے دریغ قتل کرنا شروع کیا۔

عیسائی بھی پلٹ کر ریحان اور ان کے ساتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ نہایت گھمسان کی جنگ ہونے لگی۔ تلواروں کی جھنکار اور زخمیوں کی چیخ و پکار سے میدان گونج اٹھا۔

ریحان چاہتے تھے کہ جو عیسائی ان کے مقابلے میں ہیں۔ ان کا جلدی سے خاتمہ کر کے کوثر اور ان کے ساتھیوں کی مدد کریں۔ لیکن عیسائی کوئی موم کے بنے ہوئے نہیں تھے۔ وہ نہایت دلیری اور جرأت سے مقابلہ میں ڈٹ گئے تھے اور اس کوشش میں تھے کہ حملہ آور مسلمانوں کا صفایا کر ڈالیں۔ جنہوں ان پر اچانک حملہ ہوا تھا۔

اور جنگ زور شور سے شروع ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ یہ نہیں معلوم کر سکے کہ ان پر حملہ کرنے والے مسلمانوں کی صحیح تعداد کیا ہے۔ اگر انہیں صحیح تعداد معلوم ہو جاتی تو وہ یقیناً پر زور حملے کر کے انہیں ٹھکانے لگا دیتے۔

لیکن انہیں ٹھیک تعداد معلوم نہیں تھی۔ یہ سمجھ رہے تھے کہ مسلمان کافی تعداد میں ہیں۔ اس لیے گھبرا رہے تھے۔ مسلمان بڑے جوش سے حملے کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں بڑی پھرتی سے چل رہی تھیں۔ ہر مسلمان خونخوار شیر بنا ہوا تھا۔ ایسی پھرتی سے حملے کر رہا تھا اسے قتل کیے بغیر نہ چھوڑتا تھا۔

عیسائی بھی بڑی جانبازی سے لڑ رہے تھے۔ جوش میں آ آ کر حملے کرتے تھے۔ لیکن مسلمان ان کے حملے ڈھالوں پر روک لیتے تھے۔ کبھی کبھی کوئی مسلمان زخمی ہوتا تھا۔ وہ غضبناک ہو کر اور بھی جوش سے حملہ کرتا اور جب تک وہ اپنے مقابل کو نہ مار ڈالتا۔ اس کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ چند مسلمان شہید بھی ہو چکے تھے۔ ان کے شہید ہونے سے مسلمانوں کا جوش اور بڑھ گیا تھا اور وہ اور بھی سختی سے حملے کرنے لگے تھے۔

ریحان بڑی پھرتی اور دلیری سے حملے کر رہے تھے۔ انہوں نے بے شمار عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ اب وہ عیسائی سرداروں کی طرف بڑھے۔ عیسائیوں نے مزاحمت کی۔ انہوں نے سختی سے حملے کر کے انہیں مار مار کر ہٹانا شروع کر دیا۔ آخر بڑھتے بڑھتے وہ سردار کے پاس پہنچ گئے۔ سردار نے ان پر حملہ کیا۔ انہوں نے ڈھال پر اس کا وار روکا اور خود بھی بڑی قوت سے حملہ کیا۔ عیسائی سردار نے بھی ڈھال سامنے کر دی۔ ریحان کی تلوار نے ان کی ڈھال پھاڑ ڈالی۔ سردار گھبرا گیا۔ اس نے جلدی سے دوسرا وار کیا۔ ریحان اس کا وہ وار بھی بچا گئے۔ اب سردار بھاگنے کے خیال سے پیچھے ہٹا۔ ریحان نے جھپٹ کر اس پر حملہ کیا۔ اس کے پاس ڈھال نہیں رہی تھی۔ وہ ان کے اس وار کو بچا نہ سکا۔ اس کی گردن پر تلوار پڑی اور اس کا سر اڑ گیا۔

ریحان نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ساتھ ہی عیسائی علم بردار پر حملہ کر دیا۔ علم بردار بھی گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ لیکن ان کی تلوار سے نہ بچ سکا۔ دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ ساتھ ہی عیسائی

علم بھی گر گیا۔

مسلمانوں نے یہ کیفیت دیکھ کر نہایت زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ عیسائیوں نے گھبرا کر نگاہیں اٹھائیں۔ انہیں نہ اپنا علم نظر آیا اور نہ سردار۔ وہ سمجھ گئے کہ ان کا سردار مارا گیا۔ ان پر خوف طاری ہو گیا۔

ساتھ ہی مسلمانوں نے سنبھل کر نہایت زور سے حملہ کیا۔ ان کی تلواریں چمچماتی ہوئی اٹھیں۔ اور عیسائیوں کے سروں کی طرف بڑھیں۔ اس ایک حملہ میں مسلمانوں نے تقریباً ساٹھ عیسائیوں کو مار ڈالا۔ عیسائیوں پر ہیبت طاری ہو گئی۔ ان کے قدم اکھڑ گئے۔

مسلمانوں نے بڑھ کر ایک حملہ اور کیا اور بڑی پھرتی سے مار دھاڑ شروع کر دی۔ عیسائی بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں بھیڑوں کی طرح ذبح کر ڈالا۔ پانچ سو عیسائیوں میں سے مشکل سے پچاس ساٹھ عیسائی بھاگ کر اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے۔ ورنہ سب کے سب مار ڈالے گئے۔

اب ریحان اپنے ساتھیوں کو لے کر کوثر کی مدد کے لیے چلے۔

(۲۱)

عیسائیوں کا فرار

کوثر اور ان کے ساتھیوں نے بڑی دلیری اور سختی سے حملہ کیا تھا۔ اس حملہ میں انہوں نے ہیبت سے عیسائیوں کو مار ڈالا اور چونکہ عیسائی راستے کے دو رویہ میں چار چار کی قطاروں میں دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس لیے دور والوں کو یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ لشکر کیوں رک گیا اور اس کے اگلے حصہ پر کیا واقعہ گزر رہا ہے۔

مسلمان بڑی پھرتی سے حملے کر کے عیسائیوں کو ٹھکانے لگا رہے تھے۔ اچانک حملہ سے عیسائی کچھ سراسیمہ سے ہو گئے تھے۔ لیکن جب وہ قتل ہونے لگے تو ان میں بھی جوش پیدا ہوا اور انہوں نے بھی مسلمانوں پر حملے شروع کر دیے۔ اب لڑائی شروع ہو گئی۔ نہایت خونریز لڑائی۔ مسلمان عیسائیوں پر اور عیسائی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ تلواریں بڑی پھرتی کے ساتھ اٹھنے اور جھکنے لگیں۔ سر کٹ کٹ کر اچھلنے لگے۔ دھڑ کٹے ہوئے درختوں کی طرح گرنے لگے اور دھڑوں سے خون اس طرح بہنے لگا جیسے پانی کے چشمے کھل گئے ہوں۔

کوثر نے عیسائیوں کے مظالم دیکھے تھے۔ ان کے سینے میں جوش انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ وہ بڑی پھرتی اور دلیری سے حملے کر رہے تھے اور ہر حملہ میں کم سے کم ایک سو عیسائی کو یا تو مار ڈالتے یا زخمی کر دیتے تھے۔

انہیں اس بہادری، پھرتی اور جوش میں لڑتے دیکھ کر ان کے ہمراہیوں میں بھی جوش و غضب کا طوفان امنڈ آیا تھا اور وہ بھی دلیری، پھرتی اور قوت سے حملے کر رہے

تھے۔ ان کی تلواریں موت کا فرشتہ بن گئی تھیں۔ جس پر پڑتی تھیں، اسے قتل کیے بغیر نہ چھوڑتی تھیں۔

مسلمان عیسائیوں کو قتل کرتے، مارتے، ہٹاتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ عیسائی پوری طاقت سے ان کا مقابلہ کر رہے تھے۔ لیکن مسلمان جیسے پتھر یا لوہے کے بنے ہوئے تھے۔ تلواریں ان پر اثر نہیں کرتی تھیں۔ کچھ اس لیے نہیں کہ وہ واقعی روئیں تن تھے۔ بلکہ اس لیے کہ وہ عیسائیوں کی تلواریں اپنی ڈھالوں پر بڑی آسانی سے روک لیتے تھے اور خود بڑی پھرتی سے حملہ کر کے حملہ آور کو مار ڈالتے تھے یا زخمی کر دیتے تھے۔

جو عیسائی زخمی ہو جاتا تھا وہ بُری طرح چلانے لگتا تھا اور ایسا خوفزدہ ہو جاتا تھا۔ جیسے تمام مسلمان تنہا اسی پر حملہ کر رہے ہوں۔ مسلمانوں کو ان چلانے والے عیسائیوں پر بڑا غصہ آتا تھا اور وہ پھرتی سے حملہ کر کے انہیں ضرور قتل کر ڈالتے تھے۔

عیسائی بھی جوش و طیش میں آ آ کر بڑھ بڑھ کر حملے کرتے تھے۔ لیکن یا تو ان کی تلواریں مسلمانوں کی تلواروں کی طرح کاٹ نہیں کرتی تھیں یا مسلمان جنگی فن میں بڑے ماہر تھے۔ ان کی تلواروں کو اس طرح اپنی ڈھالوں پر روک لیتے تھے کہ وہ بیکار ہو جاتی تھیں۔ اس سے عیسائیوں کو اور بھی غصہ آتا تھا اور وہ پھر غضبناک ہو کر حملے کرتے تھے۔ مگر ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو دوبارہ حملہ کرنا نصیب ہی نہ ہوتا تھا۔ مسلمانوں کی تلواریں انہیں کاٹ ڈالتی تھیں۔

لیکن کبھی کبھی کوئی اکا دکا مسلمان زخمی ضرور ہو جاتا تھا اور جب کوئی مجاہد زخمی ہو جاتا تھا تو اسے اس قدر جوش اور غصہ آتا تھا کہ اگر اس کا بس ہوتا تو سارے عیسائی لشکر کو اُلٹ دیتا۔ وہ فوراً جوابی حملہ کرتا اور زخمی کرنے والے کو قتل کیے بغیر نہ چھوڑتا اور چونکہ اس قتل کرنے سے اس کا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا تھا۔ اس لیے دوسرے پر حملہ کرتا اور اسے بھی مار ڈالتا۔ پھر تیسرے پر حملہ آور ہوتا۔ گویا کسی مسلمان کا زخمی ہو جانا بالکل ایسا ہی تھا جیسے کوئی شیر زخمی ہو کر بپھر جائے۔

کوثر بڑی پھرتی سے حملے کرتے۔ ان کی تلوار ڈھالوں کو پھاڑ ڈالتی تھی۔ شانہ کی ہڈیوں

کو کاٹ ڈالتی اور سروں کو تنوں سے علیحدہ کر دیتی۔ چونکہ وہ نوجوان تھے۔ اس لیے عیسائی انہیں ناتجربہ کار سمجھتے تھے اور ناتجربہ کار سمجھ کر ان پر حملہ آور ہوتے تھے۔ لیکن جب ان کے حملوں کی شان اور ان کی تلواروں کی کاٹ دیکھتے تو پچھتاتے کہ ان پر کیوں حملہ کیا۔

اب عیسائیوں نے کوثر اور ان کے ساتھیوں کو نرغہ میں لے لیا۔ پیچھے کی طرف بے شمار عیسائی راستہ کے کناروں پر ہو کر مسلمانوں کے گرد چھا گئے اور اس طرح مسلمان اس کے بیچ میں آ گئے۔ مگر مسلمان بھی چاروں طرف گھوم گئے اور اپنے مقابل والے عیسائیوں سے لڑنے لگے۔ اب جنگ کا زور بڑھ گیا تھا۔ تلواریں اور بھی پھرتی سے بڑھنے لگیں اور قتل و خونریزی کا بازار گرم ہو گیا۔

عیسائیوں نے یہ دیکھ لیا کہ مسلمان بہت ہی تھوڑی تعداد میں ہیں اور ان پر جارحانہ حملے کرنے لگے۔ جب تک مسلمانوں کے بدن میں قوت اور بازوؤں میں طاقت رہی وہ بڑی دلیری اور پھرتی سے لڑتے رہے۔ انہوں نے اپنے گرد عیسائیوں کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیے۔ مگر جب زیادہ مار کاٹ کرنے کی وجہ سے ان کے بازو شل ہو گئے تو ان کے حملوں میں کمی واقع ہو گئی۔ عیسائیوں نے دیکھ لیا کہ وہ تھک گئے ہیں۔ اس لیے اب انہوں نے ان پر پُرزور حملے کرنے شروع کیے۔ کئی کئی عیسائی ایک ایک مسلمان پر حملہ آور ہوتے۔ مسلمان ان میں سے دو چار کو قتل کر ڈالتا اور پھر خود بھی شہید ہو جاتا۔ اس طرح آٹھ دس مسلمان شہید ہو گئے۔

جب کوثر کے ساتھی کچھ تھک گئے تھے۔ اس وقت ریحان اور ان کے ہمراہیوں نے پرزور حملہ کیا اور بے دریغ عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ کوثر اور ان کے ساتھی عیسائیوں میں گم ہو گئے تھے۔ اس لیے ریحان اور ان کے ہمراہیوں کو بڑا فکر لاحق ہو گیا تھا۔ وہ عیسائیوں کو مار کاٹ کر کوثر تک پہنچنا چاہتے تھے۔

عیسائی انہیں روک رہے تھے۔ ریحان ان کے شیر دل مجاہد جس دلیری سے حملے کر رہے تھے۔ وہ عیسائیوں کو کاٹ کاٹ کر ان کی لاشوں کے ڈھیر لگاتے جاتے تھے۔ لیکن عیسائی اس کثرت سے تھے کہ بے شمار قتل ہونے پر بھی ان کی تعداد میں کمی معلوم نہ ہوتی تھی۔

اور چونکہ پیچھے سے عیسائی برابر ادھر ادھر سے نکل کر بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ اس لیے وہ ریحان اور ان کے گرد بھی چھا گئے اور اس طرح کوثر اور ریحان دونوں کے ساتھی عیسائیوں کے بیچ میں بالکل ایسے تھے۔ جیسے اونٹ کے بدن پر تل ہو۔

اگرچہ مسلمان اب بھی بڑے جوش، استقلال اور دلیری سے لڑ رہے تھے۔ لیکن در اصل اب وہ مدافعت کر رہے تھے۔ جارحانہ حملوں کی ان میں قوت باقی نہ تھی۔ اگر کچھ دیر جنگ اس طرح جاری رہتی تو بہت ممکن تھا کہ ان تمام مسلمانوں کا خاتمہ ہو جاتا جو عاقبت اندیشی سے اتنے بھاری لشکر سے ٹکرا گئے تھے۔

لیکن عین اس وقت جب کہ مسلمان تھک چکے تھے۔ اللہ اکبر کے پرشور نعرے کی آواز آئی۔ مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں نے گھوڑوں کے رکابوں پر کھڑے ہو ہو کر دیکھا۔ انہیں اسلامی لشکر گھوڑے دوڑاتے آتا ہوا نظر آیا اور اس لشکر کے آتے ہی بڑی سختی سے عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔

یہ لشکر شیخ الغزاۃ لے کر آئے تھے۔ جب کوثر اور ریحان کے واپس پہنچنے میں دیر ہوئی تو انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ پرجوش نوجوانوں عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ وہ ایک ہزار سواروں کو لے کر دوڑ آئے اور آتے ہی انہوں نے اس شدت سے حملہ کیا کہ اگلے لوگ پچھلوں سے جا ملے۔

عیسائیوں نے اس لشکر کا بھی مقابلہ شروع کیا۔ مگر مسلمانوں نے انہیں تلواروں کی باڑھوں پر رکھ لیا۔ چشم زدن میں ان تمام عیسائیوں کو مار ڈالا جو ریحان اور کوثر کو نرغے میں لیے ہوئے تھے اور اب انہوں نے تمام عیسائی لشکر پر حملہ کر دیا۔ کوثر اور ریحان کے ساتھی بھی جیسے تازہ دم ہو گئے۔ انہوں نے بھی بڑے زور سے حملہ کیا اور عیسائیوں کو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ ڈالا۔

مسلمانوں کا یہ حملہ اس قدر سخت تھا کہ عیسائی اسے روک نہ سکے۔ وہ دبتے اور کٹتے چلے گئے۔ مسلمانوں نے انہیں قتل کر کے ان کی لاشوں کے انبار لگا دیے۔ خون کے دریا بہا دیے۔ اس قدر خونریزی کی کہ عیسائی گھبرا گئے۔ ان کے بڑے بڑے افسر مارے گئے۔

ہزاروں جانباز خاک اور خون میں مل گئے۔ جو باقی بچے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور انہیں قتل کرتے ان کے پیچھے لگے چلے گئے۔ انہوں نے کئی کئی میل تک ان کا پیچھا کر کے ان کی لاشیں بچھا دیں۔ پانچ ہزار عیسائیوں میں سے مشکل سے پانچ سو بھاگ کر اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے۔ باقی سب مارے گئے۔ مسلمانوں کو عیسائیوں پر پہلی فتح حاصل ہوئی۔

(۲۲)

عجیب شکار

مسلمانوں نے اس فتح پر خدا کا شکر ادا کیا اور عیسائیوں کے مال پر قبضہ کر لیا۔ مالِ غنیمت میں خیمے، چھولداریاں، گھوڑے، ہتھیار، خزانہ، رسد، سونے اور چاندی کے وہ زیورات جو عیسائی افسر استعمال کیا کرتے تھے۔ غرض کافی سامان ہاتھ آیا۔

اس روز مسلمانوں نے اس مقام سے کچھ آگے بڑھ کر قیام کیا۔ شیخ الغزاۃ نے کچھ آدمی شہیدوں کو دفن کرنے کے لیے بھیجے۔ چھتیس مجاہد شہید ہوئے تھے۔ انہیں جنازہ کی نماز پڑھ کر دفن کر دیا۔ عیسائی تقریباً ساڑھے چار ہزار مارے گئے تھے۔ ان کی لاشیں بے گور و کفن پڑی تھیں۔ انہیں نہ کفن میسر ہوا نہ گور۔ یہ شاید قدرت نے ان سے اس ظلم و ستم کا انتقام لیا تھا۔ جو انہوں نے بے گناہ مسلمانوں پر کئے تھے۔

مسلمانوں نے رات نہایت آرام اور اطمینان سے گزاری۔ صبح کی نماز پڑھ کر کیرساڈا کی طرف روانہ ہوئے یہ شہر ابھی کافی فاصلہ پر تھا۔

مسلمانوں نے عیسائیوں کے لشکروں کی خبریں معلوم کرنے کے لیے چند جاسوس چھوڑ دیے اور کیرساڈا کی طرف کوچ کیا۔ جاسوس روزانہ دن چھپے کے قریب اسلامی لشکر میں آتے انہیں عیسائی لشکر کی جو خبریں معلوم ہوتیں۔ وہ شیخ الغزاۃ کو سناتے۔ انہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جس لشکر کا مسلمانوں نے تیا پانچا کر ڈالا ہے۔ عیسائیوں کو اس کے مارے جانے کا بڑا رنج اور قلق ہوا ہے۔ عیسائی بادشاہ کیرساڈا میں مقیم ہے۔ اس نے عیسائیوں کو مسلمانوں سے انتقام لینے کی ترغیب دی ہے۔ عیسائیوں میں مسلمانوں کے خلاف بڑا

جوش پیدا ہو گیا ہے۔

شیخ العزاۃ نے اس پہلی فتح اور جنگ کی مفصل روئیداد لکھ کر سلطان کی خدمت میں بھیج دی اور یہ بھی لکھ دیا کر عیسائی اس شکست سے بڑے چراغ پا ہو گئے ہیں۔ بطروہ کیوساؤ میں موجود ہے۔ اس نے عیسائی سپاہ کو انتقام لینے کی ترغیب دی ہے۔ اس کے پاس پچیس ہزار سے زیادہ لشکر اس وقت موجود ہے۔ مسلمان اتنے بھاری لشکر کی خبر سن کر پریشان اور فکر مند نہیں ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہہ دیا ہے کہ ہم دشمنوں کی کثرت سے نہیں گھبراتے۔ ہمارا خدا پر بھروسہ ہے۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔ ان کے اس اعتقاد نے ان کے دلوں میں جوش و عزم کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ پہلی فتح سے ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ یہ غلام زادہ کیوساؤ کی طرف بڑھ رہا ہے۔"

سلطان نے شیخ العزاۃ کا شکریہ ادا کیا انہیں لکھا کہ ہم تم سے بہت دور ہیں۔ تم دشمنوں کے بہت قریب ہو۔ اس مہم کے تمہیں جملہ اختیارات عطا کر دیے گئے ہیں جو تم مناسب سمجھو وہ کرو۔ ڈھائی سو سواروں کا رسالہ اور بھیجا جاتا ہے۔ اس رسالہ کے ساتھ یوسف اغلبی بھی آ رہے ہیں۔

جس وقت یہ لشکر عیسائیوں کے مقابلہ کے لیے غرناطہ سے روانہ ہوا تھا اس وقت یوسف وہاں موجود نہیں تھے۔ ان کے ایک عزیز مالقہ میں تھے۔ وہ ان سے ملنے گئے تھے جب مالقہ سے واپس آئے اور انہیں معلوم ہوا کہ ان کے دوست ریحان عیسائیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گئے ہیں تو وہ بہت بے چین ہو گئے۔ انہوں نے سلطان سے شیخ العزاۃ کے پاس جانے کی اجازت چاہی۔ سلطان نے یہ کہہ کر انہیں روک دیا کہ جب کوئی دستہ وہاں بھیجا جائے گا۔ تب تم اس کے ساتھ چلے جانا۔ چند ہی روز میں ڈھائی سو سواروں کا دستہ تیار ہو گیا۔ یوسف اغلبی نے سلطان سے اس دستہ کے ساتھ جانے کی اجازت چاہی۔ سلطان نے اجازت دے دی، اور وہ دستہ کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

چنانچہ ایک روز وہ شیخ العزاۃ کے پاس پہنچ گئے۔ یوسف ریحان کے پاس جا کر ٹھہرے۔ ریحان کو ان کے آنے کی بڑی خوشی ہوئی انہوں نے شیخ العزاۃ سے اجازت

لے کر یوسف کو اپنے ساتھ ہی کر دیا۔

ایک روز رات کے وقت حسبِ معمول جاسوس واپس نہیں آئے۔ شیخ العزاۃ وہیں ٹھہر گئے اور ان کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

دوسرے روز یوسف دو مسلمانوں کے ساتھ شکار کے لیے چلے گئے۔ ریحان بھی ان کے ساتھ جانا چاہتے تھے۔ لیکن شیخ العزاۃ نے تمام افسروں کو مشورہ کے لیے طلب کر لیا تھا۔ اس لیے وہ نہ جا سکے۔

جب ریحان عصر کی نماز پڑھ کر اپنے خیمہ پر آئے تو انہوں نے وہاں یوسف کو دیکھا۔ یوسف کا چہرہ گرد و غبار میں اٹا ہوا تھا۔ ریحان نے ان سے پوچھا،

"کب آئے تم — ؟"

یوسف نے جواب دیا۔ "بس چلا ہی آ رہا ہوں۔"

ریحان: ملا کچھ شکار۔

یوسف نے مسکرا کر کہا۔ بھئی "ملا تو سہی لیکن بڑا عجیب و غریب شکار ہے۔"

ریحان: خوب، کہاں ہے وہ؟

یوسف: ذرا صبر کرو۔ میں ہتھیار اتار آؤں۔

یوسف گئے اور ہتھیار اتار کر آ گئے۔ ریحان نے ان سے پوچھا، "تم نے عصر کی نماز بھی پڑھ لی ہے؟"

یوسف: ابھی نہیں۔ خدا معاف کرے۔ باتوں میں خیال ہی نہ رہا۔ میں پہلے نماز پڑھ آؤں۔

یوسف نماز پڑھنے چلے گئے۔ ریحان خیمہ کے باہر قالین ڈالوا کر بیٹھ گئے تھوڑی ہی دیر میں کوڑا گئے۔ انہوں نے کہا۔ معلوم ہوا ہے یوسف آ گئے۔ کچھ شکار وکار لائے یا خالی ہاتھ ہی آ گئے۔

ریحان: آؤ بیٹھو۔ یوسف بھیا آ گئے ہیں۔ کہتے تھے بڑا عجیب و غریب شکار لائے ہیں۔ ابھی نماز پڑھنے گئے ہیں۔

کوثر نے بیٹھتے ہوئے کہا: "عجیب و غریب شکار کہاں ہے وہ۔؟"

ریحان: یہ پتہ نہیں۔ وہ خود ہی آکر بتا دیں گے۔

کچھ وقفے کے بعد یوسف بھی آگئے۔ کوثر نے ان سے کہا: بھئی وہ عجیب و غریب شکار کہاں ہے۔

یوسف: ابھی دکھاتا ہوں۔

وہ گئے اور اپنے ساتھ ایک نہایت ہی حسین و مہ جبیں لڑکی کو لائے۔ وہ نہایت بیش قیمت لباس اور قیمتی زیورات پہنے تھے۔ عیسائی لڑکی تھی۔ یوسف نے کہا: "یہ ہے وہ عجیب و غریب شکار۔ میں شکار کی تلاش میں پھر رہا تھا۔ ظہر کی نماز کے وقت ایک چشمہ کے کنارے پر جا نکلا۔ وہاں یہ نازنین پانچ سواروں کے ساتھ چشمہ کے کنارے پر بیٹھی تھی۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے جھپٹ کر عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ وہ کم بخت جیسے مرنے ہی کے لیے وہاں موجود تھے۔ ہمارا مقابلہ بالکل بھی نہ کر سکے۔ مارے گئے۔ میں اس لڑکی کو اپنے ساتھ لے آیا۔"

کوثر اس لڑکی کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے یوسف اور ریحان کو کہا: "جانتے ہو یہ لڑکی کون ہے؟"

دونوں نے کہا: "ہم نہیں جانتے۔"

کوثر: مجھ سے سنو۔ یہ لڑکی شہزادہ بطروہ کی جو قسطلہ کی عیسائی سلطنت کا ولی عہد ہے، بیوی ہے۔

ریحان اور یوسف دونوں سخت متعجب ہوئے۔ ریحان نے کہا: "تمہارا دماغ صحیح ہے؟"

کوثر: "بفضل تعالیٰ ابھی تک تو بالکل صحیح ہے۔ مگر تمہیں میرے دماغ کے صحیح نہ ہونے کا شک کیوں ہوا۔؟"

ریحان: اس لیے شہزادہ بطروہ کی بیوی اس طرح کیوں پڑی پھرتی۔

کوثر: یہ تو بات وہ خود ہی بتا سکے گی۔

ریحان: مگر تم نے اسے پہچانا کیسے؟

کوثر: میں نے اسے پہلے دیکھا ہی ہے۔ اس نے تو مہربانی کر کے مجھے بطروہ کے ارادے سے اطلاع دے کر قسطلہ سے چلے جانے کی ہدایت کی تھی۔

ریحان: جب تو یہ تمہاری محسن ہے۔

کوثر: بیشک۔

کوثر نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ وہ عیسائی نازنین بطروہ کی بیوی آراکہ ہی تھی۔ وہ خود کوثر کو دیکھ رہی تھی۔ جیسے انہیں شناخت کر رہی ہے۔ کوثر نے اس زبان میں جسے وہ لڑکی جانتی تھی کہا: بیٹھ جاؤ۔ آراکہ۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم بھی شاید مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

آراکہ کے حسین چہرہ سے خوشی ٹپکنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے ظاہر ہوا کہ وہ انہیں پہچان گئی ہے۔ اس نے کہا "او وہ، میں نے تمہیں پہچان لیا تم سوداگر ہو۔"

آراکہ قالین پر بیٹھ گئی۔

*

رہائی

ریحان نے دیکھا۔ اُراکہ سرخ و سفید رنگ کی حسین لڑکی تھی۔ وہ اب بھی کوثر کو دیکھ رہی تھی۔ کوثر نے پوچھا ”تم اس نواح میں کیسے آگئیں؟“

اُراکہ نے جواب دیا ”یہاں سے کچھ فاصلہ پر ایک پرانی خانقاہ ہے۔ اس خانقاہ میں روم سے ایک بشپ آکر ٹھہرے ہیں۔ ان کے زہد اور تقدس کی بڑی شہرت ہے۔ مشہور یہ ہے کہ وہ اس زمانہ کے ولی ہیں۔ بطروہ ان کی زیارت کرنے آیا تھا۔ میں بھی چلی آئی“

کوثر ”کیا تمہیں یا بطروہ کو معلوم نہیں تھا کہ مسلمان قریب آگئے ہیں۔“

اُراکہ ”معلوم تھا مگر ہمارے جاسوس نے یہ بتایا تھا کہ مسلمان اپنے کسی لشکر کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ عیسائیوں سے خوف زدہ ہیں۔ اپنے کیمپ سے باہر نہیں نکلتے۔“

اُراکہ اپنی زبان میں گفتگو کر رہی تھی۔ کوثر اس زبان سے واقف تھے۔ وہ عربی میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ ریحان اور یوسف خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔

کوثر نے کہا۔ ”تم بطروہ کے ساتھ آئی تھیں۔ لیکن اس سے الگ کیسے ہوگئیں؟“

اُراکہ ”ہم دونوں بشپ سے مل کر واپس لوٹے۔ بطروہ شکار کھیلنے چلا گیا۔ میں دریا کے کنارے کنارے سیر کرتی ہوئی چل پڑی۔ ایک جگہ منظر اچھا تھا۔ دریا کے کنارے پر سبز گھاس کا فرش تھا۔ پرند فضا میں قلابازیاں کھا رہے تھے۔ پانی پتھروں پر اچھلتا ہوا جا رہا تھا۔ میں وہاں گھوڑے سے اتر گئی۔ میرے ساتھ پانچ سوار تھے۔ وہ بھی گھوڑوں سے اترے۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا۔ کیا تم یہاں کچھ دیر ٹھہرنا چاہتی ہو؟

میں نے کہا ”ہاں“

وہ بولا ”مسلمان یہاں سے قریب ہی فروکش ہیں۔ کہیں ان کا کوئی گروہ یہاں نہ آنکلے۔“

اور چار جو عیسائی تھے انھوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ کہنے لگے۔ عجب ڈرپوک آدمی ہے۔ مسلمانوں کے خوف سے ڈرا مرا جاتا ہے۔ حالانکہ مسلمان ہمارے خوف سے اپنے کیمپ سے باہر ہی نہیں نکلتے“

اس نے کہا۔ ”اس بھروسہ میں نہ رہنا۔ مسلمان ڈرنا جانتے ہی نہیں۔ وہ کسی مصلحت سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔“

چاروں نوجوان ہنسنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا ”مصلحت کیا ہوتی ہے۔ ڈر رہے ہیں۔ آگے بڑھنے کی جرأت نہیں ہوتی“

اس نے کہا۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ ہمارے جرار لشکر کو ان کے تھوڑے سے آدمیوں نے تباہ کر ڈالا ہے“

دوسرا بولا ”وہ اور بات تھی۔ اگر ہم سے کسی مسلمان کا مقابلہ ہو گیا تو تم دیکھو گے کہ کس طرح گڑگڑا کر وہ قدموں میں جھکتا ہے۔“

جو عیسائی مسلمانوں کی بہادری کا قائل تھا۔ اس نے لمبا قہقہہ لگایا اور کہا ”مسلمان اور تمہارے قدموں پر جھک جائے۔ ناممکن ہے۔ تم مسلمانوں سے واقف نہیں ہو۔ وہ ڈرنا اور عاجزی کرنا تو جانتے ہی نہیں۔ جان دے دیتے ہیں۔ مگر عاجزی سے سر نہیں جھکاتے۔“

خود میرا بھی یہی خیال تھا کہ مسلمان بڑا ہی خود دار، نڈر اور بے باک ہوتا ہے۔ ڈر اور خوف سے وہ آشنا ہی نہیں ہوتا اور جو ڈرنا نہیں جانتا وہ عاجزی کر ہی کیا جانے۔ مگر میں چپ تھی اور ان کی باتیں سن رہی تھی۔ مجھے تعجب تھا کہ وہ میرے سامنے کس بے باکی سے ہنس بول رہے تھے۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ انھوں نے شراب پی رکھی تھی اور یہ بات

میں خوب جانتی تھی کہ جب کوئی شراب پی کر بدمست ہو جاتا ہے تو اسے کسی کا پاس و لحاظ باقی نہیں رہتا۔

ابھی یہ لوگ گفتگو کر رہے تھے کہ تین مسلمان نظر آئے۔ جو شخص مسلمانوں کی دلیری کا قائل تھا۔ اس نے کہا۔ لو وہ آگئے مسلمان۔ اب دیکھتا ہے کہ تم کس طرح ان کے سروں کو اپنے قدموں پر جھکاتے ہو؟"

میں نے دیکھا چاروں وہ عیسائی جو تعلّی کر رہے تھے کچھ گھبرا گئے۔ مگر جلدی سے اٹھ کر گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ پانچواں عیسائی بھی تیار ہوا۔ مسلمانوں نے آتے ہی ان پر حملہ کر دیا۔ عیسائی بالکل بھی تو ان کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مسلمانوں نے انہیں نہایت ہی آسانی سے مار ڈالا۔ اس نوجوان (یوسف کی طرف اشارہ کر کے) نے تنہا تین آدمیوں کو مار ڈالا۔ دو کو ان کے دو ساتھیوں نے ٹھکانے لگا دیا۔ میں حیران رہ گئی۔ انہوں نے میرے ساتھ بڑی شرافت کا برتاؤ کیا اور مجھے ساتھ لے کر یہاں چلے آئے"

کوثر نے اس سے پوچھا "اب تمہارا کیا ارادہ ہے"

اراکر: میرا کیا ارادہ ہوتا۔ میں تمہاری قید میں ہوں۔

کوثر: بیشک تم ہماری قیدی ہو۔ مگر تم نے مجھ پر احسان کیا تھا۔

اراکر: لیکن عیسائیوں کا عام طور پر خیال ہے کہ مسلمان کسی احسان کو نہیں مانتے۔

کوثر: تعصب کی وجہ سے ایسا کہتے ہیں۔ مسلمان احسان کو مانتا ہے اور احسان کا بدلہ احسان سے دیتا ہے۔

اراکر: ممکن ہے ایسا ہی ہو۔

کوثر: ہم سب مسلمان اپنے لشکر کے امیر کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ان کی اجازت اور حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں تمہیں اپنے امیر کے سامنے پیش کروں گا اور جو احسان تم نے مجھ پر کیا ہے اسے بھی عرض کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ تمہیں رہا کر دیں گے۔

اراکر: لیکن اگر انہوں نے رہا نہ کیا تب؟

کوثر: تب میں تمہیں یہاں سے غرناطہ لے جاؤں گا اور سلطان سے تمہاری رہائی کی بابت درخواست کروں گا۔

اراکر: فرض کرو کہ سلطان نے بھی رہا نہ کیا تب کیا کرو گے۔

کوثر: مجھے امید نہیں کہ میرا سلطان میری درخواست نامنظور کریں۔

اراکر: — مان لیجیے کہ ایسا ہو جائے تب کیا کرو گے تم۔

کوثر: تب میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گا اور یقین کرو کہ سلطان میری یہ درخواست ضرور منظور کر لیں گے۔

کوثر اٹھے اور کچھ پھل لے آئے انہوں نے اراکر سے کہا "عصر کی نماز ہو چکی ہے۔ اب دن چھپنے والا ہے۔ جب میں مغرب کی نماز پڑھنے جاؤں گا تب امیر سے تمہارا ذکر کروں گا۔ اتنے میں تم یہ پھل کھاؤ"

اراکر نے بے تکلفی سے پھل کھانے شروع کر دیے۔ پھل کھا کر اس نے رومال سے ہاتھ اور منہ صاف کر لیے۔ پانی سے بہت کم وہ منہ ہاتھ دھوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں عیسائی پانی سے منہ ہاتھ دھونا اس لیے پسند نہ کرتے تھے کہ مسلمان پانچ وقت ایک دن میں وضو کرتے تھے۔

تھوڑی ہی دیر میں مغرب کی اذان ہوئی۔ ریحان، کوثر، یوسف مع اپنے سپاہیوں کے اس بڑے میدان میں نماز پڑھنے گئے۔ جو نماز کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا اور جس میں تمام مسلمان جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔

نماز سے فارغ ہو کر کوثر نے اراکر کی گرفتاری اور اس کے احسان کا ذکر امیر شیخ الغزاۃ سے کیا۔ امیر نے کہا۔ صبح کو اس لڑکی کو ہمارے سامنے پیش کرو۔

کوثر اور ریحان وغیرہ اپنے خیموں پر آگئے۔ ریحان نے ایک خیمہ اراکر کے لیے خالی کرا دیا۔ اور اس خیمہ میں آرام کا سب سامان —— اراکر کی شایان شان لگوا دیا۔ اراکر اس خیمہ میں چلی گئی۔ رات کو اس کے لیے کھانا بھیجا گیا۔

اراکر نے یہ بات دیکھی کہ مسلمان بڑے ہی اللہ والے ہیں۔ جس وقت اذان ہوتی

ہے تو سب نماز کے لیے دوڑ پڑتے ہیں۔ اگرچہ سردی کا زمانہ تھا اور پانی وضو کے لیے ٹھنڈا [illegible] تھا۔ لیکن ہر مسلمان ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے نماز پڑھتا تھا۔ اسلامی لشکر میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آیا جو وقت پر جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھتا ہو۔

دوسرے روز صبح کو جب سورج نکل آیا تب کوثر اراکر کو ساتھ لے کر امیر کی خدمت میں گئے۔ امیر نے شہزادی کی بڑی عزت افزائی کی۔ اس کو مسند پر بٹھایا اور خود ایک طرف بیٹھ گئے۔ انھوں نے کہا: "یہ زمانہ جنگ کا زمانہ ہے۔ تمہیں یوسف نے تمہارے ہمراہیوں کو قتل کر کے گرفتار کیا ہے۔ لیکن تم نے کوثر پر احسان کیا تھا۔ اس احسان کے صلہ میں ہم تمہاری جان بخشی کر دیں گے۔ مگر تمہیں زرِ فدیہ دینا ہوگا۔

اراکر: میرے پاس نقدی کچھ نہیں ہے۔ البتہ چند زیورات ہیں۔ یہ آپ لے سکتے ہیں۔

اس وقت یوسف بھی وہاں آگئے اور ایک طرف بیٹھ گئے۔ کوثر نے کہا: "زرِ فدیہ کیا ہوگا؟"

شیخ الغزاۃ: یہ شہزادی ہیں۔ ولی عہد کی بیوی ہیں۔ ان کا زرِ فدیہ پانچ ہزار زرِ سرخ مقرر کیا جاتا ہے۔

کوثر کے پاس اتنی رقم نہیں تھی اور شہزادی کے زیورات اتنی مالیت کے نہ تھے۔ یوسف نے کہا: اراکر کا زرِ فدیہ میں ادا کر دوں گا۔ مجھے امیر نے ایک عیسائی افسر کا تمام زیور اس کے مارنے کی وجہ سے عطا کیا ہے۔ میرا خیال ہے وہ اتنی مالیت کا ہے۔ میں وہ زیورات پیش کرتا ہوں۔

چنانچہ یوسف گئے اور زیورات لے آئے۔ امیر شیخ الغزاۃ نے اس زیور کو جنچوایا۔ اس کی قیمت پانچ ہزار دینار سے زیادہ آنکی گئی۔ یوسف نے وہ زیور امیر کے حوالے کر دیا۔ اور اراکر کی رہائی کا حکم دے دیا۔

یوسف اسے اپنے ساتھ لے گئے اور اس کا گھوڑا حوالے کر دیا۔ اراکر نے کہا: تم

عجیب آدمی ہو۔ جب تم نے مجھے گرفتار کیا تھا تو میں نے تم سے رہائی کی درخواست کی تھی۔ مگر تم نے منظور نہیں کی اور اس وقت میرا زرِ فدیہ دے کر رہا کرا دیا۔

یوسف: میں نے تمہیں گرفتار کیا تھا۔ فوجی آئین کے مطابق میں تمہیں خود رہا نہیں کر سکتا تھا۔ امیر ہی رہا کر سکتے تھے۔ امیر نے زرِ فدیہ طلب کیا۔ تمہارے پاس تھا نہیں۔ میرے پاس تھا میں نے ادا کر دیا۔

اراکر: میں تمہاری بہت زیادہ شکر گزار ہوں اگر کوئی موقع آیا تو میں اس کا بدلہ چکاؤں گی۔

یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہوئی اور روانہ ہو گئی۔

٭

دوسری فتح

اراگلہ کی روانگی کے دوسرے روز مسلمانوں نے کیوساڈا کی طرف کوچ کر دیا۔ جب سے مسلمانوں نے پانچ ہزار عیسائیوں کو شکست فاش دی تھی۔ اس وقت سے عیسائیوں پر مسلمانوں کی کچھ ہیبت سی طاری ہو گئی تھی۔ مگر جب وہ یہ سوچتے کہ مسلمانوں نے ان کے ساڑھے چار ہزار ہمراہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ انہیں غصہ بھی آتا اور جوش بھی۔ لیکن جب وہ یہ خیال کرتے کہ تھوڑے سے مسلمانوں نے ان کے ساتھیوں کی بھاری تعداد مار ڈالی تو ان کا غصہ اور جوش سرد پڑ جاتے اور خوف چھا جاتا۔

عیسائیوں کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ مسلمانوں نے پیش قدمی شروع کر دی ہے۔

بطروہ کی بیوی جا اراگلہ کے پاس پہنچ گئی تھی۔ اس نے بطروہ سے اپنی رہائی کے تمام حالات سنا کر اسے ترغیب دی کہ وہ مسلمانوں سے صلح کر لے لیکن بطروہ نہ مانا اور کہا۔ "تم دیکھو گی کہ میں غرناطہ پر بہت جلد قبضہ کر لوں گا۔"

اراگلہ نے کہا۔ "انہوں نے میرے ساتھ احسان کیا ہے۔ ایک مسلمان نے میرا زر فدیہ دے دیا اور مجھے رہا کر دیا۔ ان کے احسان کا بدلہ یہی ہو سکتا ہے کہ آپ ان سے صلح کر کے دوستی کر لیں۔"

بطروہ نے لمبا قہقہہ لگا کر کہا۔ "تم اپنی رہائی احسان سمجھ رہی ہو۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ انہوں نے میرے خوف کی وجہ سے تمہیں رہا کیا ہے۔ میں بھی ان پر یہ احسان کروں گا کہ اگر مسلمانوں کا امیر اور وہ شخص جس نے تمہارا زر فدیہ ادا کیا ہے گرفتار ہو کر میرے

پیش ہوئے تو میں ان دونوں کو رہا کر دوں گا۔"

اراگلہ چپ ہو گئی۔ بطروہ نے ایک مشہور سپہ سالار کو سات ہزار فوج دے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بھیجا اور خود کیوساڈا کی طرف لوٹ گیا۔ مسلمانوں کو اس لشکر کے آنے کی اطلاع ہو گئی۔ امیر لشکر شیخ الغزاۃ نے تمام لشکر ایک جگہ جمع کر کے اس کی تقسیم ہراول، قلب اور ساقہ میں کر دی۔ ہراول پر ابوالجیوش کو افسر مقرر کیا اور ساقہ پر ریحان کو، خود قلب میں رہے۔ اپنے ساتھ کوثر اور یوسف کو بھی رکھا۔

ایک روز ابوالجیوش عیسائی لشکر کے قریب پہنچ گئے۔ چونکہ کوثر اور ریحان نے جو یہ معلوم کرنے گئے تھے کہ آنے والا لشکر کس کا ہے اور انہوں نے عیسائیوں پر حملہ کر دیا تھا۔ اس لیے ابوالجیوش نے بھی اس عیسائی لشکر پر حملہ کر دیا۔

عیسائی اس اسلامی لشکر کو آتا ہوا دیکھ کر مسلح ہو گئے تھے۔ ان کا ارادہ خود ہی حملہ کرنے کا تھا۔ مگر جب مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا تو انہیں بڑا غصہ آیا۔ انہوں نے مسلمانوں کا حملہ روک کر خود بھی نہایت سختی سے حملہ کیا۔

مسلمان عیسائیوں پر اور عیسائی مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ تلواریں میانوں سے نکل آئیں اور بجلی کی طرح چمک کر انسانی سروں کی طرف بڑھیں۔ جنگ شروع ہو گئی۔ تلواریں کاٹ کرنے لگیں۔ تنوں سے سر کٹ کٹ کر اچھلنے لگے خون کی بارش ہونے لگی۔

لڑائی نہایت معمولی حالت سے شروع ہوئی۔ لیکن جلد ہی پھیل کر بڑی خوفناک صورت اختیار کر گئی۔ ٹھیک اس طرح جیسے آگ سلگتے وقت پہلے چنگاری چمکے اور پھر شعلے بلند ہونے لگیں۔

دراصل لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کی کئی صفیں توڑ ڈالی تھیں۔ عیسائی بھی کئی صفوں میں گھس گئے تھے۔ موت کی گرم بازاری ہو گئی تھی۔ فریقین کے جانباز اور جیالے سر کٹنے اور مرنے لگے تھے۔

لیکن عیسائی کثرت سے مر رہے تھے۔ جس بھاری تعداد میں وہ تھے اسی تعداد میں وہ قتل ہو رہے تھے۔ مسلمان کوئی کوئی ہی شہید ہو جاتا تھا۔ وہ مرنے سے پہلے دو چار

عیسائیوں کو مار کر مرتا تھا۔

عیسائی چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں۔ ایک سرے سے سب کو قتل کر ڈالیں۔ ان کی یہ جرأت اس لیے ہوئی تھی کہ مسلمان بہت ہی کم تھے یعنی صرف ایک ہزار، وہ سات ہزار تھے۔ گھوڑے دوڑا کر مسلمانوں کو کچل ڈالنا چاہتے تھے۔

لیکن مسلمان جیسے لوہے کے بن گئے تھے اور خود زور سے حملے کر کے ان کی ڈھالیں پھاڑ دیتے تھے۔ زرہیں کاٹ دیتے تھے اور انھیں یا تو زخمی کر دیتے تھے۔ یا مار ڈالتے تھے۔

جو عیسائی زخمی ہوتے تھے۔ وہ بُری طرح چلانے اور مسلمانوں کو گالیاں دینے لگتے تھے اور کچھ ایسے ڈر جاتے تھے کہ پھر مسلمانوں کے مقابلے میں نہ آتے تھے

لیکن جو مسلمان زخمی ہوتے تھے۔ جوش و غضب سے ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی اور وہ اور بھی پھرتی اور قوت سے حملے کر کے عیسائیوں کی لاشوں پر لاشیں بچھا دیتے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر عیسائیوں کو بڑا جوش آیا اور وہ نہایت سختی سے حملہ آور ہوئے۔ وہ جھپٹ کر مسلمانوں کے چاروں طرف چھا گئے اور ہر طرف سے ان پر تلواروں کا مینہ برسا دیا۔ ابوالجیوش نے للکار کر مسلمانوں کو جوش دلایا۔ مسلمان غضبناک شیروں کی طرح بپھر گئے اور چاروں طرف پھیل کر نہایت پھرتی سے حملے کرنے لگے۔

اس وقت جنگ کا زور اور بھی بڑھ گیا۔ تلواریں اور بھی پھرتی سے چلنے لگیں۔ جانباز کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ خون کا دریا بہنے لگا۔

عیسائیوں کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کو چاروں طرف سے نرغہ میں لے کر انھیں ختم کر ڈالیں گے۔ لیکن مسلمانوں نے موت کی لڑائی شروع کر دی۔ نہایت بے خوفی سے لڑنے لگے۔ انھوں نے عیسائیوں کو قتل کر کے اپنے گرد ان کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیے۔

ابھی جنگ بڑی شد و مد کی تھی کہ اللہ اکبر کے پر شور نعرہ کی آواز آئی۔ یہ آواز شیخ الغزاۃ کے لشکر کی تھی۔ انھوں نے دور ہی سے جنگ ہوتے دیکھ لی تھی۔ وہ گھوڑے

دوڑا کر آئے اور آتے ہی نہایت سختی سے حملہ آور ہوئے۔ ان کی تلواروں نے عیسائیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ خون کے فوارے اُبلنے لگے۔ ہاتھ اور سر کٹ کٹ کر اچھلنے لگے۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں۔ عیسائیوں کا صفایا ہوتا چلا گیا۔

عیسائیوں نے سنبھلنا اور مقابلہ کرنا چاہا۔ مگر جس طرف شیخ الغزاۃ حملہ آور ہوئے تھے۔ اس طرف کے عیسائیوں سے سنبھلا نہ گیا وہ پسپا ہونے لگے۔ دوسری طرف ابوالجیوش کے ہمراہی تھے۔ انھوں نے اور بھی پھرتی اور سختی سے حملے کرنے شروع کیے اور عیسائیوں کو تلواروں کی باڑھوں پر رکھ لیا۔ اس طرح اس طرف کے عیسائی دو پاٹوں کے بیچ آ کر پس گئے۔ ایک عیسائی بھی باقی نہ رہا۔ سب مارے گئے اور عیسائیوں کے درمیان سے ہٹتے ہی شیخ الغزاۃ کے ہمراہی ابوالجیوش کے ساتھیوں سے مل گئے اور ان دونوں کے دلیر مجاہدوں نے مل کر باقی عیسائی لشکر پر بڑے زور سے حملہ کیا۔

عیسائیوں نے ان کا حملہ روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ نہایت قوت اور جانبازی سے مقابلہ کیا۔ بڑی جرأت اور استقلال سے لڑائی شروع کی۔ لیکن مسلمانوں کے سیلاب کو نہ روک سکے۔

مسلمانوں نے انھیں اس طرح قتل کرنا شروع کر دیا۔ جیسے وہ ذبح کے جانور ہوں گھاس پھوس کی طرح کاٹ ڈالا۔ جس طرف حملہ کیا۔ لاشوں کے ڈھیر لگا دیے۔ خون کے دریا بہا دیے۔ گویا انھوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ ایک عیسائی کو بھی زندہ نہ رہنے دیں گے۔

عیسائی یہ دیکھ کر گھبرا گئے۔ وہ پسپا ہوئے۔ مسلمانوں نے ان کے پیچھے دوڑ کر انھیں اور بھی پھرتی سے قتل کرنا شروع کر دیا۔ جب عیسائیوں نے دیکھا کہ مسلمان جنون کی طرح انھیں قتل کرتے ان کے پیچھے چلے آ رہے ہیں اور بھاگنے سے بھی جاں بخشی دشوار ہے۔ تو انھوں نے ہتھیار پھینک پھینک کر امان، امان چلانا شروع کر دیا۔

جب کوئی شخص امان مانگتا تھا۔ تو مسلمان کی تلوار اس پر نہ اٹھتی تھی چنانچہ جو

لوگ امان چاہتے تھے۔ مسلمان انہیں گرفتار کر لیتے تھے۔ غرض سات ہزار عیسائیوں میں سے ایک ہزار تو بھاگ گئے اور پانچ سو گرفتار ہوئے۔ باقی سب مارے گئے۔ مسلمانوں کو یہ دوسری شاندار فتح حاصل ہوئی۔

(۱۵)

تحفہ

عیسائیوں کے لشکر کے ساتھ بڑا ساز و سامان ہوتا تھا۔ چنانچہ اس لشکر کے ساتھ بہت کچھ سامان تھا۔ وہ سب مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ بیشمار خیمے، آلات جنگ، مقتول عیسائیوں کے گھوڑے، زرہ بکتریں، سونے اور چاندی کے جوشن، گھوڑوں کے ساز، روپے اور اشرفیاں، غلہ، بھیڑیں اور بکریاں مسلمانوں کو یہ چیزیں مال غنیمت میں ملیں۔

شیخ الغزاۃ نے پانچواں حصہ علیحدہ نکال کر باقی سب مجاہدوں میں تقسیم کر دیا۔ جو لوگ شہید ہو گئے تھے، ان کا حصہ ان کے وارثوں کے لیے الگ کر دیا۔ شہیدوں کی تجہیز و تکفین بڑے احترام سے کی گئی۔ مسلمان سترہ شہید ہوئے تھے۔ عیسائیوں کی لاشیں بے گور و کفن پڑی رہ گئیں۔

جو عیسائی گرفتار ہوئے تھے شیخ الغزاۃ نے چاہا کہ وہ گڑھے کھود کر مقتول عیسائیوں کی لاشیں دفن کر دیں، لیکن عیسائی قیدی رضامند [illegible] پر یہ کام کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ شیخ الغزاۃ نے انہیں مجبور کرنا مناسب نہ سمجھا۔ جو عیسائی بھاگ گئے تھے، انہیں یہ توفیق نہ ہوئی کہ عارضی صلح کر کے اپنے مردوں کو دفن کر دیتے۔ اس لیے عیسائیوں کی لاشوں کا انتظام نہ ہو سکا۔

شیخ الغزاۃ نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ اور قیدی، فتح کی خوشخبری کے ساتھ سلطان کی خدمت میں ریحان کے ہمراہ روانہ کر دیے۔

ریحان اپنے سو ہمراہیوں کو ساتھ لے کر چلے۔ مسلمانوں کی آنکھیں اس جنگ کی [illegible]

لگی ہوئی تھیں۔ اس زمانہ میں نہ اخبارات تھے نہ تار۔ ٹیلیفون لوگوں کو بہت دیر میں جا کر واقعات معلوم ہوتے تھے۔ لیکن اس زمانے کے مسلمان کوئی خبر بغیر تصدیق کیے کسی سے نہ کہتے تھے۔ اس لیے غلط خبریں مشہور نہ ہوتی تھیں اور غلط خبروں سے جو پریشانی لاحق ہو جاتی تھی۔ اس سے مسلمان کا سابقہ نہ پڑتا تھا۔

ریحان جن بستیوں میں سے ہو کر گزرے ان کے ہمراہیوں نے وہاں کے لوگوں کو جنگ کے حالات سنائے۔ مسلمان دونوں فتوحات کی خبریں سن کر بہت خوش ہوئے اور جب انہوں نے قیدیوں کو دیکھا تو جوش و غضب سے سرخ ہو گئے۔ کیونکہ یہ وہ عیسائی تھے یا ان عیسائیوں کے بھائی تھے جنہوں نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم کیے تھے۔ بڑی بے رحمی سے عورتوں اور بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ بعض مسلمانوں نے ان قیدیوں سے کہہ دیا کہ اس وقت تم مجبور ہو قید ہو، بے دست و پا ہو۔ اگر اسلام مجبوروں کو بھی قتل کرنے کی اجازت دے دیتا تو ہم تمہیں ضرور مار ڈالتے۔ عیسائی ڈر گئے تھے کہ کہیں انہیں مار نہ ڈالا جائے۔ لیکن ریحان نے انہیں اطمینان دلایا کہ مسلمان قیدیوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ عیسائیوں نے بھی یہ دیکھ لیا کہ اگرچہ مسلمان انہیں غضبناک نگاہوں سے گھورتے ہیں۔ لیکن ان پر حملہ نہیں کرتے۔ اس لیے وہ مطمئن ہو گئے تھے۔

ریحان جب ان قیدیوں کو لے کر غرناطہ میں داخل ہوئے تو سفید پوش مسلمانوں کا جم غفیر ان کا استقبال کرنے اور قیدیوں کو دیکھنے کے لیے امنڈ آیا۔ وہ بھی غضب اور غصّہ کی نظروں سے عیسائی قیدیوں کو دیکھ رہے تھے لیکن انہیں یہ اطمینان تھا کہ اگر مسلمان ان پر حملہ کر دیں گے تو ریحان ان کی حمایت کر کے انہیں ان کے ہاتھوں بچا لیں گے۔

ریحان نے اپنے آنے کی اطلاع پہلے ہی بھیج دی تھی۔ اس لیے جب وہ دارالامارت کے قریب پہنچے تو وزیر جنگ ـــــ اور دوسرے معزز لوگ ان کے استقبال کے لیے وہاں موجود ملے۔ انہوں نے ریحان کا بڑا پرتپاک خیر مقدم کیا اور انہیں سلطان کے حضور میں لے گئے۔

سلطان قصر میں شاہی پوشاک پہنے تخت پر رونق افروز تھے۔ ریحان نے ان کے قریب

جا کر اسلامی طریقہ پر سلام کرتے ہوئے کہا۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، یا امیرالمومنین۔

سلطان نے مسکرا کر جواب دیا "وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ، اے مجاہد اسلام۔"

ریحان نے آگے بڑھ کر بڑے ادب سے وہ نامۂ فتح پیش کیا۔ جو شیخ الغزاۃ نے انہیں دیا تھا۔ سلطان نے نامہ وزیر اعظم کی طرف بڑھا دیا۔ وزیر اعظم نے پڑھ کر سنایا۔ اس نامہ میں جنگ کے مفصل حالات لکھے تھے۔ جب وزیر اعظم نے پڑھا: اس جنگ میں دشمن کے تقریباً ساڑھے پانچ ہزار آدمی کام آئے تو سلطان کا چہرہ چمک اٹھا۔ انہوں نے کہا۔ "اللہ اکبر۔ یہ اس کی قدرت ہے جو ضعیفوں کو طاقتور اور قوت والوں کو ناتواں بنا دیتا ہے۔ اس نے مسلمانوں کی مدد کی، اسلام کی عزت رکھ لی۔ اس کا شکر ہے۔ احسان ہے۔"

مگر جب وزیر اعظم نے پڑھا۔ اس معرکہ میں تریسٹھ مسلمان شہید ہوئے۔ تو سلطان کے چہرے سے غم و افسوس کے آثار ظاہر ہوئے۔ انہوں نے فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ ان شیر دل مجاہدوں کی مغفرت کرے۔"

نامہ فتح پڑھنے کے بعد ریحان نے قیدی اور مال غنیمت پیش کیے۔ سلطان نے انہیں ملاحظہ فرمایا۔ قیدیوں کو جیل خانہ کا حکم دیا اور مال غنیمت وزیر خزانہ کے سپرد کر دیا۔

اب سلطان نے ریحان کے لیے خلعت منگوایا۔ خلعت نہایت فاخرہ تھا۔ اس کے ساتھ ایک گھوڑا تھا جس کا ساز و سامان قیمتی تھا اور ایک تلوار تھی جس کا دستہ جواہرات سے مرصع تھا۔ یہ سب چیزیں ریحان کو عطا کی گئیں۔ ریحان نے بڑے خلوص سے سلطان کا شکریہ ادا کیا۔ سلطان نے ان کا منصب بڑھا کر پانچ سو سواروں پر افسر مقرر کر دیا۔ ریحان نے پھر سلطان کا شکریہ ادا کیا۔

اب ریحان وہاں سے لوٹ آئے اور اپنے مکان پر پہنچے۔ شیخ یعقوب کو ان کے منصب بڑھ جانے اور خلعت عطا کیے جانے کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی انہوں نے

بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔ انہیں دعائیں دیں اور ان کے کارناموں کو سراہا۔

اس سے اگلے روز حسانہ ریحان کے پاس آئی اور بولی۔ "میرے لیے کیا تحفہ لائے ہو بھائی جان؟"

ریحان: "میں تمہارے لیے یہ گلوبند لایا ہوں۔"

ریحان نے گلوبند حسانہ کو دیا۔ نہایت خوبصورت گلوبند تھا۔ سونے کا تھا جس میں قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ حسانہ کو پسند آیا۔ اس نے کہا، "شکریہ۔ یہ گلوبند کہاں سے ملا تمہیں؟"

ریحان: ایک عیسائی افسر پہنے ہوئے تھا۔ میں نے اسے مار ڈالا۔ شیخ الغزاۃ نے اس کا تمام سامان مجھے عطا کر دیا۔ یہ گلوبند بھی مجھے ملا۔

حسانہ نے مسکرا کر کہا۔ "یہ اللہ کے عیسائی عورتوں کے زیورات کیوں پہنے پھرا کرتے ہیں؟"

ریحان: اپنی شان و شوکت دکھانے کے لیے۔

حسانہ: اسی لیے عورتوں کی ان میں خوبو آ گئی ہے۔

ریحان: ہو تو تم شاعرہ، لیکن کبھی کبھی پتہ کی بھی بات کہہ جاتی ہو۔

حسانہ: شاعروں کو الہام ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ ٹھیک ہی بات کہتے ہیں تمہاری طرح نہیں کہ۔

"اوہ خفا ہو گئیں تم۔" ریحان نے مسکرا کر کہا۔ پھر بولے۔ "دیکھو میں مجاہد ہوں۔ مجھے مال غنیمت میں سے حصہ ملا ہے۔ سلطان نے خلعت عطا فرمایا ہے۔ تم شاعرہ ہو تمہیں کیا ملا؟"

حسانہ: تمہارا مال غنیمت، تمہارا خلعت میرے ایک شعر کی قیمت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

ریحان ہنس پڑے۔ حسانہ بھی ہنستی ہوئی چلی گئی۔ اس نے گلوبند پہنا اور نزہون کے پاس پہنچی۔ نزہون نے کہا، "یہ گلوبند کہاں سے آیا؟"

حسانہ نے شوخ نظروں سے پری رو کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے انہوں نے دیا ہے۔"

نزہون سمجھ تو گئی کہ وہ کن کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ لیکن اس نے انجان بن کر پوچھا۔ "کس نے؟"

حسانہ: وہ جو کل آئے ہیں۔ جن کی باتیں تم کھود کھود کر پوچھا کرتی ہو۔

نزہون: بہت شریر ہو گئی ہو حسانہ

حسانہ: اب سچ بات کہہ دی تو شریر ہو گئی ہوں۔ چلو میرے ساتھ تمہیں بھی دلاؤں ایسا ہی کوئی زیور۔

نزہون۔ تم ضرور مار کھاؤ گی۔

حسانہ: بھابی بننے والی ہو، مار بھی دو گی تو کیا شکوہ۔

نزہون: کس قدر زبان چلنے لگی ہے تمہاری۔

اس وقت سامنے سے ریحان نظر آئے۔ حسانہ نے کہا، "لو وہ آ رہے ہیں۔ کہیں تو کہوں ان سے تمہارے زیور کو۔"

نزہون: کیوں گھبراتی ہو۔ ایسا بدلہ لوں گی کہ یاد کرو گی۔

اب ریحان ان دونوں کے قریب آ گئے۔ حسانہ نے کہا۔ "بھائی جان، تم نزہون کے لیے کیا لائے ہو؟"

ریحان نے رومال کھول کر موتیوں کا ہار نکالا اور حسانہ کی طرف بڑھا کر کہا۔ "لو یہ ہے دو انہیں۔"

حسانہ نے ہار لیا۔ بڑا خوبصورت اور چمکدار تھا۔ اس نے جلدی سے نزہون کی گردن میں ڈال دیا۔ نزہون شرم کی گڑیا بن کر رہ گئی۔ حسانہ نے کہا۔ ... "کتنا اچھا معلوم ہوتا ہے تمہارے گلے میں یہ ہار۔"

واقعی ہار سے اس کی صورت جگمگانے لگی۔ ریحان نے ایک نظر دیکھا اور نگاہیں جھکا کر چلے گئے۔ نزہون انہیں نیچی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ حسانہ نے کہا، "کچھ کہنا چاہتی ہو۔"

بلاؤں انھیں شاید شکریہ ادا کرو گی ان کا۔"

نزہون! چپ نہیں رہے گی شریر۔

حمانہ ہنس پڑی۔ نزہون بھی مسکرانے لگی۔

ریحان دو روز غرناطہ میں اور ٹھہرے اور تیسرے روز وہاں سے میدان کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۷)

قلعہ پر یورش

ریحان واپس لشکر میں پہنچ گئے۔ سلطان نے شیخ الغزاۃ کے پاس شکریہ نامہ بھیجا تھا اس میں شیخ الغزاۃ کا، ابوالجیوش کا، ریحان کا، کوثر کا، یوسف کا، اخطل کا اور تمام دوسرے افسروں اور تمام مجاہدین کا شکریہ ادا کیا تھا اور انھیں یہ ہدایت کی تھی کہ وہ تمام اس علاقہ کو عیسائیوں سے چھین لیں، جس پر انھوں نے قبضہ کر لیا ہے۔

شیخ الغزاۃ نے تمام افسروں اور سپاہیوں کی موجودگی میں یہ سلطانی فرمان پڑھا۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے یہ عزم مصمم کر لیا کہ عیسائیوں سے اسلامی علاقہ کی ایک ایک انچ زمین واپس لے کر رہیں گے۔

چنانچہ اسلامی لشکر نے بڑے جوش اور ارادے کے ساتھ کیوساڈا کی طرف کوچ کیا۔

بطروہ کو اس دوسری شکست کا بھی حال معلوم ہو گیا۔ اسے مسلمانوں پر بڑا غصہ آیا۔

اس وقت بطروہ کیوساڈا میں تھا۔ ارا کر بھی اس کے ساتھ تھی۔

ارا کر نے بطروہ سے کہا۔ "دو لڑائیوں میں ہماری فوج کو شکست ہو چکی ہے۔ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ ہمارے سپاہیوں پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہو گئی ہے۔ اچھا یہ ہے کہ سلطان غرناطہ سے صلح کر لی جائے۔ اگر آپ کہیں تو میں اس خدمت کو انجام دے سکتی ہوں۔"

بطروہ نے نہایت ہی برہمی نظروں سے ارا کر کو دیکھا اور کہا۔ "مجھے تم کیا بزدلانہ مشورہ دے رہی ہو۔ مسلمان کی قوت ختم ہو چکی ہے۔ غرناطہ کے بادشاہ میں اس قدر طاقت نہیں ہے کہ وہ میرا مقابلہ کر سکے۔ میں نے پہلے بھی تم سے کہا ہے اور اب پھر کہتا ہوں کہ

میں بہت جلد غرناطہ کو قبضہ کروں گا۔ اس غرناطہ کو جسے مسلمانوں نے واقعی بہشت بنا رکھا ہے۔

ارکو: مگر مجھے آثار کچھ اچھے نہیں نظر آتے۔

بطروہ: اس کا فکر نہ کرو۔ مسلمانوں کو دو معرکوں میں فتح حاصل ہو گئی۔ اب انہیں شکست ہونی شروع ہو جائے گی اور وہ یہاں سے سیدھے غرناطہ میں جا کر دم لیں گے۔

بطروہ نے کہنے کو یہ کہہ تو دیا۔ مگر اسے کیوساڈا میں ٹھہرے رہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ دراصل ارکو کا ضمیر اسے آگاہ کر رہا تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ آسان نہیں ہے۔ تو نے سوتے شیروں کو جگا کر اپنے سر بلا مول لے لی ہے۔ وہ کیوساڈا میں پانچ ہزار سپاہ چھوڑ کر قسطلہ کی طرف چلا گیا۔ جو افسر اس نے کیوساڈا میں چھوڑا اسے یہ لالچ دیا کہ اگر تم نے مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دیا تو اس شہر کی حکومت تمہیں ہی دے دی جائے گی۔

بطروہ کو کیوساڈا سے روانہ ہوئے ابھی تین چار روز ہی ہوئے تھے کہ شیخ الغزاۃ شیران اسلام کو لے کر آ پہنچے۔ عیسائیوں کو یہ جرأت نہیں ہوئی۔ وہ قلعہ سے باہر نکل کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے۔ وہ قلعہ بند ہو گئے۔ شیخ الغزاۃ نے ایک روز تو عیسائیوں کے قلعہ سے باہر نکلنے کا انتظار کیا۔ مگر جب وہ فصیل پر ہی چڑھے رہے باہر نہ نکلے تو انہوں نے دوسرے روز ہی قلعہ کا اس طرح محاصرہ کر لیا کہ خود جنوب کی طرف رہے۔ شمال کی طرف ابو الجیوش کو مقرر کیا۔ مشرق میں ریحان کو اور مغرب میں کوثر، یوسف اور کئی افسروں کو متعین کر دیا۔

کئی روز تک مسلمانوں نے دھاوے کئے۔ لیکن عیسائیوں نے انہیں فصیل کے پاس تک نہ پھٹکنے دیا۔ ان حملوں میں مسلمانوں کا زیادہ نقصان ہوا۔ بہت سے آدمی زخمی ہو گئے۔ جب مسلمان حملہ کرتے۔ عیسائی فصیل کے اوپر سے تیروں، حربوں اور پتھروں کا مینہ برسا دیتے۔ اگرچہ مسلمان ان سے بچنے کی کوشش کرتے۔ انہیں ڈھالوں پر روکتے۔ لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ

لوگ زخمی ہو ہی جاتے۔

ایک روز شیخ الغزاۃ نے تمام افسروں کو اپنے پاس بلا کر کہا۔ دلیرو! یہ کیا سستی ہے آخر کب تک محاصرہ کئے پڑے رہو گے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ سلطان خود اس قلعہ کو فتح کرنے کے لیے آئیں؟ کل صبح کی نماز پڑھ کر حملہ کرو۔ یکجہتی، جوش اور پوری قوت سے حملہ کرو اور جب تک قلعہ فتح نہ کر لو، واپس نہ لوٹو۔

شیخ الغزاۃ کی تقریر سن کر تمام ہوئے انہوں نے تہیہ کر لیا کہ پوری طاقت سے حملہ کریں گے۔ چنانچہ اس روز صبح کی نماز پڑھتے ہی مسلمانوں نے مسلح ہو کر حملہ شروع کیا۔ چاروں طرف قلعہ پر ایک ساتھ حملہ کیا گیا۔

عیسائیوں نے حسب معمول مدافعت شروع کی۔ جب تک مسلمان قلعہ سے فاصلہ پر رہے اس وقت تک وہ خاموش کھڑے دیکھتے رہے۔ اس لیے پہلے بھی مسلمان کئی مرتبہ حملے کر چکے تھے اور انہوں نے انہیں پسپا کر دیا تھا۔ اب بھی وہ مستعد ہو گئے تھے۔ چنانچہ جب مسلمان قلعہ کے قریب پہنچے تو انہوں نے شور کر کے تیروں کی بارش شروع کی اور پتھر پھینکنے کے لیے منجنیقیں درست کریں۔

مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا اور ڈھالوں کے سائے میں بڑی جرأت اور استقلال سے آگے بڑھنا شروع کیا۔ جوں جوں وہ بڑھتے تھے عیسائی گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا چلا کر اور بھی پھرتی اور کثرت سے تیر برسانے لگتے تھے۔ اب انہوں نے منجنیقوں سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔ ان بھاری کلوں سے وزنی پتھر پھینکنے لگے تھے۔

مسلمان ڈھالوں پر تیروں اور پتھروں کو روک کر قدم قدم بڑھ رہے تھے۔ ان کے تیور کہہ رہے تھے کہ وہ آج کچھ اور ہی ارادہ کر چکے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی مسلمان کسی تیر یا تلوار سے زخمی بھی ہو جاتا تھا۔ جو لوگ معمولی طور پر زخمی ہو جاتے تھے وہ تو اپنے زخموں کی پرواہ بھی نہ کرتے تھے۔ لیکن جو شدید زخمی ہو جاتے تھے۔ وہ وہاں سے ہٹا کر کیمپ میں پہنچا دیے جاتے تھے اور وہاں ان کا علاج شروع ہو جاتا۔

ابھی کسی طرف سے بھی مسلمانوں نے اپنے حربے شروع نہیں کیے تھے اور وہ دونوں

ہاتھوں میں ڈھالیں اٹھائے بڑھ رہے تھے۔ چونکہ عیسائی کثرت سے تیر اور پتھر برسا رہے تھے۔ اس لیے مسلمان رک رک کر قدم قدم بڑھ رہے تھے۔ دوپہر تک وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے۔ جہاں سے خود بھی تیر برسا سکیں۔ چنانچہ شیخ الغزاۃ ابوالجیوش اور کوثر کے ہمراہیوں نے تیروں کی باڑیں ماریں۔ ان تیروں سے ان عیسائیوں کو جو فصیل کے کنارے پر کھڑے تھے۔ کچھ نقصان پہنچا۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئے اور انہوں نے منجنیقوں سے بھاری بھاری پتھر پھینکنے شروع کئے۔ اس سے مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی۔

ریحان نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا۔ شیرانِ اسلام قلعہ کے اندر وہ آدمی ہیں۔ جنہوں نے تمہارے بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ معصوم بچوں کو مار ڈالا ہے۔ پردہ میں خاتونوں کو بے نقاب کیا ہے۔ اب وہ تمہارے سامنے ہیں۔ پر زور حملہ کرو اور فصیل کو توڑ ڈالو۔

انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ تمام مسلمانوں نے اس نعرہ کی تکرار کی اور جوش میں آکر بڑھے۔ جب وہ فصیل کے پاس پہنچے تو عیسائیوں نے ان پر اس کثرت سے تیر اور پتھر برسائے کہ انہیں آگے بڑھنا دشوار ہو گیا۔ مگر ریحان بڑھتے رہے۔ پتھروں اور تیروں کو ڈھال پر روکتے رہے۔ ان کے ساتھی پیچھے رہ گئے تھے۔ انہیں بڑی غیرت آئی۔ وہ بھی بڑھے۔ اگرچہ عیسائیوں نے بڑا شور مچایا۔ خوب گلے پھاڑ پھاڑ کر چلائے۔ تیروں اور پتھروں اور حربوں کی بارش کر دی۔ بہت سے مسلمان زخمی بھی ہوئے۔ لیکن ان کی پیش قدمی رکی نہیں۔ وہ بڑھتے ہی رہے اور آخر فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔ وہ نقب زنی کے آلات ساتھ لائے تھے۔ انہوں نے فصیل توڑنی شروع کی۔ اگرچہ فصیل کافی مضبوط تھی لیکن اسلامی شیروں نے اسے توڑ ہی ڈالا اور اس میں کئی شگاف ایسے بڑے کر دیئے۔ جن میں سے آدمی آسانی سے گزر سکے۔

اب مسلمان ان شگافوں کے ذریعے سے اندر داخل ہوئے۔ ریحان بھی چلے۔ جب سو مجاہدین اندر داخل ہو گئے۔ تو انہوں نے قلعہ کے اندر پہنچ کر اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا۔ اس نعرہ کو سن کر عیسائی گھبرا گئے۔ مگر جب انہوں نے تھوڑے مسلمان دیکھے تو ان پر حملہ آور

ہوئے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ تلواریں چلنے لگیں۔ سر کٹ کٹ کر اچھلنے لگے لیکن مسلمان بڑی بے خوفی جرأت اور استقلال سے جنگ کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں بڑی پھرتی سے چل رہی تھیں کہ جو عیسائی ان کی زد میں آجاتا تھا۔ اسے قتل کیے بغیر نہ چھوڑتی تھیں۔

مسلمان عیسائیوں کو مارتے کاٹتے پیچھے ہٹاتے دروازہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ عیسائی انہیں قدم قدم پر روک رہے تھے۔ لیکن وہ عیسائیوں کی لاشوں پر لاشیں بچھاتے بڑھ رہے تھے۔

شگافوں کے ذریعے سے مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ ابھی جاری تھا اور مسلمان ڈھائی سو کے قریب قلعہ میں گھس چکے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر فصیل کے اوپر سے عیسائی ان کے مقابلے کے لیے نیچے اتر آئے۔ ان کے اترنے سے فصیل کے اوپر سے جو مسلمانوں پر زد پڑ رہی تھی۔ اس میں بڑی حد تک کمی آگئی اور اب چاروں طرف سے مسلمان قلعہ کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے۔

ریحان اور ان کے ساتھی موت کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ ریحان نے بیشمار عیسائیوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ لیکن وہ بھی زخمی ہو گئے اور کئی زخم ان کے گہرے آئے تھے۔ لیکن وہ زخموں کی پرواہ نہیں کر رہے تھے اور اب بھی اسی جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ جیسے وہ زخمی نہیں ہیں۔

ان ڈھائی سو مسلمانوں پر تقریباً تین ہزار عیسائی آ ٹوٹے تھے اور ان پر چاروں طرف سے تلواروں کا مینہ برسا رہے تھے۔ مسلمان ان کی تلواریں ڈھالوں پر روکتے اور خود بڑی پھرتی سے حملہ کر کے حملہ آوروں کو قتل کر ڈالتے۔

لڑتے بھڑتے، دشمنوں کو مارتے، کاٹتے اور پیچھے ہٹاتے وہ اس دروازے پر جا پہنچے۔ جس طرف شیخ الغزاۃ تھے۔ یہاں پچاس عیسائی پہرہ پر تھے۔ ریحان نے دس مسلمانوں کو لے کر ان پر حملہ کر دیا اور بہت ہی تھوڑی دیر میں انہیں مار کاٹ کر پھاٹک کھول دیا۔

شیخ الغزاۃ نے پھاٹک کھلتے اور کئی مسلمانوں کو وہاں کھڑے اشارہ کرتے دیکھا تو وہ اپنا لشکر لے کر تیزی سے بڑھے۔ ان کے ساتھیوں نے ان تیروں اور پتھروں کی پرواہ نہیں

کی۔ جو فصیل کے اوپر سے ان پر برسائے جا رہے تھے۔

ریحان دروازہ کے اندر کی طرف کھڑے ہو کر عیسائیوں کی یلغار کو روکنے لگے۔ عیسائی مسلمانوں کو مار کر یا پیچھے دھکیل کر پھاٹک بند کر دینا چاہتے تھے۔ لیکن ریحان اور ان کے ساتھی ڈٹ گئے اور جنگ کا زور اور بھی بڑھ گیا۔ چند عیسائی ریحان پر آ ٹوٹے۔ ریحان نے ان میں سے دو کو مار ڈالا۔ جنہوں نے ان پر حملہ کیا تھا۔ ریحان کے گرنے سے مسلمان گھبرا گئے۔ عیسائیوں نے سختی سے حملہ کیا۔ قریب تھا کہ مسلمان پھاٹک سے نکل آئیں کہ اللہ اکبر کے پرشور نعرے [illegible] مسلمانوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھی۔ شیخ الغزاۃ اپنا لشکر لے کر آ گئے تھے۔ انہوں نے آتے ہی سختی سے حملہ کیا اور عیسائیوں کو کاٹ کاٹ کر بچھا دیا۔ عیسائی گھبرا کر پیچھے ہٹنے [illegible] قلعہ کے اندر داخل ہونے شروع ہو گئے۔

(۴۷)

ریحان کی حالت

چونکہ ریحان زخمی ہو کر گر پڑے تھے اور ان میں اٹھنے کی سکت باقی نہیں تھی۔ اس لیے پانچ مسلمانوں نے ان کے گرد حلقہ قائم کر لیا۔ تاکہ آنے والے مسلمانوں کے گھوڑے انہیں روند نہ ڈالیں۔

شیخ الغزاۃ اور ان کے لشکر نے قلعہ اندر داخل ہو کر عیسائیوں پر اس شدت سے حملہ کیا کہ عیسائی ان کے حملہ کو روک نہ سکے۔ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ شیران اسلام نے انہیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ بے دریغ انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔

عیسائیوں نے اور بھی شدت سے شور کرنا شروع کر دیا۔ ان کا شور سن کر فصیل کے اوپر تمام عیسائی بھاگ کر نیچے صحن میں آ گئے اور مسلمانوں کا مقابلہ بڑی قوت سے کرنے لگے۔ سر اچھلنے اور دھڑوں پر دھڑ گرنے لگے۔ عیسائی اور مسلمان دونوں مدہوش ہو کر لڑائی میں جٹ گئے۔ تلواریں اس طرح جلد جلد اٹھنے لگیں۔ جیسے ان کا کھیت اگ آیا ہے۔

مسلمانوں کو بڑا جوش اور غصہ تھا۔ وہ نہایت پھرتی سے لڑ رہے تھے۔ ان کی تلواریں عیسائیوں کو گھاس اور پھونس کی طرح کاٹ رہی تھیں۔ ہر مسلمان کے گرد لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔

اب مسلمانوں کی آمد دروازہ کے ذریعے برابر جاری تھی۔ دوسری طرف کے مسلمان بھی دوڑ دوڑ کر اسی دروازے سے قلعہ میں داخل ہونے لگے اور [illegible]

میں داخل ہو جاتے۔ وہ پُر زور حملہ کر کے عیسائیوں کو قتل کرنے لگتے۔

عیسائیوں کی تعداد بہت کافی تھی اور وہ بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ لیکن حقیقت
یہ ہے کہ جو جوش مسلمانوں میں تھا۔ وہ ان میں نہ تھا۔ مسلمان موت کی لڑائی لڑ رہے
تھے اور عیسائی بچ کر جنگ کر رہے تھے۔ پھر بھی لڑائی بڑے زور سے ہو رہی تھی۔
تلواروں پر تلواریں پڑ رہی تھیں اور لاشوں پہ لاشیں گر رہی تھیں۔ خون کی بارش ہو رہی
تھی اور زمین پہ خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔

کچھ دیر تو عیسائیوں نے بڑی سرفروشی سے مقابلہ کیا۔ مگر جب مسلمانوں کی تلواروں
نے انہیں ذبح کرنا شروع کر دیا اور انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ جنگ اسی طرح جاری رہا تو
ایک عیسائی بھی زندہ نہ بچے گا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور امان امان پکارنے لگے۔

مسلمانوں کو جوش تو اس قدر تھا کہ وہ ایک عیسائی کو بھی زندہ نہ چھوڑنا چاہتے تھے۔
مگر انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے تھے اور "امان امان" پکارنے لگے تھے اور جو لوگ
امان چاہتے تھے۔ خواہ انہوں نے کتنا ہی مسلمانوں کو ستایا ہو۔ ان پر ظلم کیے ہوں۔ انہیں
ضرور امان دیتے تھے۔ پھر انہیں قتل نہیں کرتے تھے۔

چنانچہ مسلمانوں نے عیسائیوں کے سروں کے اوپر سے تلواریں اٹھا لیں اور جن لوگوں
نے ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ انہیں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ ریشم کی مضبوط اور لمبی رسیاں
میں ان کے بازو باندھ دیئے اور انہیں باندھ کر قطار در قطار بٹھا دیا۔

کیوساڈا میں جو شہری عیسائی تھے۔ انہوں نے اس وقت جب عیسائیوں نے اس شہر
کے مسلمانوں پر یورش کی تھی۔ بغاوت کر کے شہری مسلمانوں کو لوٹا تھا اور قتل کیا تھا چونکہ
اب مسلمانوں نے اس شہر کو بذریعہ طاقت اور بزور تلوار کے فتح کیا۔ اس لیے ان سرکش
عیسائیوں کو بھی گرفتار اور ان کے گھروں کو لوٹنا شروع کیا۔

جب یہ عیسائی مظلوم مسلمانوں کو قتل کر رہے تھے۔ ان کے گھروں کو لوٹ لوٹ کر
جلا رہے تھے۔ ان کے معصوم بچوں کو ذبح کر رہے تھے۔ پردہ نشین خواتین کو بے پردہ
کر رہے تھے تو خوش تھے۔ اچھل رہے تھے۔ اپنی بیہودہ اور حیاسوز حرکتوں پر تعلیاں بجا رہے

تھے۔ تو خوش تھے۔ مگر اب جبکہ مسلمانوں نے شہر فتح کر لیا اور انہیں لوٹنا اور گرفتار کرنا
شروع کیا تو اب رونے اور عورتوں کی طرح آنسو بہانے لگے۔

ظالم جب خود ظلم کرتا ہے تو ہنستا ہے۔ لیکن جب اسے اس کے ظلم کی سزا ملتی
ہے تو رونے لگتا ہے۔ یہ نہیں سمجھتا کہ قدرت ضرور ظالم سے انتقام لیتی ہے۔ خواہ جلدی یا
دیر میں۔ اور جو ظلم نہیں کرتے ان پر کبھی ظلم نہیں ہوتا۔

مسلمانوں نے عیسائیوں کو خواہ وہ فوجی تھے یا غیر فوجی گرفتار کر لیا۔ لیکن انہوں نے یہ
احتیاط کی کہ انتقام جوش میں کسی بچہ کو نہیں مارا اور کسی عورت کو نہیں ستایا نہ عورتوں اور
بچوں کو رسیوں میں باندھا۔ بلکہ انہیں آزاد رہنے دیا اور ان کے وارثوں کے پاس رکھا۔
البتہ ان کے گھروں کو لوٹ لیا۔ ان کے گھروں سے زیادہ وہی ساز و سامان اور دولت ملی جو
انہوں نے مسلمانوں سے لوٹی تھی۔

اس کام سے فارغ ہو کر انہوں نے عیسائی قیدیوں سے عیسائیوں کی لاشیں شہر سے
باہر لے جا کر دفن کرائیں۔ مسلمان شہیدوں کے جنازہ کی نماز پڑھ کر انہیں بھی بڑے احترام
سے دفن کرایا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرائی۔

اس لڑائی میں عیسائی دو ہزار سے زیادہ مارے گئے۔ مسلمان تینتیس شہید ہوئے۔
مگر زخمی ڈیڑھ سو سے زیادہ ہو گئے۔ ان میں سے کئی مسلمان شدید طور پر زخمی ہوئے۔ اسلامی
لشکر کے ساتھ اس زمانہ کے ہوشیار طبیب اور ڈاکٹر رہتے تھے۔ وہ مریضوں اور زخمیوں
کا علاج بڑے غور اور ہمدردی سے کرتے تھے۔

ریحان بھی شدید طور پر زخمی ہوئے تھے۔ وہ اس وقت تک ہوش میں رہے۔ جب تک
شیخ الغزاۃ قلعہ میں گئے اور انہوں نے ان کے ہمراہیوں نے عیسائیوں کو مار کر ان کے
پاس سے ہٹا دیا۔ لیکن جب مسلمان قلعہ میں پہنچ کر لڑنے لگے تو وہ بے ہوش ہو گئے۔ اس
کے گرد جن مسلمانوں نے حلقہ کر لیا تھا۔ وہ اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ آنے والے
انہیں کچل نہ ڈالیں۔ انہوں نے اس بات کی کوشش نہیں کی کہ ان کے زخموں کی اسی وقت
دیکھ بھال کر لیتے اگر ایسا ہوتا تو وہ زیادہ نڈھال نہ ہونے پاتے اور چونکہ مسلمان دوسری

طرف سے دوڑ دوڑ کر آتے رہے ان کے آنے کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اس لیے حملہ کرنے والے مسلمانوں کو ریحان کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ہی نہ مل سکا۔

جب قلعہ فتح ہو گیا اور اس پر اسلامی پرچم لہرا دیا گیا۔ تب زخمیوں کی دیکھ بھال کی طرف توجہ کی گئی۔ ریحان کی بھی مرہم پٹی ہوئی۔ مگر طبیبوں اور ڈاکٹروں نے ریحان کی زندگی سے ناامیدی ظاہر کی۔ یہ سن کر کوثر اور یوسف کے دل ہل گئے۔ انہیں بڑا قلق ہوا۔

فوراً شیخ الغزاۃ کو اطلاع کی گئی۔ وہ آئے ریحان کی حالت دیکھ کر انہیں بھی بڑا صدمہ ہوا۔ انہوں نے کہا: "یہ تو بالکل زرد ہو گئے ہیں۔"

طبیبوں نے کہا "ان کے بچنے کی امید بہت کم ہے۔ یہاں ان کا علاج ناممکن ہے۔ اگر یہ غرناطہ میں پہنچا دیے جائیں تو وہاں ان کا علاج ممکن ہے۔"

شیخ الغزاۃ: "مگر انہیں وہاں تک لے جایا کیسے جا سکے گا؟"

طبیبوں نے کہا: "اس کی تدبیر ہم کر دیں گے۔"

چنانچہ ایک خاص قسم کی گاڑی تیار کی گئی۔ اس میں روئی اور ریشم کے گدے بچھائے گئے اور اس گاڑی میں ریحان کو ڈال کر پچاس سواروں کے ساتھ غرناطہ روانہ کیا گیا۔

*

علاج

ریحان کے ساتھ ایک ڈاکٹر بھی بھیجے گئے۔ جو تمام راستہ ان کی نگہداشت کرتے رہے۔ موقعہ اور محل کو دیکھ کر پٹیاں بدلتے رہتے اور جب انہیں ہوش آ جاتا تو دودھ یا یخنی پلا دیتے۔

ریحان کے جسم سے خون زیادہ خارج ہو گیا تھا۔ ان کی رنگت سفیدی مائل زرد ہو گئی تھی۔ جو ڈاکٹر ان کے ساتھ تھے۔ وہ اپنے فن میں بڑے ہوشیار تھے۔ دواؤں کے زور اور اپنی حکمت عملی سے انہیں درست حالت میں رکھے ہوئے تھے اور گاڑی کو گدیلوں سے ایسا آرام دہ بنا دیا تھا کہ جھٹکے لگ کر زخموں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔ گاڑی میں گھوڑے جتے ہوئے تھے اور چونکہ غرناطہ جلد پہنچنا چاہتے تھے۔ اس لیے تیز دوڑائے جاتے تھے۔ ڈاکٹر اور ریحان کا خاص غلام کافور گاڑی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ریحان کو کبھی کبھی ہوش آ جاتا تھا اور انہیں مقوی دوا پلا دی جاتی تھی یا دودھ اور یخنی میں سے کوئی چیز دے دی جاتی۔ بول و براز کے لیے چمڑے کے ایسے بستر لگا دیے گئے تھے جن میں سے کوئی چیز گدیلوں تک نہ پہنچنے پاتی تھی اور جب پیشاب یا پاخانہ ہوتا تو غلام صفائی کر کے دوسرا بستر بدل دیتا۔

آخر وہ غرناطہ میں لائے گئے اور جب انہیں ان کے مکان میں اتار کر لے جایا گیا اور شیخ یعقوب نے ان کی کیفیت دیکھی تو رنج و قلق سے نیم مردہ ہو گئے اور جب حسانہ نے دیکھا تو باوجود ضبط و صبر کے بے اختیار اس کے آنسو نکل آئے وہ ان پر جھک گئی اور

درد ناک آواز سے بولی۔

"بھائی جان بولو! اپنی اس بہن سے جو تمہیں خدا جانے کیا کیا کہہ دیا کرتی تھی۔ آہ تم بولتے کیوں نہیں۔"

نزہون بھی وہاں آگئی تھی۔ وہ بھی ان کی حالت دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ غم و رنج نے اس کے چہرے کا رنگ پھیکا کر دیا۔ وہ بسورنے لگی۔ اس نے ضبط کرنے کے لیے لبوں کو موتیوں جیسے دانتوں میں دبا لیا۔ لیکن آنکھوں پر اختیار نہ رکھ سکی۔ بے اختیار آنسوؤں کے دو موٹے موٹے قطرے دونوں مژگاں پہ آگرے اور پھر ٹپک پڑے۔ اس نے انگلیوں سے جلدی سے آنکھیں صاف کر لیں اور آنسوؤں کو پی لیا جو امنڈنے کو تیار تھے۔

حسانہ ابھی تک ریحان پر جھکی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی۔ میرے اچھے بھائی جان آنکھیں کھولو۔ بچے کلسوئی کو دیکھو۔ ہائے اللہ۔ تم بولتے کیوں نہیں مجھ سے خفا کیوں ہو بھیا؟

اس کی باتیں سن کر شیخ یعقوب کا دل بھر آیا۔ قریب تھا کہ ان کے آنسو بھی نکل پڑیں۔ لیکن انہوں نے ضبط کیا اور حسانہ ان کے آنسو دیکھ لیتی تو یقیناً بہت زیادہ غمزدہ ہو جاتی۔ شیخ یعقوب نے اس سے کہا۔

"حسانہ! تم سمجھدار ہو (شاعرہ ہو) اسلامی شرع سے واقف ہو۔ بے صبری کرتی ہو۔ خدا کو یاد کرو۔ اس سے بہتری کی اُمید رکھو۔ نماز پڑھ پڑھ کر ان کی صحت کی دعا مانگو۔ ہم، تم، طبیب، ڈاکٹر ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ جس نے ہمیں تمہیں اور سب کو پیدا کیا ہے اور جس کے قبضہ میں زندگی اور موت ہے وہ ان کی مدد کر سکتا ہے۔ بے صبری کر کے گنہگار مت بنو۔"

حسانہ آہستہ آہستہ اٹھی۔ اس نے اپنے باپ کو دیکھا۔ اس کی نرگسی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ وہ پہلی ہی نظر میں شیخ یعقوب کو دیکھ کر سمجھ گئی کہ اس ذرا سی دیر میں ہی غم نے انہیں چور کر دیا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ اگر وہ غمگین ہو گی تو اس کے باپ کو اور صدمہ پہنچے گا۔ اس لیے اس نے اپنے دل پر صبر کیا۔ دوپٹے کے آنچل سے

آنسو پونچھے۔ اب اس کی نظر نزہون پر پڑ گئی۔

نزہون پیکرِ غم بنی کھڑی تھی۔ اگرچہ وہ ضبط کر رہی تھی۔ اس نے اب تک ضبطِ غم کے لیے ہونٹ دانتوں میں دبا رکھے تھے۔ لیکن کٹورا سی آنکھیں چھلکنے کے قریب تھیں اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کا دل رو رہا ہے۔ وہ صبر کر رہی ہے۔ دل پر صبر کیے ہوئے ہے۔ بندِ غم کو ٹوٹنے سے روک رہی ہے۔

نزہون کو دیکھ کر بے اختیار حسانہ کے پھر آنسو جاری ہو گئے۔ اب نزہون سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ بندِ غم ٹوٹ گیا اور آنسو جاری ہو گئے اور پھر اس نے ضبط کیا اور جلدی سے آنسو پونچھ ڈالے۔ یعقوب نے حسانہ سے کہا۔ "بیٹی صوفہ پر بیٹھ جاؤ۔ کوئی ایسی حرکت نہ کرو۔ جس سے ریحان کو تکلیف پہنچے۔ اگر تم اس کے اوپر جھکو گی، اسے ہلاؤ جلاؤ گی تو زخموں کو ضرر پہنچے گا اور اسے تکلیف ہو گی۔ اب تمہارا کام اس کی تیمارداری کرنا ہے۔"

حسانہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا۔ "ابا جان میں دو رکعت نماز ادا کر کے اپنے بھائی جان کی صحت کے لیے پہلے دعا مانگ لوں۔"

شیخ یعقوب: "ضرور مانگ لو۔ اس خدا سے اس کی زندگی کی بھیک مانگو جو مردہ کو بھی زندہ کر دیتا ہے۔"

حسانہ جھپٹ کر گئی۔ اس نے وضو کیا اور جائے نماز جا کر بھائی کے قریب بچھائی۔ نماز پڑھی اور سجدہ میں جا کر بڑی عاجزی اور خلوص سے ریحان کے لیے دعا مانگی۔

اس عرصہ میں شیخ یعقوب چلے گئے تھے۔ نزہون صوفہ پر بیٹھ کر پنکھا جھلنے لگی تھی۔ جب حسانہ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور نزہون کی طرف دیکھا تو اسے روتے ہوئے پایا۔ پھر اس کا دل بھر آیا اور وہ بھی رونے لگی۔ مگر اس نے نزہون پر ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اس نے اسے روتے دیکھ لیا ہے۔

حسانہ نے پہلے اپنے آنسو پونچھے اور پھر ٹھنڈا سانس لیا۔ گویا وہ نزہون کو ہوشیار کر دینا چاہتی تھی۔ نزہون چونک گئی۔ اس نے جلدی سے آنسو پونچھے اور پہلو بدل کر بیٹھ گئی۔ حسانہ بھی اس کے پاس آ بیٹھی۔

ریحان بے ہوش تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ان کے لیے کون کون آنسو بہا رہا ہے اور کس دل سے دعائیں مانگ رہا ہے۔ جب حسانہ نے نماز پڑھ کر دعا مانگی تو نزہتوں بھی رو رو کر دعا مانگ رہی تھی۔

ان دونوں کو بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ شیخ یعقوب آگئے۔ انہوں نے کہا۔ ظل اللہ امیر المومنین تشریف لائے ہیں۔

حسانہ نے جلدی سے پوچھا۔ اور کوئی ڈاکٹر بھی آئے ہیں۔

شیخ یعقوب۔ کئی ڈاکٹر آئے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شاہی طبیب آئے ہیں۔

دونوں لڑکیاں اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔ شیخ یعقوب باہر گئے اور ان کے ساتھ سلطان ابوالولید اور کئی ڈاکٹر اور طبیب آگئے۔

جو ڈاکٹر ریحان کے ساتھ آئے تھے۔ وہ وہاں سے گھر جانے کے بجائے سیدھے سلطان کی خدمت میں پہنچے اور ان سے ریحان کی کیفیت بیان کی۔ سلطان نیک مزاج اور بڑے رحمدل تھے۔ وہ بڑے متاثر ہوئے۔ اسی وقت انہوں نے مشہور ڈاکٹروں اور طبیبوں کو طلب کیا اور ان کو ساتھ لے کر چلے۔ انہوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ ریحان کون ہیں۔ جنہوں نے ان کے پاس آکر پناہ لی معمولی مجاہد ہیں۔ اگر وہ مہربانی ہی کرتے تو طبیبوں اور ڈاکٹروں کو علاج کے لیے بھیج دیتے۔ لیکن وہ خود آئے اس لیے کہ انہیں اپنی تمام رعایا سے محبت تھی۔ وہ مسلمانوں کو اپنی اولاد سمجھتے تھے۔

سلطان صوفہ پر بیٹھ گئے۔ طبیب ریحان کی مسہری کے چاروں طرف پھیل گئے۔ پہلے انہوں نے ان کی نبض دیکھی۔ شاید یہ اندازہ کرنے کے لیے کہ ان میں کس قدر قوت ہے۔ شاہی طبیب نے کہا۔ اگرچہ کمزوری زیادہ آگئی ہے۔ لیکن خیال ہے کہ اس وقت کے عمل کو یہ برداشت کر لیں گے۔ میں قوت کے لیے اور دوا دیتا ہوں۔

ریحان بیہوش تھے۔ انہوں نے ان کا منہ کھول کر دوا کے چند قطرے ان کے حلق میں ٹپکائے۔ سلطان نے کہا۔ مجھ کو ان کی صحت یابی سے جابدولت کو بڑی خوشی حاصل

ہوگی۔ ان کا علاج خاص توجہ سے ہونا چاہیے۔

شاہی طبیب۔ اعلیٰ حضرت کے حکم کی تعمیل ہوگی۔

کچھ وقفہ کے بعد ڈاکٹروں نے پٹیاں کھولیں۔ وہ ڈاکٹر بھی تھے۔ جو علاج کرتے چلے آئے تھے۔ پٹیاں کھول کر زخموں کو دیکھا۔ انہیں دواؤں سے صاف کیا۔ ایک ڈاکٹر نے جو بڑے تجربہ کار اور ہوشیار تھے کہا۔

"زخموں کی حالت ایسی خراب نہیں ہوئی ہے جو قابلِ علاج نہ ہوں۔ لیکن بعض زخم گہرے ہیں اور ان میں ٹانکے لگنے ضروری ہیں۔

سلطان: ہوشیاری سے ٹانکے لگا ڈالو۔

ڈاکٹر: بہت بہتر۔

اس ڈاکٹر نے دوسرے ڈاکٹروں کی مدد سے گہرے زخموں میں ٹانکے لگائے۔ ریحان کئی مرتبہ تکلیف کی شدت سے اچھل پڑے۔ ٹانکے لگائے گئے اور پھر دواؤں میں پٹیاں تر کر کے۔ مرہم لگا کر بڑی احتیاط سے کسی گئیں۔

اس عمل میں کافی عرصہ لگا۔ سلطان سب کچھ دیکھتے رہے۔ طبیبوں نے بستر بدلوایا۔ اور شیخ یعقوب کو ہدایت کی۔ "انہیں حرکت نہ کرنے دی جائے اگر ممکن ہو تو عورتوں کو تیمارداری پر مقرر کیا جائے۔

سلطان نے فرمایا۔ "قصرِ محل سے شاہی کنیزیں آجائیں گی۔"

سلطان اٹھے۔ شیخ یعقوب نے ان کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے کہا۔ یا شیخ ہم اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔

سلطان اور طبیب سب چلے گئے۔ شاہی طبیب نے چند عرق شیخ یعقوب کو دیئے کر ان کے استعمال کی ترکیب بتائی۔ ان کے جانے کے بعد حسانہ اور نزہتوں وہاں آگئیں اور تھوڑی دیر بعد شاہی کنیزیں بھی آپہنچیں۔

(٢٩)

دلیرانہ یورش

کیوساڈا پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ وہاں سے جو مال غنیمت حاصل ہوا تھا چونکہ اس میں زیادہ تر ان مسلمانوں کا مال تھا۔ جنہیں عیسائیوں نے لوٹا تھا۔ اس لیے وہ سب سامان اور عیسائی قیدی جن میں مرد، عورتیں اور بچے سب شامل تھے۔ سلطان کی خدمت میں غرناطہ بھیج دیے گئے اور سلطان کو یہ لکھ دیا گیا کہ اس مال غنیمت میں کیوساڈا کے ان مسلمانوں کا مال شامل ہے جو تباہ اور برباد کیے گئے ہیں۔

اب شیخ الغزاۃ نے کیوساڈا پر یوسف اغلبی کو ایک ہزار سپاہ کے ساتھ چھوڑا اور خود باقی تمام لشکر لے کر الکاڈیٹ کی طرف بڑھے۔

الکاڈیٹ بھی سرحدی شہر تھا۔ عیسائیوں نے اس پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور وہاں کے مسلمانوں پر بھی بڑے مظالم کیے تھے۔

چونکہ عیسائیوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ کیوساڈا پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا ہے اس لیے الکاڈیٹ اس کے قرب و جوار کے عیسائی بڑے پریشان تھے۔ چنانچہ انہوں نے بطروہ کو لکھا تھا کہ وہ ان کی مدد کے لیے اور فوج بھیجے۔ ورنہ الکاڈیٹ بھی ہاتھوں سے جاتا رہے گا۔

بطروہ نے دو ہزار سپاہ ان کی مدد کے لیے بھیجی۔ یہ فوج کیوساڈا کے قریب ہو کر گزر رہی تھی۔ یوسف اغلبی کو اس لشکر کا حال معلوم ہو گیا۔ وہ پانچ سو مجاہدین کو ساتھ لے کر تیزی سے چلے اور ایک روز راستہ میں قیام کر کے دوسرے روز اس پہاڑی پر

پہنچ گئے۔ جس کے درمیان میں سے عیسائی لشکر گزرنے والا تھا۔

انہوں نے اپنا دستہ کمین گاہ میں چھپا دیا۔ مسلمانوں نے اس خوف سے کہ دشمنوں کو ان کی موجودگی کی خبر نہ ہو جائے۔ رات کو آگ بھی نہیں جلائی۔ حالانکہ اس نواح میں کافی سردی ہوتی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے سردی کی پروا نہیں کی۔ نہ کھانا تیار کیا۔ وہ اپنے ساتھ کھجوریں اور پھل لائے تھے۔ وہی کھا کر پانی پی لیا۔

سرد رات میں بغیر سائبان اور سایہ کے پتھروں پر کمبل اوڑھ کر پڑ گئے۔ پچھلی رات کو جب سردی زیادہ معلوم ہوئی تو سب گٹھڑی سی بن گئے۔ صبح صادق کے وقت اٹھے۔ ضروریات سے فراغت کی۔ ٹھنڈے پانی سے وضو کیا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔

سورج نکل آیا۔ مگر ان کے جسموں میں گرمی نہیں آئی۔ ہاتھ پیر ٹھٹھرے رہے۔ انہیں خوف ہوا کہ کہیں اس وقت عیسائی نہ آ جائیں۔ اس لیے انہوں نے ورزش شروع کر دی تاکہ سردی دور ہو جائے اور گرم بدن ہو جائیں۔ ان کی یہ تدبیر ٹھیک بیٹھی۔ ان کے جسم گرم ہو گئے۔ اسی وقت عیسائی لشکر نمودار ہوا۔ مسلمان خاموش ہو کر دیکھنے لگے۔ جب تقریباً نصف لشکر اس کے سامنے سے گزر گیا۔ تب وہ اٹھے اور انہوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا اور کمین گاہ سے نکل کر نہایت سختی سے عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔

عیسائی نعرہ کی آواز سن کر ہی دہل گئے اور جب ان پر حملہ ہوا تو وہ اور بھی کانپ گئے۔ انہوں نے بڑی ہی بددلی اور پژمردگی کے ساتھ تلواریں نکالیں اور مقابلہ شروع کیا۔ مسلمانوں نے بڑے ہی جوش سے حملہ کیا اور پھرتی سے مار کاٹ شروع کی کہ چشم زدن میں لاشوں کے ڈھیر لگا دیے۔ پتھروں کو خون سے رنگ دیا۔

عیسائیوں کو مسلمانوں کی تعداد معلوم نہیں تھی۔ یہ جگہ جہاں مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا قسطلہ کی حکومت کی حدود میں تھی۔ اس لیے انہوں نے یہ سمجھا کہ مسلمان بھاری تعداد میں آئے ہوں گے۔ اس سے ان کے حوصلے اور پست ہو گئے۔

مسلمانوں کے سینہ میں انتقام کا جوش تھا۔ انہوں نے بڑی پھرتی اور شدت سے

حملے کرکے انہیں بے تحاشہ قتل کرنا شروع کر دیا۔ یوسف اشبیلی نے جھپٹ کر عیسائی افسر پر حملہ کیا اور پہلے ہی وار میں اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔

اپنے افسر کے مارے جاتے ہی عیسائیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ بھاگ پڑے اور جس کا جس طرف منہ اٹھا اسی طرف دوڑ پڑا۔ مسلمان ہر طرف ان کے پیچھے لگے چلے گئے۔ انہوں نے سو ڈیڑھ سو ہی عیسائیوں کو بھاگنے دیا۔ باقی سب کو مار ڈالا۔ ان کا تمام سامان لوٹ لیا اور وہاں سے کیر ساؤ میں واپس آ گئے۔ اس سے عیسائیوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔

الکاؤنٹ کے عیسائیوں کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ قسطلہ سے جو امدادی لشکر آیا تھا اسے مسلمانوں نے ذبح کر ڈالا۔ اس سے ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور حوصلے پست ہو گئے اور دل بجھ گئے۔

شیخ الغزاۃ نے الکاؤنٹ پر پہنچ کر پیغام بھیجا کہ اگر زندگی چاہتے ہو تو شہر ہمارے حوالے کر دو۔ لوٹا ہوا مال واپس لوٹا دو۔ جو مسلمان عورتیں اور بچے آپ کے پاس ہیں۔ انہیں واپس کر دو۔ ورنہ تمام عیسائی مردوں، عورتوں اور بچوں کو غلام اور کنیز بنا لیا جائے گا۔

جس وقت یہ پیغام عیسائیوں کے پاس پہنچا تو وہ اور بھی گھبرا گئے۔ لیکن بطروہ کے خوف سے ان باتوں کو منظور نہ کر سکے۔ کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ اگر مسلمانوں کی شرائط مان کر وہاں سے نکل کر چلے گئے تو بطروہ ان سب کو قتل کرا دے گا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کر لے گا اور دولت لے گا۔

ایک روز انتظار کرکے مسلمانوں نے دوسرے روز قلعہ پر حملہ کر دیا۔ تمام سرحدی شہروں کے گرد مضبوط فصیلیں تھیں۔ اس لیے وہ قلعے ہی کہلاتے تھے۔ عیسائی فصیل پر چڑھ گئے تھے اور انہوں نے مدافعت اور مقابلہ کرنے کے لیے فصیل کے اوپر بے شمار سنگ ریزے تیروں کے گٹھے اور حربوں کے ڈھیر لگا رکھے تھے۔

چنانچہ جب مسلمانوں نے یورش کی تو وہ بھی سنبھل گئے اور جب مسلمان فصیل کے

قریب پہنچے تو انہوں نے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسا دیا۔

مسلمانوں نے ڈھالوں کا قلعہ بنا لیا اور آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔ مگر چند عیسائیوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ بڑے بڑے پتھر، حربے اور تیر برسائے بہت کم چھینٹے اور چلائے۔ لیکن مسلمانوں کے قدم نہیں رکے۔ وہ برابر بڑھتے رہے اور جب اتنے قریب پہنچ گئے کہ ان کے تیروں کی زد فصیل پر پڑ سکے تو کچھ لوگوں نے تیر کمانوں میں رکھ کر چلے کھینچے اور پوری قوت سے چھوڑ دیے۔

تیر سناٹے بھرتے پہنچے اور فصیل پر پہنچے۔ جو عیسائی اگلی صف میں تھے ان میں بہت سے لوگوں کے سروں اور سینوں میں تیر پیوست ہو گئے۔ زخمیوں نے ہولناک چیخیں ماریں اور گرے جو فصیل کی اگلی دیوار سے لگے کھڑے تھے۔ وہ نیچے آ پڑے اور ان کی ہڈیاں اور پسلیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں۔ جو پیچھے تھے وہ فصیل پر گرے۔

اس سے عیسائیوں میں سراسیمگی پیدا ہوئی اور ان کے حملوں میں کمی آ گئی۔ مسلمانوں کو موقع مل گیا۔ انہوں نے جلدی جلدی تیر کمانوں میں رکھ کر ایک ساتھ پھر تیر چلائے۔ اس دوسری تیروں کی باڑھ میں سے عیسائیوں کو زیادہ نقصان پہنچا اور وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئے۔ مسلمانوں نے تیزی سے دوڑنا شروع کیا اور بھاگ کر فصیل کے پاس پہنچ گئے۔

ایک دستہ مسلمانوں کا اس جگہ کھڑا تھا۔ جس جگہ انہوں نے تیر باری شروع کی تھی۔ تاکہ عیسائی آئیں تو وہ ان پر تیر برسائیں۔ چنانچہ عیسائی گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سن کر ایک دم اٹھے۔ ان کے اٹھتے ہی اسلامی دستہ نے ان پر تیر برسائے ان کے پھر بہت سے آدمی مجروح ہو گئے اور وہ پھر جلدی سے بیٹھ گئے۔

اب ان مسلمانوں نے جو فصیل کے نیچے پہنچ گئے تھے۔ کمندیں اور ریشم کی سیڑھیاں گھوڑوں پر کھڑے ہو کر پھینکیں۔ ان میں سے کئی کمندیں اور کئی سیڑھیاں کنگوروں میں پھنس گئیں۔ مسلمانوں نے تلواریں دانتوں میں دبائیں اور جلدی جلدی چڑھنے لگے۔ وہ ایک دم کنگوروں پر چڑھ کر فصیل پر کود گئے۔ انہیں دیکھتے ہی عیسائی چلا اٹھے۔ جن آ گئے جن آ گئے۔

مسلمانوں نے فصیل پر پہنچتے ہی تلواریں ہاتھ میں لیں اور عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ پہلے ہی حملہ میں انھوں نے بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا۔

عیسائی وہاں سے بھاگ کر قلعہ میں اُتر گئے۔ مسلمان بھی ان کے پیچھے ہی پہنچے اور انھوں نے مار کاٹ شروع کر دی۔

مسلمانوں کا تانتا لگ گیا۔ وہ کمندوں اور سیڑھیوں کے ذریعے سے فصیل پر پہنچتے اور وہاں سے صحن میں اتر کر جنگ شروع کر دیتے۔

کچھ دیر بعد تو عیسائیوں نے مقابلہ کیا۔ مگر جب ان کے زیادہ آدمی مارے گئے تو انھوں نے ہتھیار پھینک دیے۔ مسلمانوں نے وہاں کے تمام مردوں اور عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا۔ ان کی دولت اور ساز و سامان پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح شہر اسکاٹ ڈیٹ پر مسلمان قابض ہو گئے۔

اس جنگ کی خصوصیت یہ ہے کہ مسلمان ایک بھی شہید نہیں ہوا اور عیسائی ایک ہزار مارے گئے۔ اس طرح اس طرف کا وہ تمام علاقہ جس پر عیسائیوں نے قبضہ کر لیا تھا پھر مسلمانوں کے تسلط میں آ گیا۔

☆

(۳۰)

شہزادیاں

ریحان کا علاج نہایت اچھے طریقے سے ہو رہا تھا۔ شاہی طبیب اور اس زمانہ کے ہوشیار ڈاکٹر[1] بڑی سرگرمی اور ہوشیاری سے علاج کر رہے تھے۔ ان کی قوت بحال رکھنے کے لیے خاص قسم کی دوائیں اور غذائیں انھیں دی جاتی تھیں۔ لیکن خون کی اس درجہ کمی ہو گئی تھی کہ بدن میں طاقت نہ آتی تھی اور طاقت نہ ہونے کی وجہ سے زخم اچھے نہ ہوتے تھے۔ بخار رہتا تھا اور بخار رہنے کی وجہ سے عام طور پر غفلت رہتی تھی۔

ان کی تیمارداری کے لیے شاہی کنیزیں، رحمانہ، زہرہ، سلمیٰ اور اس قبیلہ کی دوسری لڑکیاں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ رات کو دو، دو، تین تین کنیزیں یا لڑکیاں باری باری سے جاگتیں اور تیمارداری کرتیں۔ کبھی کبھی شیخ یعقوب اور قبیلہ کے دوسرے لوگ بھی جاگتے اور ان کی خبر گیری کرتے۔

سلطان بھی کئی مرتبہ ان کی عیادت کے لیے آ چکے تھے۔ چونکہ سلطان ان کے علاج میں خاص طور پر دلچسپی لے رہے تھے اس لیے تمام طبیب اور ڈاکٹر بڑی توجہ سے علاج کر رہے تھے۔

---

[1] اس زمانہ میں جراح نہایت ہوشیار ہوتے تھے۔ چیر پھاڑ اور زخموں کا علاج بڑی قابلیت اور ہوشیاری سے کرتے تھے۔ جراح پیشہ وغیرہ اس زمانہ میں ڈاکٹر کہلاتے ہیں۔ اس زمانہ میں جراح کرتے تھے، وہ معمولی مرضوں کا علاج بھی کر لیتے تھے۔

لیکن ابھی تک ان کی حالت میں کوئی خاص فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ البتہ حالت خراب
نہیں ہوئی تھی۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ جسمانی طاقت کو رفتہ رفتہ صحیح حالت
لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جب طاقت آجائے گی تو بہت جلد زخم اچھے ہو جائیں
گے اور بخار جو زخموں کی تکلیف کی وجہ سے رہتا تھا۔ ایک دم دور ہو جائے گا۔

مگر حسانہ کو اس بات کا یقین نہیں آتا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ طبیب محض دل رکھنے کے لیے
ایسا کہہ رہے ہیں۔ حالت اچھی نہیں ہے۔ ریحان موت اور زندگی کے درمیان لٹک
رہے ہیں۔ معلوم نہیں موت انہیں کھینچ لے گی یا زندگی کھینچ لائے گی۔

ایک روز شاہی طبیب تنہا آئے۔ جب وہ ریحان کو دیکھ چکے تو حسانہ پردہ کے
پاس کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا "یا عم! بھائی جان کی حالت میں تو ابھی تک کوئی تغیر نہیں
ہوا ہے۔"

طبیب: بیٹی ان کی حالت پہلے سے بہتر ہے۔

حسانہ: مگر ابھی تک ہوش تو انہیں آیا ہی نہیں ہر وقت غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔

طبیب: خدا پر نظر رکھو امید ہے کہ اب ان کی حالت بہتر ہونی شروع ہو
جائے گی۔

حسانہ: یہ آپ میری تسلی کے لیے کہہ رہے ہیں۔

اس کی آواز بھر آ گئی۔ طبیب نے کہا۔ حسانہ تم اپنے بھائی جان سے ناراض رہتی تھیں
اب ان کے لیے اس قدر بے چین کیوں ہو؟"

حسانہ: مجھے یہی افسوس ہے کہ میں کبھی کبھی ان سے خفا ہو جاتی تھی۔ شاید میری
زبان سے کوئی بُری بات نکل گئی تھی۔ بد دعا کی قسم کی اور میں اسی کی سزا پا رہی ہوں۔

طبیب: یہ کچھ بات نہیں ہے اس کا افسوس نہ کرو۔ کیا تمہارے لیے یہ بات
قابل فخر نہیں ہے کہ تمہارا بھائی شیر دل مجاہد ہے۔ کیو ساڈا کا فاتح ہے۔ سلطان اس
کے لیے بے چین ہیں۔

حسانہ: یہ بات بڑے فخر کی ہے۔ ہم سلطان کے بے حد شکر گزار ہیں اور
آپ کے بھی۔

طبیب ہنسے اور اصل وہ حسانہ کو خوش کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ "میرا
شکر گزار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ریحان میرے بیٹے ہیں اور تم میری بیٹی ہو۔"

حسانہ: لیکن اپنے بیٹے کی حالت تو دیکھو۔

طبیب: سنو حسانہ! ان کی زندگی کا آج وہ دن آ گیا ہے۔ جس کے آنے کا انتظار
کر رہا تھا۔ آج دن میں یا رات کو کسی وقت انہیں ہوش آ جانا چاہیئے۔ اگر انہیں ہوش
آ گیا تو سمجھو موت سے چھین لیا۔ ورنہ خدا کی مرضی پوری ہو جائے گی۔ تم سمجھدار ہو خوب
جانتی ہو کہ خدا سے کوئی نہیں لڑ سکتا۔ اب میں سلطان کے پاس جا رہا ہوں۔

طبیب چلے گئے۔ حسانہ کمرہ میں آ گئی۔ طبیب نے آج ایسی بات کہی تھی۔ جس
نے اور بھی غم و فکر میں مبتلا کر دیا۔ اس کے دماغ میں یہ فقرہ گردش کر رہا تھا۔ اگر انہیں ہوش آ
گیا تو سمجھو موت سے چھین لیا۔ ورنہ خدا کی مرضی پوری ہو جائے گی۔

اس سے قلق بڑھ گیا۔ اگر کوئی صورت ہوتی یا ممکن ہوتا تو وہ انہیں بچانے کے لیے
اپنی زندگی دینے کو تیار ہے۔ ایک بہن بھائی کے لیے یہی کر سکتی تھی۔

شاید طبیب نے شیخ یعقوب سے بھی یہی بات کہہ دی تھی۔ جو وہ حسانہ سے کہہ
کر گئے تھے۔ چنانچہ شیخ یعقوب آئے۔ انہوں نے دیکھا حسانہ بے حد مغموم ہے۔ انہوں
نے کہا بیٹی اس قدر بے قرار اور مضطرب نہ ہو۔ اگر خدا نے چاہا تو آج ریحان کو ہوش
آ جائے گا۔ مگر میں کہتا ہوں اگر یہ جنگ میں شہید ہو جاتے تو ہم کیا کر لیتے۔ یا اگر
خدانخواستہ شہید ہو جائیں تو ہم کیا کر لیں گے۔ تم نے ان کی تیمارداری میں اپنا آرام
چھوڑ دیا۔ رات اور دن ایک کر دیئے۔ دوا اور دعا سب ہی کچھ کی جا رہی ہے۔ اب بھی
اگر خدا کی مرضی پوری ہو تو ہم سوائے صبر اور شکر کے کیا کر سکتے ہیں۔"

حسانہ نے ان کی طرف مغموم نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "ابا! کیا تمہیں بھی ان کی زندگی
سے ناامیدی ہے۔"

شیخ یعقوب: جب تک سانس ہے۔ تب تک آس ہے یہ مشہور ہے لیکن زندگی

اور موت سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے۔

اس وقت کنیزیں آئیں۔ یہ وہ کنیزیں نہیں تھیں جو ریحان کے علاج کے لیے پہلے سے آئی ہوئی تھیں۔ انھوں نے کہا، شہزادیاں تشریف لا رہی ہیں۔

کئی روز سے شہزادیوں کے آنے کی خبر تھی۔ مگر وہ نہ آسکی تھیں۔ وہ حسانہ کو تسلی دینے کے لیے آرہی تھیں۔ سلطان اور شہزادیوں کا آنا وہاں بڑے فخر اور مسرت کی بات تھی۔ شیخ یعقوب چلے گئے۔ کنیزیں ریحان کے پاس بیٹھ گئیں۔ حسانہ لباس بدلنے چلی گئی۔ شاید شہزادیوں کے آنے کی خبر تمام قصر میں ہو گئی تھی۔ کیونکہ تمام عورتیں اور لڑکیاں لباس بدل کر تیار ہونے لگی تھیں۔ جلد ہی جلدی تیار ہو گئیں۔

کئی کنیزیں اور آئیں اور انھوں نے بتایا کہ شہزادیاں آگئی ہیں۔ حسانہ اور زہرون دوسری عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ ان کے استقبال کو چلیں۔ شہزادیاں آگئیں۔ وہ شہزادیاں تھیں۔ دونوں کمسن اور بڑی حسین تھیں۔ نہایت فاخرہ لباس اور بیش قیمت زیورات پہنے تھیں۔ ان کی صورت چاند کی طرح چمک رہی تھیں اور ان کے حسن کی تنویر سے ان کے آگے چاندنی سی پھیلتی جاتی تھی۔ ان کے پیچھے کنیزوں کی پلٹن تھی۔

حسانہ نے جھک کر ان کا استقبال کیا۔ انھیں سلام کر کے مرحبا اور خوش آمدید کہا اور بولی۔ ؎

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

شہزادیوں نے مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا۔ ایک شہزادی نے جو بڑی تھیں اور جن کا نام حفصہ تھا کہا "شاید تمہارا ہی نام حسانہ ہے"

حسانہ: جی ہاں کنیز کا یہی نام ہے۔

حفصہ: جی ہاں کنیز کا یہی نام ہے۔

حفصہ نے مسکرا کر کہا "اگر ایسی کنیز مجھے مل گئی تو میں سینہ سے لگا کر رکھوں گی۔

حسانہ: اور میں ایسی شہزادی کی خدمت کرنا بڑا فخر سمجھوں گی۔

یہ باتیں کرتی ہوئی شہ نشین میں جا بیٹھیں۔ حسانہ اور زہرون ان کے سامنے بیٹھ گئیں۔ باقی لڑکیاں اور عورتیں پیچھے صوفوں پر بیٹھ گئیں۔ کنیزیں سب سے پیچھے کھڑی ہو گئیں حفصہ نے کہا "تمہارے بھائی نے جو کارہائے نمایاں کئے ہیں۔ سلطان ان سے بہت خوش ہوئے ہیں۔

حسانہ: سلطان اور آپ نے جو ہماری عزت افزائی کی ہے۔ اس نے ہمارے دلوں میں وفاداری کا جذبہ اور بڑھا دیا ہے۔

حفصہ: خدا ریحان کو صحت دے۔ ان کی صحت کے لیے دعائیں تمام شاہی محلات میں اور مسجدوں میں مانگی جا رہی ہیں۔ خدا نے چاہا تو وہ ضرور اچھے ہو جائیں گے۔

حسانہ پر کچھ ایسا غم کا غلبہ ہوا کہ جی چاہا چلا کر روئے۔ مگر اس نے ضبط کیا اور کہا۔ خدا کسی کی دعا قبول کرے۔

حفصہ: ناامید نہ ہو۔ مسلمان کو خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ غم انسان کو گھلا دیتا ہے۔ خوش رہو۔ خوش رہنے کی کوشش کرو۔ ہم اور صفیہ بھی ان کی صحت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔

صفیہ چھوٹی شہزادی کا نام تھا۔ حسانہ نے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا۔ صفیہ نے زہرون کی طرف دیکھ کر کہا "کیا ان کا نام زہرون ہے؟"

حسانہ: جی ہاں۔

صفیہ نے مسکرا کر کہا "بھلا ایسی کمبختوں کا قصور کیا ہے۔ جو اس پری کو لے بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔

زہرون نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔ سب مسکرانے لگیں۔ حفصہ نے کہا "مگر ریحان نے ان دلوں کو کاٹ دیا۔

حسانہ نے سلمیٰ کو اشارہ کیا۔ وہ گئی اور کنیزوں کے ساتھ پھلوں کے خوان لے کر آئی۔ شہزادیوں نے سب کے ساتھ پھل کھائے اور ایسی باتیں کرتی رہیں جن سے حسانہ

شگفتہ ہو جائے۔ شہزادیاں حسانہ سے رخصت ہو گئیں۔

(۳۱)

خوشخبری

اس روز تمام دن حسانہ کو بڑا فکر رہا۔ کیونکہ طبیب یہ کہہ گئے تھے کہ اگر ریحان کو دن میں یا رات کو کسی وقت ہوش آ گیا تو سمجھو انہیں موت سے چھین لیا۔ ورنہ خدا کی مرضی پوری ہو گی۔

شام ہو گئی۔ دن تمام ہو گیا۔ مغرب کا وقت آ گیا۔ مگر ریحان کو ہوش نہیں آیا۔ وہ جس غفلت اور بے ہوشی میں پڑے تھے۔ پڑے رہے۔ حسانہ کا رنج و قلق بڑھتا رہا۔ وہ انہیں دیکھتی رہی اور غمزدہ ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ دن چھپ گیا۔ مغرب کی نماز ہو چکی تھی۔ شمعیں روشن کر دی گئیں۔

حسانہ، نزہون، سلمہ اور کنیزیں ریحان کے پاس بیٹھی تھیں۔ سب کی نگاہیں ان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ ان کے جسم کو حرکت ہوتی ہے۔ کب ہوش کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی حرکت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ ایک کنیز نے باہر آ کر نزہون کے کان میں کھانا تیار ہونے کی اطلاع کی۔ نزہون اور حسانہ ساتھ ہی کھانا کھایا کرتی تھیں دوپہر کے وقت حسانہ نے بہت کم کھانا کھایا تھا اور سہ پہر کے بعد میوے اور پھل بھی نہیں کھائے تھے۔ نزہون نے حسانہ سے کہا۔ بھئی حسانہ کھانا تیار ہو گیا ہے۔ چلو کھانا کھا آئیں۔

حسانہ جیسے کسی اور دنیا میں پہنچی ہوئی تھی۔ وہ چونکی۔ اس نے کہا کھانا۔ مجھے اس وقت بھوک نہیں ہے۔

نزہون: میں جانتی ہوں۔ مگر کھانا تو پڑے ہی گا۔ اگر کھاؤ گی نہیں تو تیمارداری کیسے کرو گی۔

حسانہ: تم کھا آؤ۔

نزہون: میں بغیر تمہارے کیسے کھا سکتی ہوں۔

حسانہ: واللہ، مجھے بھوک نہیں ہے۔

نزہون: بے شک بھوک نہ ہو گی۔ مگر تھوڑا بہت ضرور کھا لو۔

حسانہ نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا: کیسے کھا سکوں گی۔ آج میرے بھائی کی زندگی کا آخری دن ہے۔

نزہون نے قطع کلام کر کے کہا۔ خدا نہ کرے ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔ خدا نے چاہا تو اسے ضرور رات میں کسی وقت ہوش آ جائے گا۔ آؤ۔ مانو۔ چلو۔

حسانہ: نزہون میرا دل بالکل نہیں چاہتا تم کھاؤ۔

نزہون: تمہارے بغیر، بالکل ناممکن ہے۔ اگر تم اپنے ساتھ مجھے بھی بھوکی رکھنا چاہتی ہو تو نہ چلو۔

مجبور ہو کر حسانہ اٹھی۔ اور نزہون کے ساتھ کھانا کھانے چلی گئی۔ سلمہ بھی ساتھ ہو گئی۔ کنیزیں وہیں رہ گئیں۔

کنیزیں بھی بڑی دلسوزی اور ہمدردی سے تیمارداری کر رہی تھیں۔ وہ اس کے لیے دعائیں مانگا کرتی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں حسانہ وغیرہ کھانا کھا کر واپس آ گئیں۔ انہیں آئے ہی چند منٹ ہوئے تھے کہ طبیبوں اور ڈاکٹروں کے آنے کی اطلاع ہوئی۔ حسانہ نزہون اور سلمہ دوسرے کمرے میں جو اس کمرے سے ملا ہوا تھا چلی گئیں۔ ان دونوں کمروں کے درمیان جو دروازہ تھا۔ اس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ یہ تینوں پردہ سے لگ کر کھڑی ہو گئیں۔

طبیب اور ڈاکٹر آئے۔ انہوں نے نبض دیکھی۔ سرگوشی کے لہجہ میں آپس میں باتیں کیں۔ شاہی طبیب نے ایک چاندی کی ڈبیا نکالی۔ اس میں ایک شیشی تھی۔ انہوں نے شیشی

میں سے چند قطرے لے کر ریحان کے حلق میں ٹپکا دیے۔

دن بھی ڈاکٹر آئے تھے اور وہ پٹیاں کھول کر زخم صاف کر کے نئی پٹیاں کس گئے تھے۔ جب وہ سب جانے کے لیے تیار ہوئے تو حسانہ نے شاہی طبیب سے کہا۔

یا عم! اس وقت تو انہیں ہوش نہیں آیا۔

طبیب: حالانکہ مجھے پوری اُمید تھی کہ دن چھپے تک ہوش آ جائے گا۔ اب میں نے انہیں وہ دوا دی ہے۔ جس میں نوش دارو کا بھی جز شامل ہے۔ جو کیکاؤس شاہ ایران کے زمانہ میں بنائی جاتی تھی۔ مجھے خدا کی ذات سے اُمید ہے کہ انہیں ضرور ہوش آ جائے گا۔ میں انشاء اللہ آدھی رات کے بعد پھر آؤں گا۔

حسانہ: ان کی زندگی کو خطرہ تو نہیں ہے۔

طبیب: خطرہ ہر وقت ہے اور کسی وقت بھی نہیں ہے۔ ایک بات کا ضرور خیال رکھنا۔ جب انہیں ہوش آ جائے تو انہیں بولنے، مخاطب کرنے اور ان سے باتیں کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ زیادہ عورتوں کا ان کے پاس رہنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ دو عورتیں رہنی چاہئیں اور حسانہ تمہیں اپنی صحت کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔ اعلیٰ حضرت سے شہزادیوں نے بتایا ہے کہ ان کی تیمارداری میں اپنی صحت خراب کر رہی ہو۔

حسانہ: اگر میں ان پر سے قربان ہو جاؤں اور یہ اچھے ہو جائیں تو میری زندگی کا مقصد پورا ہو جائے۔

طبیب: تمہاری زندگی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم شاعرہ ہو۔ دختر عرب ہو۔ تمہاری زندگی کا مقصد قوم میں جہاد کی روح پھونکنا ہے۔

طبیب اور ڈاکٹر چلے گئے۔ حسانہ، زہون اور سلمیٰ پھر اسی کمرہ میں آ گئیں۔ زہون نے کہا "اب صرف دو دو لڑکیوں کو یہاں رہنا چاہیے۔"

حسانہ: میں تو ساری رات یہیں رہوں گی۔ تم میں سے ایک ایک میرے ساتھ رہنا۔

زہون: بس تو میں اور تم دونوں ہی رہیں گے۔

بھی طے ہو گیا کہ سلمیٰ اور کنیزیں پاس والے کمرے میں چلی گئیں۔ تاکہ ضرورت کے وقت فوراً آ سکیں اور یہ دونوں بیٹھ گئیں۔ دونوں نے عشاء کی نماز پڑھی۔ شیخ یعقوب بھی عشاء کی نماز پڑھ کر آ گئے۔ کچھ دیر بیٹھے اور چلے گئے۔

رات گزرنے لگی۔ قصر پر خاموشی چھا گئی۔ ہر طرف سکوت اور سکون چھا گیا۔ کبھی کبھی دور سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آ جاتی تھیں۔

حسانہ اور زہون دونوں چپ چاپ بیٹھی ریحان کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ ایک ہی حالت میں پڑے تھے۔ اس وقت حسانہ کا دل بھر آیا۔ آنکھیں چھلک آئیں۔ آنسوؤں کے قطرے مژگان پر آ کر تھرتھرانے لگے۔ زہون نے دیکھ لیا۔ اس نے کہا۔ حسانہ بے صبری نہ کرو۔

حسانہ نے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں اٹھائیں اور وہ درد و کرب کروٹیں لے رہے تھے۔ اس نے کہا "زہون! میں کیا کروں؟"

زہون: صبر کرو، ضبط سے کام لو۔

بے اختیار حسانہ کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے کہا۔ "اب صبر نہیں ہوتا۔ زہون! جی چاہتا ہے چیخ کر روؤں۔"

زہون: کیا فائدہ ہو گا۔ اس سے رو رو کر اپنے کو ہلکان نہ کرو۔

حسانہ ضبط کرنا چاہتی تھی لیکن نہ ہو سکتا تھا۔ آنسو تھے بے اختیار امڈتے چلے آ رہے تھے۔ زہون نے اس کا سر اپنی گود میں لے لیا اور اسے تسلی دینے لگی۔ جوں جوں وہ تسلی دیتی تھی حسانہ اور بھی سسک سسک کر روتی تھی۔ آخر زہون سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ اس کے بھی آنسو جاری ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے گلاب سے رخساروں پر آنسوؤں کی سفید دھاریں بہنے لگیں۔

حسانہ نے محسوس کر لیا کہ وہ بھی رونے لگی ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کہا، "تم بھی رو رہی ہو۔"

زہون نے آنسو پونچھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "تم رلا رہی ہو۔"

حسانہ: میں بڑی بے رحم ہوں، اب نہ روؤں گی۔

دونوں نے دوپٹوں کے آنچلوں سے آنسو پونچھ ڈالے اور خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔

نزہون نے کہا: رونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ دعا مانگو۔

حسانہ: ٹھیک کہتی ہو۔

دونوں نے بچھونے سے ریحان کی صحت کی دعا مانگی اور صوفے کے تکیہ کا سہارا لے کر نیم دراز ہو گئیں۔

دونوں کی نگاہیں ریحان پر لگی ہوئی تھیں۔ آدھی رات آ گئی تھی نزہون کو شبہ ہوا جیسے ریحان کی پلک کو حرکت ہوئی ہو۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ حسانہ بھی جلدی سے اٹھی اس نے کہا کیا ہے؟"

نزہون: مجھے شبہ ہوا ہے کہ ان کی پلک کو حرکت ہوئی ہے۔

دونوں غور سے دیکھنے لگیں۔ کوئی نصف گھنٹہ کے بعد پھر ان کی پلکوں نے حرکت کی اور وہ تیز تیز اور جلد جلد سانس لینے لگے۔ نزہون اور حسانہ بغیر پلک جھپکائے دیکھنے لگیں اور تھوڑی دیر کے بعد آنکھیں کچھ کچھ کھلنے اور بند ہونے لگیں اور دونوں کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے۔ حسانہ نے کہا: "یا اللہ تیرا شکر ہے۔"

نزہون بے تحاشا انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ وہ کراہے۔ بہت نحیف آواز میں اور انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔ ٹھیک اسی وقت یعقوب آئے اور انہوں نے کہا۔ شاہی طبیب آگئے ہیں۔

نزہون اور حسانہ پردہ کے پیچھے ہو گئیں۔ شاہی طبیب آئے، انہوں نے ریحان کو غور سے دیکھا۔ پھر نبض دیکھی۔ ان کے چہرے سے مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ انہوں نے کہا۔ مبارک ہو، ماشاءاللہ۔ اب انہیں جلد ہوش آ جائے گا۔ حسانہ نے کہا وہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں سن لیں۔

حسانہ سن رہی تھی۔ اس نے جلدی سے سجدۂ شکر ادا کیا۔ نزہون نے بھی شکر گزار نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا گویا وہ خاموشی کی زبان سے خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔

اطمینان

دوسرے روز دوپہر کے وقت ریحان بالکل ہوش میں آ گئے۔ شاہی طبیب نے اور ڈاکٹروں نے شیخ یعقوب کو حسانہ اور کنیزوں کو یہ ہدایت کر دی کہ اب تین چار روز تک ان کی زیادہ نگہداشت کی ضرورت ہے۔ پہلے تو وہ بے ہوش تھے۔ اس لیے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں وہ عالم بے خبری میں کروٹ وغیرہ نہ لے لیں۔ مگر اب انہیں ہوش آ چکا تھا۔ اول تو کسی ایک پہلو پڑے پڑے وہ پہلو دکھنے لگتا ہے اور پہلو بدلنا ہوتا ہے۔ دوسرے اگر ایسے گدے لگا کر یہ انتظام بھی کر دیا جائے کہ کوئی پہلو اور کوئی کروٹ دکھنے نہ پائے تو انسانی خاصہ ہے کہ جب ایک پہلو پڑے پڑے زیادہ دیر ہو جاتی ہے تو دوسرے پہلو بلا وجہ بھی بدل لیا جاتا ہے۔ لہٰذا اب ان کی دیکھ بھال کی زیادہ ضرورت ہے۔ انہیں پہلو نہ بدلنے دیا جائے، نہ کروٹ لینے دی جائے۔

شیخ یعقوب نے حسانہ، نزہون، سلمہ اور کنیزوں کو سمجھا دیا۔ خود ریحان کو بھی ہدایت کر دی کہ وہ کروٹ نہ لیں۔ نہ پہلو بدلیں۔

حسانہ کو ریحان کے ہوش میں آنے سے زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ اس روز اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور دن ہی میں اطمینان سے سو گئی۔

نزہون ایسی لڑکی تھی جس کی متانت اور سنجیدگی اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ غم اور خوشی کا اظہار مشکل سے ہوتا تھا۔ حسانہ باوجود بہت کچھ سمجھدار ہونے کے یہ نہ سمجھ سکی کہ نزہون کو ریحان کے ہوش میں آنے سے خوشی ہوئی ہے یا نہیں۔

لیکن ایک بات ضرور ہے کہ اس روز حسانہ کے ساتھ نزہون نے بھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور جب حسانہ سو گئی۔ تو وہ بھی دوسرے کمرے میں جا کر سو گئی۔ سلمیٰ اور کنیزیں تیمارداری کرنے لگیں۔ دوپہر کو کچھ کھا کر ریحان بھی سو گئے۔

حسانہ اور نزہون دونوں ہی اس وقت اٹھیں۔ جب دن چھپ رہا تھا۔ اس روز ان کی ظہر اور عصر کی نماز قضا ہو گئی۔ دونوں نے لاحول پڑھی۔ حسانہ نے کہا: "کس قدر بُرا کیا ہے ہم نے۔ جب تک پریشانی رہی، وقت پر نماز ادا کرتی رہیں، دعائیں مانگتی رہیں۔ گڑگڑاتی رہیں اور جب خدا نے فضل کر دیا تو اپنے فرض سے غافل ہو گئیں۔ اسے بھول گئیں، سو گئیں۔ اور ایسی سوئیں کہ دو وقت کی نماز قضا کر دی۔"

نزہون: خدا ہماری اس غلطی کو معاف کرے گا۔ ہم نے جان کر نمازیں قضا نہیں کی ہیں، سو گئیں۔ اب پڑھ لو۔

دونوں نے وضو کیے اور نمازیں پڑھیں۔ نماز پڑھ کر حسانہ نے کہا: "بہن مجھے تو بھوک لگ آئی۔ آج تو حد ہو گئی بھوک کی۔"

نزہون: خوشی میں بھوک زیادہ ہی معلوم ہوا کرتی ہے۔

حسانہ: تم بھی کھاؤ گی کھانا؟

نزہون: تمہارے ساتھ کھا لوں گی۔

حسانہ: گویا تمہیں بھوک نہیں ہے۔

نزہون: سچ پوچھتی ہو۔ بھوک تو مجھے بھی معلوم ہو رہی ہے۔

حسانہ: تم کیا ہو؟

نزہون: ایک دوشیزہ عرب۔

حسانہ: مگر بڑی سنگ دل۔

نزہون: اپنے جیسی مجھے نہ سمجھو۔

حسانہ: ہیں، میں بہت نرم دل ہوں۔

نزہون: شاید کوئی امتحان کا وقت آ جائے۔

حسانہ: جب چاہو امتحان لے لینا۔

نزہون: دیکھو بدل نہ جانا۔

حسانہ: انشاء اللہ کبھی نہ بدلوں گی۔

دونوں نے کھانا منگوایا اور کھایا۔ کھانا کھا کر وہ ریحان کے کمرے میں گئیں۔ اس کمرے میں کئی شمعیں روشن تھیں۔ بہت زیادہ روشنی ہو رہی تھی۔ روشنی میں ان دونوں کے چہرے چمکنے لگے۔ اس وقت ریحان جاگ رہے تھے۔ سلمیٰ اور کنیزیں ان کے پاس بیٹھی تھیں۔ حسانہ نے سلمیٰ اور کنیزوں کو رخصت کر دیا اور دونوں ریحان کے قریب صوفہ پر بیٹھ گئیں۔

ریحان نے اول تو حسانہ کو دیکھا اور نزہون کو دیکھنے لگے۔ نزہون نے شرما کر حسین سر جھکا لیا۔ خوبصورت نظریں قالین کے فرش پر گڑ گئیں۔ حسانہ نے کہا۔ اب کیسی طبیعت ہے بھائی جان؟

ریحان: خدا کا شکر ہے۔ اچھی ہے۔ سلمیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ تم میری تیمارداری تو کر رہی تھیں۔ لیکن بے چین بھی تھیں اور روتی بھی تھیں۔

حسانہ: خدا ہی کو خبر ہے۔ میں نے وہ دن اور وہ راتیں جب تم بے ہوش تھے۔ کس رنج و قلق میں گزاری ہیں۔

ریحان نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ جب میں تمہیں چھیڑتا تو دل میں شاید مجھے کوسا کرتی تھی۔

حسانہ: خدا نہ کرے۔ میں تمہیں کوستی۔

نزہون نے شرمیلی نظروں سے ریحان کو دیکھ کر کہا۔ مگر انہوں نے اقرار کیا کہ خدا جانے کیا کیا کہہ دیا کرتی تھی۔

ریحان: سن لیا تم نے۔

حسانہ: جی سن لیا۔ مگر تمہارے لیے صرف میں ہی بے چین نہیں تھی۔ میں ہی نہیں رویا کرتی تھی بلکہ"

اس نے شوخی سے نزہون کی طرف دیکھ کر کہا۔ کوئی اور بھی میرے ساتھ بے چین تھیں۔

بلکہ مجھ سے بھی زیادہ اور رویا کرتی تھیں۔

اگرچہ ریحان سمجھ گئے کہ وہ کسے کہہ رہی ہے۔ مگر انھوں نے انجان بن کر پوچھا۔ "وہ کون تھیں؟"

حسانہ: تمھیں نہیں معلوم (زہون کی طرف اشارہ کر کے) یہ ہیں۔ وہ زہون شرم کی گڑیا بن کر سکڑ گئی۔ حسانہ کہے جا رہی تھی۔ شاید انھوں نے بھی تمھیں بُرا کہا ہوگا۔ اسی لیے یہ زیادہ بے چین تھیں اور زیادہ روتی تھیں۔

زہون شرم سے اور بھی گڑ گئی۔ لیکن شرم و حیا نے اسے اور بھی دلربا بنا دیا۔ انھوں نے اس گل رعنا کو دیکھا اور نظروں ہی نظروں سے پیار کر لیا۔

کچھ دیر کے بعد انھوں نے عشا کی نماز پڑھی۔ ریحان نے بھی تیمم کر کے نماز ادا کی۔ حسانہ نے کہا "ہم جلدی پہرہ مقرر کرو۔"

ریحان نے کہا۔ اب پہرہ کی ضرورت نہیں۔ تم سب آرام اور اطمینان سے سو جاؤ۔

حسانہ: واہ، پہرہ کی تو اب اور بھی ضرورت ہے۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں نے بھی یہی کہا ہے۔

غرض پہرہ مقرر کیا گیا۔ شروع رات میں دو کنیزیں ان کے بعد ایک کنیز اور سلمہ اور ان کے بعد حسانہ اور زہون۔ اس وقت دو کنیزیں وہاں رہ گئیں اور باقی سونے کے لیے چلی گئیں۔ ایک تہائی رات گزرنے پر سلمہ اور کنیز آ گئیں اور جب ایک تہائی رات باقی رہ گئی تو زہون خود ہی اُٹھ گئی۔ اس نے سلمہ اور کنیز کو رخصت کر دیا اور خود تنہا بیٹھ کر نگہداشت کرنے لگی۔

پچھلی رات کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ جنھیں اس وقت تک نیند نہ آئی ہو۔ انھیں بھی نیند آ جاتی ہے۔ کائنات بالکل خاموش ہو جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح طوفان آنے سے پہلے فضا ساکن ہو جاتی ہے اور یہ قفل خاموشی صبح صادق کے وقت ٹوٹ جاتا ہے۔

زہون: شاید منہ دھو کر آئی تھی۔ وہ نہایت ہی اطمینان سے صوفہ پر بیٹھ گئی تھی۔ شمعیں برابر جل رہی تھیں۔ تیز روشنی پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں اس کی چاند سی صورت چمک رہی تھی۔ اس کی نظریں ریحان پر لگی ہوئی تھیں۔

ریحان اطمینان سے سو رہے تھے۔ ان کا چہرہ زردی مائل سفید تھا۔ اس کی صورت سے نقاہت ظاہر تھی۔ زہون انھیں تکے جا رہی تھی۔ شاید اس خیال سے کہ وہ حرکت نہ کریں۔

تھوڑی ہی دیر میں ریحان نے آنکھیں کھول دیں۔ پہلے انھوں نے ادھر ادھر نظر کی۔ پھر ان کی نگاہیں زہون پر آ کر جم گئیں۔ زہون نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ لیکن وہ کبھی کبھی کن انکھیوں سے انھیں دیکھ لیتی تھی۔

ریحان کچھ دیر تو ایک ہی پہلو پر پڑے رہے۔ مگر پھر انھوں نے کروٹ لینی چاہی۔ زہون نے دیکھ لیا۔ وہ جلدی سے اٹھی اور ان کا بازو پکڑ کر کہا۔ "کیا کرتے ہیں آپ؟ کروٹ نہ لیجیے۔"

اس سیم تن دلربا کے قرب نے شاید ریحان کا دوران خون تیز کر دیا۔ ان کا چہرہ یا تو زردی مائل تھا۔ یا اب سرخ ہو گیا۔ انھوں نے کہا۔ "تم اب تک جاگ رہی ہو زہون۔"

زہون: جی ہاں۔ اس وقت جاگنے کی میری باری ہے۔

ریحان: مگر اس طرح تم بیمار ہو جاؤ گی۔

زہون: اطمینان رکھیے۔ انشاء اللہ میں بیمار نہ ہوں گی۔

ریحان: تم سو جاؤ۔ میں اب ٹھیک ہوں۔

زہون: ابھی آپ کروٹ لینے لگے تھے ریحان۔ اب نہ لوں گا۔

زہون ہٹ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس وقت حسانہ آ گئی۔ اس نے کہا مجھے کیوں نہیں اٹھایا زہون۔

زہون: میں نے سوچا تمھیں آرام کرنے دوں۔

حسانہ بھی اس کے پاس بیٹھ گئی اور اب یہ تینوں باتیں کرنے لگے۔

(۳۳)

صلح

شیخ الغزاۃ نے اسکاؤنٹ کے عیسائی قیدی مع مال غنیمت کے سلطان کی خدمت میں بھیج دیے اور آگے پیش قدمی شروع کی۔ چونکہ مسلمان فتوحات کرتے بڑھتے چلے آ رہے تھے۔ اس لیے ان کی ہیبت عیسائیوں پر طاری ہو گئی۔ سرحدی علاقہ میں کھلبلی مچ گئی۔ وہاں کے عیسائیوں نے بطروہ سے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں سے ان کی حفاظت کرے۔ انہیں بچائیں۔

لیکن بطروہ کو اپنے جس لشکر پر غرور تھا، گھمنڈ تھا اور جس کی جمعیت پر وہ غرناطہ کی فتح کے خواب دیکھ رہا تھا۔ وہ قریب قریب سب تباہ ہو چکا تھا۔ مسلمانوں نے اس کا بیشتر حصہ کاٹ ڈالا تھا اور جو حصہ باقی بچا تھا۔ اس کے سپاہی مسلمانوں کا نام سن کر کانپتے تھے۔ اس لیے اب اس میں یہ قوت ہی باقی نہیں رہی تھی کہ وہ ان کی مدد کرتا۔ چنانچہ کوئی مدد نہ کر سکا۔

سرحدی شہروں اور بستیوں میں رہنے والے عیسائی یہ دیکھ چکے تھے کہ عیسائیوں نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم کیے تھے۔ اس لیے انہیں خوف ہوا کہ مسلمان ان سے انتقام لیں گے۔ وہ وہاں سے بھاگ کر قسطلہ اور غلیشہ جانے لگے۔ ان کے جانے سے بستیاں ویران ہو گئیں۔ شہر اجڑ گئے۔ کھیتی کی حفاظت نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو گئی اور کھیتی کی بربادی سے قحط کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

بطروہ اور ان کے ظالم وسفاک مشیر یہ کیفیت دیکھ کر بہت پریشان اور ہراساں

ہوئے۔ مسلمان اسلامی سرحد میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کی پیش قدمی کو روکنے کی بطروہ اور اس کے لشکر میں ہمت نہیں رہی تھی۔ اس نے اپنے پڑوسی عیسائی حکمرانوں سے مدد طلب کی۔ وہ مسلمانوں کے خوف سے اس کی مدد کرنے کو تیار نہ ہوئے۔

ادھر سرحدی علاقے سے پناہ گزینوں کے قافلے روزانہ چلے آ رہے تھے۔ یہ لوگ وطن، زمینیں، جائدادیں اور ہری بھری کھیتیاں چھوڑ کر آئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی قوم والے ان سے ہمدردی کریں گے۔ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ ان کے ساتھ لطف و مروت سے پیش آویں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ وہ لوگ جہاں کہیں گئے۔ وہاں کے عیسائیوں نے انہیں بار سمجھا۔ ان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں کی۔ بلکہ یہ کوشش کی کہ ان سے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کریں۔ چنانچہ زندگی کی ضروریات کی چیزیں ان کے ہاتھ بھاری قیمت پر فروخت کیں۔ ان میں جو مفلس اور نادار تھے۔ وہ بھوکے مرنے لگے۔ انہوں نے اپنے بچے بیچ بیچ کر پیٹ کی آگ بجھائی۔

اچھے اور برے لوگ، ہر قوم میں ہوتے ہیں۔ اس زمانے کے عیسائیوں میں بھی اچھے لوگ بھی تھے اور برے بھی۔ اچھے لوگوں نے تو ان پناہ گزینوں کی تھوڑی بہت مدد بھی کی لیکن برے لوگوں نے انہیں خوب لوٹا۔ صرف یہی نہیں کہ ان کے ہاتھ چیزیں گراں قیمت پر فروخت کیں۔ بلکہ ان کی چوریاں بھی کیں۔

وہ شہروں سے باہر پڑے ہوئے تھے۔ ان میں بہت کم خیموں یا چھولداریوں میں تھے۔ ورنہ عام طور پر کمبلوں کے سایہ میں پڑے ہوئے تھے۔ غنڈہ قسم کے لوگ رات میں آتے اور چوریاں کر کے انہیں کنگال کر جاتے۔

اس سے بھی بڑھ کر انہوں نے یہ کمینہ حرکتیں شروع کیں کہ ان کی نوجوان اور حسین لڑکیاں اور عورتیں گم ہو جاتیں۔ انہوں نے حکومت سے شکایت کی۔ حکام سے اپنی تکلیفیں بیان کیں۔ لیکن کسی نے بھی ان کی مدد نہیں کی۔ مجبور ہو کر وہ بھی کھل کھیلے۔ شہروں میں جاتے۔ چوریاں کرتے۔ دکانوں سے زبردستی مال اٹھا لاتے اور نوعمر و نوخیز حسین لڑکیوں کو زبردستی پکڑ لاتے۔

اس سے ہنگامے ہونے لگے۔ آپس میں جھڑپیں ہونے لگیں۔ روزانہ ایک دو محلے میں لڑائی ہوتی۔ تلواریں میانوں سے نکل آتیں۔ دو چار خون ہوتے اور پانچ دس آدمی پکڑے جاتے۔ عجب بدامنی ہو گئی تھی۔ ان پناہ گزینوں میں زیادہ تر وہ لوگ تھے، جو حملہ آور عیسائی لشکر کے ساتھ رہتے تھے اور انہوں نے مسلمانوں کے گھروں کو لوٹا جلایا اور برباد کیا تھا۔ بچوں اور عورتوں کو مارا تھا۔ آج قدرت ان سے انتقام لے رہی ہے۔ وہ اپنے گھروں کو خود چھوڑ کر آئے تھے۔ یہاں آکر لوٹے گئے تھے۔ ان کی عورتیں بھگائی جا رہی تھیں اور جب انہوں نے انتقام کے جوش میں وہی حرکتیں ان شہر والوں کے ساتھ شروع کیں۔ جن کے پاس وہ پناہ لینے آئے تھے تو ہنگامے شروع ہو گئے۔ لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ چونکہ احکام پولیس اور فوج شہریوں کی طرف داری کرتے تھے۔ اس لیے پناہ گزین پکڑے جاتے تھے۔ اس طرح وہ برباد ہو رہے تھے۔

بطروہ ان سے تنگ آ گیا تھا۔ اس نے انہیں بڑے شہروں سے نکلوا دیا اور غیر آباد جنگلوں میں بسنے کا حکم دیا۔ اگرچہ وہ بسنا نہ چاہتے تھے۔ مگر حکومت کا کیا مقابلہ کرتے۔ مجبوراً بسنا پڑا۔ مسلمانوں کی لوٹی ہوئی دولت ان کی گھر کی پونجی کو بھی لے گئی اور وہ مفلس کلانچ ہو گئے۔

چونکہ اسلامی لشکر عیسائی سرحد میں برابر بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اس لیے بطروہ کو بڑا فکر ہوا۔ اس نے شیخ الغزاۃ کے پاس صلح کے لیے پیغام بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا۔ مجھے صلح کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ صرف لڑنے کا ہے۔ صلح کرنا چاہتے ہو تو خلیفۃ المسلمین سے رجوع کرو۔

جس روز شیخ الغزاۃ کا یہ جواب بطروہ کے پاس پہنچا۔ اس روز اراکر اس کے پاس موجود تھی۔ اراکر نے کہا۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ جنگ سے صلح بہتر ہے۔ لیکن تم نے جنگ کو ترجیح دی۔ اب ملک برباد ہو رہا ہے۔ مسلمان بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ انہیں روکنے کی کوئی صورت نہیں۔ عیسائیوں کی جمعیتیں جواب دے چکی ہیں۔ اب کیا ہو گا؟"

بطروہ: تم نے صحیح مشورہ دیا تھا۔ لیکن میں عیسائیوں کو ایسا بزدل نہیں سمجھتا

تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اسلامی لشکر بہت تھوڑا ہے۔ اگر عیسائی ہمت کرتے اور اس لشکر کا خاتمہ کر ڈالتے تو ہم اس غرناطہ میں داخل ہو جاتے۔ جو عالیشان محلوں، عمدہ باغیچوں اور خوشنما باغوں کی وجہ سے رشک ارم بنا ہوا ہے۔

اراکر: اب کیا ارادہ ہے۔

بطروہ: سلطان سے صلح کرنے کی درخواست کے سوائے اور کیا ارادہ ہو سکتا ہے۔

اراکر: کیا تم مستقل صلح کرنا چاہتے ہو۔

بطروہ: نہیں۔ میرے دل میں غرناطہ فتح کرنے کی تمنا ہے۔ میں اس وقت کے لیے صلح کرنا چاہتا ہوں اور صلح کرتے ہی مقدس پوپ سے امداد کی درخواست کروں گا۔ اگر پوپ نے صلیبی جنگ کا اعلان کر کے یورپ کے تمام عیسائی بادشاہوں کو میری مدد پر آمادہ کر دیا اور ہر ملک سے تھوڑی تھوڑی فوجیں بھی آ گئیں تو مسلمانوں کا کس بل نکال دوں گا اور غرناطہ پر قبضہ کر لوں گا۔

اراکر: لیکن مقدس پوپ آپ کی درخواست کیونکر منظور کر لیں گے۔

بطروہ: روپے سے سب کام ہو جاتے ہیں۔ جہاں میں نے اشرفیاں نذرانے میں بھیجیں اور پوپ نے صلیبی جہاد کا اعلان کر دیا۔

اراکر: نہ معلوم کیوں، میرا دل کہتا ہے کہ غرناطہ کے مسلمانوں پر فتح پانا ناممکن ہے۔

بطروہ: چونکہ ہمیں اس وقت تک شکست ہوتی رہی ہے۔ بس تمہارا ایسا خیال ہے۔ لیکن جب عیسائی دھیان کر یلغار کریں گے۔ تب دیکھو گی کہ مسلمان اور ان کا سلطان ہمارا ہرگز بھی مقابلہ نہ کر سکیں گے۔

اراکر: کیا غرناطہ کا بادشاہ بھی اپنے ہم قوم بادشاہوں سے مدد حاصل کرے گا؟

بطروہ: کوئی مسلمان بھی ان کی مدد نہ کرے گا۔

اراکر: میرا خیال ایسا نہیں ہے۔

بطروہ: تم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گی۔

بطروہ نے ایک سفارت سلطان ابو الولید کی خدمت میں صلح کا پیغام لے کر بھیجی

جب یہ وفد سلطان کے دربار میں پہنچا تو دربار کی زینت اور آراستگی اور سلطان کا جاہ و جلال دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ اس وفد کے عیسائیوں پر کچھ ایسا رعب چھایا کہ منہ سے بات نہ نکل سکی۔

سلطان نے جب انہیں تسلی دی۔ تب وہ اپنا مطلب ظاہر کر سکے۔ سلطان نے کہا۔ زیادتی تمہارے بادشاہ نے کی ہے۔ اسی نے چڑھائی کی۔ مسلمانوں کو رسوا کیا۔ اب وہ ہم سے صلح کا خواہشمند ہے۔ ضرور اس میں کوئی راز ہے۔"

سلطان! خیر کوئی راز ہو یا نہ ہو۔ ہم بھی لڑائی کو پسند نہیں کرتے۔ اگر تمہارا بادشاہ تاوانِ جنگ ادا کرے اور یہ حلف اٹھائے کہ وہ آئندہ چڑھائی نہ کرے گا۔ تو ہم صلح کو منظور کرتے ہیں۔"

میر وفد نے بطروہ کی عرضداشت پیش کی۔ اس میں عہد کیا گیا تھا کہ وہ آئندہ کبھی سلطان پر چڑھائی نہ کرے گا۔ سلطان نے وہ عرضداشت سن کر فرمایا۔ "ہم ان کا اعتبار کرتے ہیں۔

تاوانِ جنگ کا بھی فیصلہ ہو گیا۔ اس وفد نے نصف تاوانِ جنگ اسی وقت ادا کر دیا۔ سلطان نے کہا۔ "جو مسلمان مرد، عورتیں اور بچے تمہارے بادشاہ کے پاس قید ہیں۔ باقی تاوانِ جنگ کے ساتھ انہیں بھیج دو۔ ہم لشکر واپس بلا لیں گے۔

وفد واپس چلا گیا اور چند ہی روز بعد بقیہ نصف تاوانِ جنگ اور مسلم قیدی لے کر آیا۔ سلطان نے شیخ الغزاۃ کو لکھ دیا کہ وہ واپس چلے آئیں۔ اس طرح بطروہ کو دب کر صلح کرنی پڑی۔

(۴۴)

جشنِ صحت

اب ریحان کو آرام ہونے لگا۔ ان کی زندگی کو جو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ وہ جاتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ زہرہ اور حسانہ نے ان کی تیمارداری میں بڑی جان فشانی کی۔ رات اور دن ایک کر ڈالے۔ اپنے آرام اور راحت کو بھلا دیا۔ اکثر دونوں رات بھر بیٹھی جاگتی رہیں۔ نہ کھانے کی پرواہ کی نہ سونے کی۔ یا تو دعائیں مانگتی۔ یا ان کی نگہداشت کرتیں۔

اب جبکہ ریحان خطرہ سے نکل آئے۔ آرام ہونا شروع ہوا۔ ان کی حالت بہتر ہونے لگی۔ ان کے چہرے کی زردی سرخی سے بدلنے لگی۔ تو سب سے زیادہ خوشی بھی ان دونوں ہی کو ہوئی۔ اب رات کو نگہداشت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ معمولی زخم تو بالکل اچھے ہو گئے تھے اور گہرے زخموں کے منہ بند ہو گئے تھے۔ بخار جاتا رہا تھا۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگے تھے۔ کبھی کبھی باغیچہ میں بھی ہو آتے تھے۔

شیخ یعقوب کو بھی ان کی صحت سے بڑی خوشی ہوئی تھی۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں کو بھی مسرت تھی کہ انہوں نے ریحان کو جو کیوساڈا کے فاتح تھے اور جن کی بہادری اور دلیری کی شہرت ہو گئی تھی۔ موت کے چنگل سے چھڑا لیا تھا۔ خلیفۃ المسلمین بھی انہیں ایک مرتبہ دیکھنے آئے تھے۔ ان کی حالت دیکھ کر خوش ہوئے تھے۔ ریحان نے ان کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا تھا۔ شیخ یعقوب کے تمام قبیلہ والوں کو بھی بڑی خوشی ہوئی تھی۔ غرض ان کے صحت یاب ہونے سے سب ہی خوش ہوئے تھے۔

ایک روز ریحان باغیچہ میں گھوم رہے تھے۔ وہ سرو اور شمشاد کے درختوں کی قطاروں کے

پیچھے سے ہو کر اس قطعے میں پہنچے جس میں گلاب لالہ جوہی سوسن رائے بیل اور بیلے
کے تختے تھے۔ موسم بہار شروع ہو گیا تھا۔ پودوں پر کلیاں غنچے اور پھول جھوم رہے
تھے۔ بھینی بھینی خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ سنگ مرمر کی نالیوں میں صاف پانی بہہ رہا تھا۔

انہوں نے نرگس کے تختے میں نزہون کو کھڑے دیکھا۔ وہ اس وقت کتان کے کپڑے
پہنے ہوئے تھی۔ اس کی چاند سی صورت پر آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی تھیں۔ وہ جگہ اس
کے حسن سے منور ہو رہی تھی۔ ریحان اس پیکر کو دیکھنے لگے۔ اتفاق سے نزہون کی نگاہ
بھی ان پر جا پڑی۔ وہ شرما گئی۔ شرم نے اس کی رعنائی اور دلربائی کو اور بڑھا دیا۔ اس نے
حیا سے نظریں جھکا لیں۔

ریحان اس کے قریب پہنچے۔ انہوں نے کہا، "نرگس کے پھولوں کو کیا دیکھ رہی ہو نزہون؟
ان میں وہ خوبیاں کہاں جو تمہاری۔"

وہ کہتے کہتے رک گئے۔ انہیں شبہ ہوا کہیں نزہون خفا نہ ہو جائے۔ نزہون نے شرمیلی
نظروں سے ان کی طرف دیکھ کر کہا، "تم یہاں کیسے آ گئے؟"

ریحان: کیا کہوں۔ کہنے کو تو اسے اتفاق سے کہہ سکتے ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ
بات نہیں ہے۔

نزہون: اور کیا بات ہے۔

ریحان: بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر سچ کہہ دی جائیں تو شاید دوسروں کو بری
معلوم ہوں۔

نزہون: مگر بولنا تو سچ ہی چاہیے۔

ریحان: تو سچ یہ ہے کہ مجھے کشش کھینچ لائی۔ جا رہا تھا اور طرف اور نکل آیا
اس طرف۔

نزہون: جی

ریحان: اب تمہیں یقین نہیں آیا۔ مگر مجھے یہ خوشی ہے کہ تم خفا نہیں ہوئیں۔ نزہون
نے نگاہ ناز سے ان کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔ اس وقت وہ ریحان کو اور بھی

دلربا معلوم ہوئی۔ انہوں نے کہا، "میں اب تک تمہارا شکریہ بھی تو نہیں ادا کر سکا ہوں۔
نزہون۔"

شکریہ۔ نزہون نے اس طرف دیکھا۔ اس کی نظریں ریحان کے دل میں اتر گئیں۔
اس نے کہا، "کس بات کا شکریہ؟"

ریحان: اس بات کا کہ جب میری زندگی اور موت میں کشمکش ہو رہی تھی تو تم نے
مسیحائی کی۔ میری صحت تمہاری کوششوں کا نتیجہ ہے۔

نزہون: میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔

ریحان: اور اس فرض کی ادائیگی ہی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

نزہون نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ تم نے بھی تو ایک فرض ادا کیا تھا۔

ریحان: اس فرض کی ادائیگی ہی نے میری زندگی کو دلکش کر دیا ہے۔

خوب۔ نزہون نے کہا اور کچھ اس ادا سے مسکرائی کہ گل و غنچے تک مسکرا پڑے
ریحان دیکھتے رہ گئے۔

ریحان اس گل تر سے کہنا تو بہت کچھ چاہتے تھے لیکن کہہ نہیں سکتے تھے۔ یوں وہ دلیر
تھے۔ بہادر تھے۔ اچھے مقرر تھے ایسے نڈر تھے کہ بادشاہوں سے باتیں کرتے نہ گھبراتے
تھے۔ مگر نزہون کے سامنے ان کی دلیری اور بہادری کوچ کر جاتی تھی۔ منہ سے بات نہ
نکلتی تھی۔ طرح طرح کے اندیشے لاحق ہو جاتے تھے۔

نزہون نے کہا، "اب تو تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے۔"

ریحان: اگر تلواروں کے زخموں کو پوچھتی ہو تو وہ اچھے ہو چکے ہیں۔ لیکن" وہ
نزہون کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ بھی انہیں دلفریب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ریحان
نے انہیں کچھ ایسی گرم نظروں سے دیکھا کہ وہ محجوب ہو گئی۔

اس نے کہا، "مجھے بہت کچھ کام کرنے ہیں" اور چل پڑی۔

ریحان اسے روکنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اسے خرام ناز سے جاتے ہوئے دیکھتے
رہے۔

نزہون تھوڑی ہی دور چلی تھی کہ سامنے سے حسانہ آتی ہوئی ملی۔ اس نے کہا۔ کہاں چلی گئی تھیں۔ تم میں تلاش کرتی کرتی تھک گئی۔

نزہون: میں اسی طرف چلی آئی تھی۔

حسانہ نے ریحان کو دوسری طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ اس نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ اچھا یہ بات ہے۔

نزہون نے بھی ریحان کو جاتے ہوئے دیکھا۔ وہ حسانہ سے آنکھیں چار نہ کر سکی۔ حسانہ نے کہا۔ "یہ تم ان کے پیچھے کیوں پھر رہی ہو۔"

نزہون کیا جواب دیتی اس شوخ حسینہ کو۔ مگر کچھ نہ کچھ تو کہنا ضروری ہی تھا۔ اس نے کہا وہی آ گئے تھے۔

حسانہ: ٹھیک ہے۔ چلو وہ آ گئے ہوں یا تم آ گئی ہو۔ اچھا ہی ہے۔ وہ ہنس پڑی۔

نزہون نے مسکرا کر کہا۔ "بڑی شوخ ہو۔"

دونوں وہاں سے چل پڑیں۔

چونکہ ریحان بالکل تندرست ہو گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے غسل صحت کیا۔ شیخ یعقوب نے اس روز کافی خیرات کی۔ ایک عام دعوت بھی کی۔ اس دعوت میں شہر کے معزز لوگوں کو مدعو کیا۔ امیروں کی بیگمیں بھی آئیں۔ حسانہ نے شہزادیوں کو بھی مدعو کیا وہ بھی شریک ہوئیں۔ اس روز اس قصر میں بڑی رونق رہی۔ جب شہزادیاں کنیزوں کی پلٹن کے ساتھ آئیں تو رونق میں اور اضافہ ہو گیا۔

دونوں شہزادیوں کو حسانہ اور نزہون سے بڑی محبت ہو گئی تھی۔ جب ان دونوں شاہزادیوں کو سلام کیا تو وہ سلام کا جواب دے کر ان سے بغلگیر ہو گئیں۔ حفصہ نے کہا تم دونوں سے ملنے کو بڑا جی چاہ رہا تھا۔ خدا نے خوشی کا موقع پیدا کر دیا۔ ہم آ گئیں۔ اب تمہیں آنا ہوگا۔

حسانہ: یہ تو آپ نے میرے دل کی بات کی۔ مجھے قصر الحمرا دیکھنے کی بڑی تمنا تھی۔

صفیہ نے مسکرا کر کہا۔ اگر قصر الحمرا کو فردوس سمجھو تو اس میں حوروں کی کسر ہے تم

دونوں کے جانے سے وہ کمی پوری ہو جائے گی۔

حسانہ: اللہ اللہ تم جیسی حوروں کے ہوتے ہوئے بھی حوروں کی کمی ہے۔

حفصہ: ہم نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ تم کافی شوخ ہو۔ جب پہلے ہم نے دیکھا تھا تو تم بھائی کی وجہ سے غمگین اور پریشان تھیں۔ لیکن اب خوش ہو خدا کا شکر ہے۔

حسانہ: مجھے یہ فخر ہے کہ حکمران الحمرا نے ہمیں سب کو نوازا۔

حفصہ: شیخ الغزاۃ کے واپس آنے پر فوجی کھیل ہوں گے۔ زنانہ مشاعرہ بھی ہوگا۔ ہم اس کی شرکت کے لیے تمہیں دعوت دیتے ہیں۔

حسانہ: میں اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کر کے بڑے فخر سے اس دعوت کو منظور کرتی ہوں۔

رات کو کھانا کھا کر مہمان رخصت ہونے لگے۔ شہزادیاں بھی رخصت ہو گئیں۔ جب سب عورتیں اور لڑکیاں چلی گئیں۔ تب ریحان قصر کے اندر پہنچے۔ وہ بڑے کمرے میں داخل ہوئے۔ وہاں نزہون بیٹھی تھی۔ اس نے اس وقت اپنا بہترین لباس پہن رکھا تھا۔ بڑی حسین معلوم ہو رہی تھی۔ ریحان نے کہا۔ "اچھا تم یہاں ہو۔"

نزہون نے ان کی طرف دیکھا اور کہا۔ "جی" وہ جلدی سے اٹھ کر چلی گئی۔ ریحان اسے دیکھتے رہ گئے۔

٭

(۲۵)

شاعر بننے کی تمنا

شہزادی حفصہ نے درست کہا تھا۔ سلطان کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ شیخ الغزاۃ ان کے لشکر کے واپس آنے پر بہادری کے کرتب اور فوجی کھیل ہوں گے۔ اکثر ایسے کھیل ہوتے تھے۔ ان کھیلوں میں مسلم یعنی عیسائی اور یہودی سب شرکت کرتے تھے۔ تمام شہر ان کھیلوں کو دیکھنے کے لیے اُمنڈ آتا تھا۔ اول نمبر رہنے والوں کو انعام اور خلعتیں ملتیں۔

قصر الحمرا میں مشاعرے ہوتے، جوشیلی اور تقریروں کے مقابلے ہوتے۔ ان مشاعروں اور مقابلوں میں صرف عورتیں اور لڑکیاں حصہ لیتیں۔ شاہی بیگمات جج بنتیں۔ وہ انعامات تجویز کرتیں اور ملکہ یا شہزادیاں انعامات تقسیم کرتیں۔

ملکہ کی طرف سے بہادری کے کرتبوں اور فوجی کھیلوں کے موقع پر زنانہ مشاعرہ، جوشیلی اور تقریروں کے مقابلہ کا اعلان ہو گیا تھا۔ مرد اپنے فن کی اور عورتیں اور لڑکیاں اپنے فن کی مہارت اور مشق کرنے لگیں۔

حسانہ: جب تک ریحان اچھے نہ ہو گئے ان کی دوا اور تیمارداری میں مصروف رہی اور جب وہ اچھے ہو گئے تو اس نے ایک پر زور نظم لکھی۔ اس نظم میں عیسائیوں کی چیرہ دستیاں، سفاکیاں اور مظالم کی دردناک داستان کے بعد مسلمانوں کی یورش، ان کی دلیرانہ جنگ اور کیوساڈا کی فتح کے حالات بیان کیے گئے تھے۔ ان حالات کے ضمن میں ریحان کے زخمی ہونے کا بھی ذکر تھا۔ حسانہ نے یہ نظم ریحان کے غسل صحت کے موقع پر پڑھی تھی۔

ایک تو نظم اچھی تھی۔ دوسرے حسانہ نے ترنم کے ساتھ پڑھی۔ اس کی آواز میں بڑی

شیرینی تھی۔ سننے والوں کو وجد آ گیا تھا۔ شہزادیوں نے بھی سنی تھی۔ انہیں بھی بہت پسند آئی تھی۔ نزہون کو تو اس قدر پسند آئی تھی کہ اس نے اس گل رخ کا منہ چوم لیا تھا۔ ریحان نے بھی اسے بہت پسند کیا تھا۔ غرض اس نظم سے اس کی قصر الحمرا میں شہرت ہو گئی تھی۔ غرناطہ کے باشندوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ عیسائیوں نے صلح کر لی ہے اور شیخ الغزاۃ واپس آ رہے ہیں۔ لوگ ان کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ حسانہ نے ایک اور نظم لکھنی شروع کر دی تھی۔ لیکن وہ اس نظم کو کسی کو سناتی نہ تھی۔ وہ یہ نظم اس مشاعرہ کے لیے لکھ رہی تھی۔ جو قصر الحمرا میں منعقد ہونے والا تھا۔

ایک روز نزہون اپنے کمرے میں بیٹھی کچھ غور کر رہی تھی کہ ریحان آ گئے۔ ان کے آنے کی خبر نہیں ہوئی۔ وہ بڑی بے تکلفی سے بیٹھی تھی۔ اس کے سینے سے دوپٹہ کا آنچل ہٹا ہوا تھا۔

ریحان نے ایک نظر اس گل رعنا کے سراپا پر ڈالی اور پوچھا۔ کیا حسانہ نہیں ہے یہاں؟

نزہون ایک دم چونک پڑی۔ اس نے ہرنی جیسی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اٹھا کر ریحان کو دیکھا۔ اسے خیال آ گیا تھا کہ اس کے سینے سے دوپٹہ سرکا ہوا ہے۔ اس نے جلدی سے سینے پر آنچل کھینچ لیا اور کہا۔ نہیں، وہ تو یہاں نہیں ہیں۔

ریحان۔ معاف کرنا شاید تم ڈر گئیں۔

نزہون: جی۔ ڈری نہیں، میں کچھ سوچ رہی تھی۔ دفعتاً تمہاری آواز سنی چونک پڑی۔

ریحان: شاید اشعار موزوں کیے جا رہے ہوں گے۔

نزہون۔ جی ہاں۔ شاعرہ بننے کی کوشش کر رہی ہوں۔

ریحان: کاش مجھے بھی شاعری آتی ہوتی۔

نزہون: زیر لب مسکرائی اس نے کہا۔ لیکن تم تو شاعری کو اچھا نہیں بتاتے۔

ریحان: کیسے جانا تم نے؟

نزہون: حسانہ کہتی تھی۔

ریحان: میں اسے چھیڑنے کے لیے کہتا رہتا ہوں۔ ورنہ مجھے تو بڑا ارمان ہے کہ

میری بہن اس زمانہ کی زبردست شاعرہ ہے۔

نزہون: خود میرا بھی خیال تھا۔

ریحان: مگر شاعر ہو کیسے جاتے ہیں۔

نزہون کھل کر مسکرائی۔ اس کے موتیوں جیسے سفید دانت حسین گلابی لبوں کے کھلنے سے نظر آئے۔ بجلی سی کوند گئی۔ اس نے کہا۔ شاعری بہت مشکل ہے۔ بہت ہی مشکل۔ یہ تلوار کا فن نہیں ہے کہ ذرا سیکھا اور آ گیا۔

ریحان: حقیقت یہ ہے کہ ہم مرد جب تلوار کا فن سیکھتے ہیں تب آتا ہے اور ایک عورت ہیں کہ بغیر سیکھے ہی حاصل کر لیتی ہیں۔

نزہون نے ذرا تیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔ کیا مطلب اس سے تمہارا؟ اس کی حسین پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ بھنویں تن گئی تھیں۔ ریحان ڈر گئے۔ وہ سمجھے وہ سیم تن خفا ہو گئی۔ محبوب کی خفگی روح تک کو تحلیل کر دیتی ہے۔ بہادر سے بہادر آدمی بھی لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ ریحان بھی کانپ گئے۔ انہوں نے کہا ”معاف کیجیے۔ میں ذرا اجڈ قسم کا آدمی ہوں۔ غلطی ہو گئی۔ نزہون نے نظریں جھکا لیں۔ ریحان کو ایسا معلوم ہوا جیسے بچارے جھک گئے انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ نزہون نے کہا۔ ”تمہیں شاید عورتوں سے تعصب ہے۔“

ریحان: توبہ کیجیے۔ میں جانتا ہوں کہ عورت باغ عالم کا وہ پھول ہے جس کی وجہ سے کائنات میں رونق اور دلکشی ہے اگر عورت نہ ہوتی تو دنیا اندھیرا اور بے کیف ہو کر رہ جاتی۔

نزہون مسکرائی۔ ریحان کی جان میں جان آئی۔ اس وقت کمرے کے باہر ہلکے قدموں کی چاپ ہوئی۔ ریحان نے گھوم کر دیکھا۔ انہیں حسانہ آتی ہوئی نظر آئی۔ انہوں نے کہا۔ ارے تم اب آئی ہو۔ میں یہاں تمہاری ہی تلاش میں آیا تھا۔

حسانہ نے انہیں شوخ چنچل نظروں سے دیکھا۔ ریحان ایسے ہو کر رہ گئے جیسے چوری کرتے پکڑے گئے ہوں۔ انہوں نے کہا۔ مجھے بھی شاعری سکھا دو گی حسانہ؟

حسانہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ شاعری میں یہ نزہون تو مجھ سے بھی آگے بڑھ گئی ہیں۔ میں نہ سکھا سکی تو یہ سکھا دیں گی۔

حسانہ نے شرارت آمیز شوخ نگاہوں سے نزہون کو دیکھا۔ وہ اس شریر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے جلد ہی نظریں چرا کر جھکا لیں۔ ریحان نے کہا ”میں بھی شاعری سیکھوں گا۔ کوئی بھی سکھا دے۔

وہ چلے گئے روانہ نزہون کی طرف بڑھی۔ وہ شرم سے کٹی جا رہی تھی۔ حسانہ نے کہا ”یہ خادمہ سلام عرض کرتی ہے۔“

نزہون نے شرمیلی نظروں سے اس شوخ و شنگ کو دیکھ کر کہا۔ خدا تمہاری دلی مراد پوری کرے۔“

یہ کہہ کر وہ مسکرائی۔ حسانہ نے ہنس کر کہا۔ شاید اسی طرح جس طرح تمہاری مراد پوری ہو گئی۔

نزہون: میری کوئی مراد ہی نہیں تھی۔

حسانہ: کیا پہلے ہی اقرار کر لیا تھا۔

نزہون: کس بات کا؟

حسانہ: بیاہ رچ جانے کا۔

نزہون: دہت، پھر وہی۔

حسانہ: اب کیا اقرار کیا ہے۔

نزہون: بہت شریر ہو گئی ہو تم۔

حسانہ: جانتی ہوں تم مجھے کچھ نہ بتاؤ گی۔

نزہون: کوئی بات ہو تو بتاؤں۔

حسانہ: اچھا، ان سے کوئی اقرار لینا چاہتی ہوں گی۔ میں بے موقع آ گئی۔ مگر تم نے مجھے اشارہ کیوں نہ کر دیا۔ میں دروازہ ہی سے واپس لوٹ جاتی۔

نزہون: شرارت سے باز نہ آؤ گی۔

حسانہ: اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔ مگر یہ تو بتاؤ یہ تم نے انہیں شاعر بننے پر کیوں مجبور کر دیا۔

زہرہون: میں نے ؟

حسانہ: جی نہیں کسی اور نے۔ ہائے بیچارے شاعر بنتے چلے ہیں۔ شاید اس لیے کہ تمہارا حسین سراپا لکھ سکیں اور اپنے جذبات کا اظہار اشعار کے ذریعے سے کر لیا کریں۔ مگر بی بنو، کہیں وہ شاعر بنتے بنتے کچھ اور نہ بن جائیں۔ تمہاری چشم فسوں ساز سے خدا بچائے بچ رہے۔

زہرہون: تمہیں مانو گی۔

حسانہ: ماننا ہی پڑے گا۔ بڑی بھاوج کا کہا کون نہیں مانتا۔

زہرہون: بڑی شوخ ہوتی جا رہی ہو۔ یاد رکھنا کسی روز ایسا بدلہ لوں گی کہ سب شرارت ورارت بھول جاؤ گی۔

حسانہ ہنسنے لگی۔ زہرہون بھی مسکرا دی۔ ان کے چہروں کی سرخی اور آنکھوں کی چمک سے وہ کمرہ حسن کی تنویر سے بھر گیا۔

ایک روز اطلاع آئی کہ شیخ الغزاۃ قریب آ گئے ہیں۔ خاص رسالے ان کے استقبال کے لیے بھیجے گئے۔ شہر سجایا جانے لگا۔ ہر مسلمان بڑی خوشی سے استقبال کی تیاریاں کرنے لگا تھا۔ غرناطہ میں خوشی کی لہر دوڑ رہی تھی۔ مسلمانوں کے چہرے خوشی سے چمک رہے تھے۔

آخر وہ دن بھی آ گیا۔ جب شیخ الغزاۃ اور ان کا فاتح لشکر بڑے شان و وقار کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ مسلمانوں نے ان کا نہایت شاندار استقبال کیا۔ مردوں نے اللہ اکبر کے پُرشور نعرے لگائے اور بچوں اور عورتوں نے مجاہدین پر بالاخانوں سے پھولوں کی بارش کی۔ تمام غرناطہ مسرت آمیز قہقہوں سے گونج اٹھا۔

(۳۶)

ابنِ احمر

شیخ الغزاۃ اور ان کے فاتح لشکر کے آنے سے شہر غرناطہ میں بڑی گہما گہمی ہو گئی۔ فاتح مجاہدین کے عزیز و اقربا جو جیان مالقہ اور بلنشیہ وغیرہ کے نواح کے رہنے والے تھے اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیے دوڑ آئے۔ ان کے آنے سے شہر غرناطہ کی رونق دوبالا ہو گئی۔

اس کے بعد سلطان کی طرف سے فوجی کرتبوں کی نمائش کا اعلان کر دیا گیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی یہ بھی اشتہار دیا گیا کہ اس نمائش کے موقع پر عیسائی قیدی بھی فروخت کیے جائیں گے اور نمائش پندرہ روز تک رہے گی۔ نمائش کی تاریخیں بھی مقرر کر دی گئیں۔ باہر سے ان معززین اور عوام کی آمد شروع ہو گئی جو اس نمائش میں شرکت کرنے کی غرض سے آئے تھے۔ ہر شخص اپنے اہل و عیال کو بھی اپنے ساتھ لایا تھا اور امیر لوگ اہل و عیال کے علاوہ غلاموں اور کنیزوں کی پلٹنیں بھی ساتھ لائے تھے۔ ان کے آنے سے غرناطہ میں لوگوں کا وہ اژدہام ہوا کہ ہر وقت بازاروں سڑکوں، چوکوں اور گلیوں میں سفید پوش مسلمان اس قدر آتے جاتے کہ کھوے سے کھوا چھلتا۔

صبح اور شام کے وقت بیگمیں اور ان کی کنیزیں الھڑ دوشیزائیں اور عام عورتیں چہروں پر حسین نقابیں ڈال کر زرق برق لباس میں سواریوں پر اور پیدل اس کثرت سے نکلتیں کہ مردوں کو چلنا دشوار ہو جاتا۔

اس زمانہ میں یہ دستور تھا کہ عورتوں کو سامنے یا پیچھے سے آتے ہوئے دیکھ کر

مرد ایک طرف ہٹ جاتے تھے اور اپنی نگاہیں جھکا لیتے تھے۔ کیا مجال ہو کوئی کسی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ عورتیں بڑی بے تکلفی سے گزر جاتیں۔

سوداگروں اور دکانداروں کی بن آئی تھی۔ ہر دکان پر خریداروں کا ہجوم ہر وقت لگا رہتا۔ باہر سے بہت سے سوداگر بیش قیمت مال لے کر آتے تھے۔ ان کی چیزیں بھی کثرت سے اور اچھے داموں پر فروخت ہو رہی تھیں۔ ہر دکاندار اور سوداگر دونوں ہاتھوں سے دولت بٹورتا تھا۔

نمائش کے لیے وہ میدان تجویز ہوا تھا جو قصر الحمرا کی پشت پر واقع تھا۔ نہایت وسیع میدان تھا۔ اتنا وسیع تھا کہ بیس پچیس ہزار سپاہ اس میں آسانی سے سما جاتی تھی۔ پیادوں کی ترتیب اور فوجی فنون اسی میدان میں ہوا کرتے تھے۔ اس میدان کی طرف قصر الحمرا کے جھروکے کھلتے تھے۔ ملکہ، شہزادیاں اور بیگمات ان جھروکوں میں بیٹھ کر دلیرانہ کرتبوں کا ملاحظہ کیا کرتی تھیں۔

قصر الحمرا نہایت عالیشان اور بہت وسیع محل تھا۔ اس کی لمبائی ۸۰۰ گز یعنی نصف میل تقریباً تھی۔ دو فرلانگ سے زیادہ چوڑائی تھی۔

غرناطہ کے قریب ایک پہاڑ ہے جو دور تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس پہاڑ کو اسپین والے کوہ سیرا نویڈا اور مسلمان جبال القمر کہتے تھے۔ اس کی چوٹیاں ہمیشہ برف پوش رہتی تھیں۔ اس جبال القمر کے دامن میں نہایت وسیع اور سرسبز و شاداب میدان ہے۔ اس میدان کو ویگا کہتے ہیں۔ ویگا کے کنارہ پر ایک طرف شہر غرناطہ ہے اور دوسرے کنارہ پر قصر الحمرا واقع ہے۔ یہ بے نظیر قصر ایک موزوں اور بلند سطح مرتفع پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کے دامن میں شمال کی جانب دریائے ڈارو بہتا ہے۔ اس دریا سے نہریں کاٹ کر قصر الحمرا میں لائی گئی ہیں۔ یہ عمارت عجوبہ روزگار تھی اور دنیا کے ہفت عجائبات عالم میں شمار ہوتی تھی۔

اس قصر کی تعمیر ایک ایسے شخص نے شروع کی جو ایک زمانہ میں نہایت ہی مفلس و نادار تھا۔ جس کے افلاس کا یہ عالم تھا کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے مشکل سے

کھانے پینے کا سامان مہیا کرتا تھا۔ اکثر فاقے گزر جاتے تھے۔ اس شخص کا نام محمد نصر بن یوسف تھا اور جو ابن احمر کے نام سے مشہور تھا۔ اگرچہ وہ نہایت شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور اس کا سلسلہ نسب حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ لیکن فقر و فاقہ نے عالی نسبی کو چھپا رکھا تھا۔ وہ اسپین کے ایک گاؤں میں جس کا نام ارجونہ تھا۔ رہتا تھا اور جو غرناطہ سے کچھ فاصلہ پر واقع تھا۔ وہ معمولی کاشتکار تھا۔ اس کے پاس صرف ایک کھیت تھا اور اس کھیت کی پیداوار پر اس کی گزر کا انحصار تھا۔ عسرت کا یہ حال تھا کہ زمین جوتنے کے لیے بیل نہ تھے۔ پھاوڑہ سے کھدائی کر کے جنس بوتا اور کاٹ لیتا۔ مگر باوجود افلاس اور تنگ دستی کے وہ ہمیشہ اپنی بیوی اور بچوں سے کہا کرتا تھا کہ خدا مجھے اس مشکل میں ہمیشہ نہ رکھے گا۔ کیونکہ میں اس کی عبادت کرتا ہوں اس سے ڈرتا ہوں۔ میں نے ایسا کوئی گناہ بھی نہیں کیا ہے۔ جس سے پشیمان ہونا پڑے۔ ایمانداری اور دیانتداری سے کام کرتا رہا ہوں۔ خدا ضرور میری حالت بدلے گا اور انشاء اللہ میں اچھے دن بھی دیکھوں گا۔

ان ہی ایام میں ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص لوشی نامی کے پاس ایک نہایت عمدہ نسل کی گھوڑی تھی۔ جو بڑی تیز رفتار تھی جو کوئی بھی اسے دیکھتا بہت زیادہ پسند کرتا اور اسے خریدنے کی تگ و دو شروع کر دیتا۔ لیکن لوشی اسے فروخت کرنا نہ چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ اس گھوڑی کی شہرت ہو گئی اور دور دور سے گھوڑوں کے سوداگر اور شوقین لوگ آنے لگے۔

ایک روز ایک نصرانی امیر وہاں آ گیا۔ گھوڑی کو دیکھتے ہی وہ اس پر ایسا لٹو ہوا کہ بیش قیمت پر خریدنے کو تیار ہو گیا۔ چنانچہ اس نے گفتگو شروع کی۔ لوشی نے گھوڑی فروخت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ مگر نصرانی نے انہیں اس قدر مجبور کیا کہ انہیں اس کی قیمت بتانی ہی پڑی۔ انہوں نے اس قدر زیادہ قیمت مانگی جسے نصرانی ادا نہ کر سکا اور اس روز گفتگو ناتمام رہ گئی۔

ـــــــ

لہ از سفرنامہ اندلس صفحہ ۲۲۲ مرتبہ قاضی ولی محمد صاحب

اسی رات کو لوشی نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ ان سے کہہ رہے ہیں کہ صبح ہوتے ہی تم یہ گھوڑی ارجونہ لے جاؤ۔ وہاں محمد بن یوسف نامی ایک کاشت کار رہتا ہے۔ وہ ابنِ احمر کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے ہاتھ یہ گھوڑی فروخت کر دو۔ وہ اندلس کا بادشاہ ہونے والا ہے۔

اسی وقت لوشی کی آنکھ کھل گئی۔ انہیں حیرت ہوئی کہ ابنِ احمر کون ہے۔ خدا کو اس کی کیا بات پسند ہے جو وہ اندلس کا بادشاہ ہونے والا ہے۔ ایک معمولی کاشت کار اور اندلس کا بادشاہ ہو جائے یہ کیسے ہوگا۔ ان ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں وہ پھر سو گئے۔

صبح جب اُٹھے تو رات کا خواب بھول گئے۔ نماز پڑھ کر دوسرے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ کچھ دن چڑھے۔ وہی نصرانی جو گزشتہ روز گھوڑی کی خریداری کی بات چیت کر رہا تھا آ گیا۔ اس کی صورت دیکھتے ہی انہیں گھوڑی کی خریداری کی گفتگو یاد آ گئی اور ساتھ ہی رات کا خواب یاد آ گیا۔

نصرانی اس روز یہ طے کر کے آیا تھا کہ لوشی نے جو قیمت گھوڑی کی رکھی تھی اسی پر اسے خرید لے گا۔ دراصل اسے وہ گھوڑی بہت پسند آئی تھی چنانچہ اس نے پھر خریداری کی گفتگو شروع کی۔ لوشی نے کہا، "کل میرا ارادہ گھوڑی فروخت کرنے کا ہو گیا تھا۔ مگر اب نہیں رہا۔

نصرانی: جو قیمت آپ نے مقرر کی تھی۔ میں وہی دینے کو تیار ہوں۔"

لوشی: معاف کیجیے۔ اب میں کسی قیمت پر بھی گھوڑی فروخت نہیں کر سکتا۔

نصرانی: آخر کیوں؟

لوشی: اب یہ گھوڑی اندلس کے بادشاہ کے ہاتھ فروخت کی جائے گی۔ اس کے بعد انہوں نے نصرانی کو اپنے خواب کا حال سنایا اور اسی وقت گھوڑی پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ جب وہ ارجونہ میں داخل ہوئے تو حسنِ اتفاق سے انہیں سب سے پہلے ابنِ احمر ہی ملے گھوڑی کو دیکھتے ہی ان کا دل پھڑک گیا۔ انہوں نے کہا، "بھئی مسافر گھوڑی بیچتے ہو؟"

لوشی نے کہا، "جی ہاں۔ مگر تمہارا نام کیا ہے؟"

ابنِ احمر: میرا نام محمد بن یوسف بن محمد بن احمر ہے۔ ابنِ احمر کے نام سے مشہور ہوں۔

لوشی فوراً گھوڑی سے نیچے اترے۔ ابنِ احمر کو سلام کیا اور کہا۔ میں نے طے کر لیا ہے کہ یہ گھوڑی آپ ہی کے ہاتھ فروخت کروں گا۔

لیکن ابنِ احمر کے پاس اس قدر دولت کہاں تھی کہ وہ ایسی نایاب گھوڑی خرید سکتے۔

وہ کچھ اداس ہو گئے لوشی نے کہا۔ کیوں اداس اور چپ کیوں ہو گئے۔

ابنِ احمر: اس لیے کہ میرے پاس اس گھوڑی کی قیمت دینے کے لیے رقم نہیں ہے

لوشی: فکر نہ کیجیے۔ جب مجھے یہ گھوڑی آپ کے ہاتھ فروخت کرنی ہے۔ تو میں یہ قسطوں میں لے لوں گا۔

ابنِ احمر: مگر میں قسطیں بھی کہاں سے ادا کر سکوں گا۔ پیٹ کو روٹی تو کھانے کو ملتی نہیں۔

لوشی: اگر آپ قیمت ادا کرنے کے قابل نہ ہو سکیں گے تو نہ کرنا اور اگر آپ اس قابل ہو جائیں تو وعدہ کیجیے مجھے اپنا حاجب (پرائیویٹ سیکرٹری) مقرر کریں گے۔

ابنِ احمر بہت ہنسے۔ انہوں نے کہا۔ حاجب، بادشاہوں کے یہاں ہوتے ہیں۔ میں ایک مفلس کاشت کار ہوں۔

لوشی: خدا آپ پر مہربانی کرنے والا ہے۔ آپ اندلس کے بادشاہ بننے والے ہیں۔

ابنِ احمر نے ایسی نظروں سے لوشی کو دیکھا جیسے انہیں ان کے ہوش و حواس میں کچھ شبہ ہو۔ انہیں یہ تو امید تھی کہ ان کے دن پھریں گے مگر یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ وہ بادشاہ بنے گا۔ انہوں نے کہا۔ بھائی محتاجوں کے ساتھ مذاق نہیں کرتے۔

لوشی: میں مذاق نہیں کرتا۔

انہوں نے اپنے خواب کا واقعہ سنایا۔ وہ بہت متعجب ہوئے۔

انہوں نے کہا: "تب سنو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں اندلس کا بادشاہ ہو گیا تو تمہیں ضرور اپنا حاجب مقرر کروں گا۔"

چنانچہ رشی نے گھوڑی انہیں دے دی اور چلے گئے۔

(۴۳)

غرناطہ پر قبضہ

اس زمانہ میں جس کا ذکر کیا گیا۔ یعنی جب رشی نے محمد نصر بن یوسف کو جو ابن احمر کے نام سے مشہور تھے۔ گھوڑی دی اندلس کے کچھ حصہ پر بنی ہود کی حکومت قائم تھی بنی ہود کی حکومت، موحدین کی سلطنت کے کھنڈرات پر قائم تھی۔

جب موحدین کی سلطنت کا شیرازہ مسلمانوں کی نااتفاقی کی وجہ سے منتشر ہو رہا تھا تو جعفر بن ہود کی اولاد میں سے ایک شخص محمد یوسف جو رئیسانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ وہ قزاقوں کے ایک گروہ میں شامل ہو گئے اور رفتہ رفتہ ڈاکوؤں کے سردار بن گئے۔ یہ ذکر ۶۲۳ھ کا ہے کچھ عرصہ کے بعد جب ان کی قوت بڑھ گئی تو انہوں نے دیہات پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ شہروں پر بھی یورش کرنے لگے۔ آخر انہوں نے مرسیہ کے گورنر ابو العباس پر چڑھائی کی اور انہیں شکست دے کر مرسیہ پر قبضہ کر لیا۔

جب محمد یوسف کے مرسیہ پر قبضہ کر لینے کی خبر مشہور ہوئی تو ابن احمر کے قبیلہ کے لوگ ان کے پاس جمع ہوئے اور ان سے کہا: "اے ابن احمر! کیا تم ساری عمر کاشتکاری ہی کرتے رہو گے۔"

ابن احمر نے کہا: "اور کیا کروں؟"

قبیلہ کے ایک سن رسیدہ شخص نے کہا: "ابن ہود کی طرح تم بھی قسمت آزمائی کرو۔ انہوں نے مرسیہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ تم بھی اٹھو اور ہمیں ساتھ لے کر بڑھو۔ ہم اس زندگی سے تنگ آ گئے ہیں۔"

شیخ: تمہیں معلوم ہے کہ ابن ہود یعنی محمد بن یوسف ایک رئیس تھے۔ ان کے پاس دولت تھی۔ وہ قزاقی میں شامل ہو گئے۔ ڈاکوؤں کے سردار بن گئے۔ انہوں نے دولت جمع کی۔ لشکر بھرتی کیا اور اپنی قوت بڑھائی۔ میں ایک مفلس کاشت کار ہوں۔ کس برتے پر اٹھوں۔ بغیر دولت کے ایسے کام انجام نہیں پا سکتے۔ ہمارے قبیلہ میں کسی کے پاس بھی دولت نہیں ہے۔

شیخ: ہمت کے سامنے دولت کوئی چیز نہیں ہوتی۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگیوں کو مشعلِ راہ بناؤ۔ خدا کا نام لو اور اٹھو۔ تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس دولت نہیں تھی۔ اس زمانے کے مسلمان مفلس اور نادار تھے۔ لیکن ان میں عزم تھا، عقیدہ کی پختگی تھی۔ وہ خدا کا نام لے کر اٹھے اور ایک زبردست اسلامی حکومت کی بنیاد رکھ دی۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا ہمت مردانہ سے کیا۔ تم بھی ہمت مردانہ اور عزم صمیم کے ساتھ اٹھو۔ ضرور خدا تمہاری مدد کرے گا۔

ابن احمر۔ اگر تمام قبیلہ میرا ساتھ دینے کو تیار ہو تو میں موجود ہوں۔ سب نے کہا۔ ہم تمہارے دم کے ساتھ ہیں۔

ابن احمر: اچھا تو سنو، تم سب حیرت کرتے ہو کہ میرے پاس ایسی اچھی گھوڑی کہاں سے آئی۔ آج میں اس گھوڑی کی عجیب داستان بیان کرتا ہوں۔

انہوں نے لوشی کے آنے اور ان کے خواب دیکھنے اور گھوڑی کے خریدنے کا تمام حال بیان کیا۔ لوگوں کو یہ حال سن کر بڑی خوشی ہوئی۔ انہوں نے کہا: "ضرور ہمارے قبیلہ کے دن پھرنے والے ہیں۔ تمام کاشت کاری چھوڑ دو اور سرداری سنبھالو۔"

انہوں نے منظور کر لیا اور یہ طے کیا کہ سب سے پہلے ارجونہ پر قبضہ کر کے اس کے حاکم کو نکال دو۔ چنانچہ اسی روز سے اس بات کی کوشش شروع کر دی گئی اور آخر ایک رات کو ابن احمر نے اپنے قبیلہ کے نوجوانوں کو ساتھ لے کر خروج کیا۔ ارجونہ کے حاکم کو وہاں سے نکال دیا اور خود اس پر قبضہ کر لیا۔

ارجونہ پر قبضہ ہو جانے سے ابن احمر کی طاقت رفتہ رفتہ بڑھنے لگی اور اب انہوں نے

ارجونہ کے مضافات پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

اب ایک طرف محمد بن یوسف نے جو بنی ہود سے تھے اور دوسری طرف ابن احمر نے جنوبی اندلس پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ لیکن محمد بن یوسف کی قوت بڑھی ہوئی تھی۔ اس لئے انہوں نے ۶۲۵ھ میں مالقہ، المیریا اور غرناطہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا اور ۶۲۵ھ میں قریباً تمام اسلامی اندلس پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ مگر بد قسمتی سے مسلمانوں میں نا اتفاقی تھی۔ انہوں نے انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ان کے خلاف شورش جاری رکھی۔ انہوں نے بغداد کی عباسی خلافت کی طرف رجوع کیا اور خلیفہ سے یہ درخواست کی کہ مجھے اندلس کی سندِ حکومت عطا کر دی جائے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ عباسی خلافت کا اثر تمام قبائل پر ہے۔ سندِ حکومت آ جانے سے ان کی مخالفت جاتی رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ عباسی خلیفہ نے سندِ امارت بھیج دی۔ سیاہ خلعت اور سیاہ علم بھی بھیج دیئے۔ مخالفوں کی مخالفت ختم ہو گئی۔ سب نے انہیں مبارکباد دی اور اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔

اس عرصہ میں ابن احمر نے سریش، جیان اور شبیلیہ فتح کر لیے۔ اب ان کی قوت بھی بڑھ گئی۔ مگر جب خلیفہ عباسی نے ابن ہود، محمد بن یوسف کو اندلس کی حکومت کی سند بھیج دی تو انہوں نے بھی ابن ہود کی قیادت تسلیم کر لی اور اس طرح مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی موقوف ہو گئی۔ لیکن اب ایک اور گل کھلا۔ وہ یہ کہ محمد بن یوسف نے اپنے ایک معتقد سپہ سالار ابن الرمیمی کو المیریا کا گورنر مقرر کیا۔ یہ شخص بڑا ہی بد باطن اور مکار تھا۔ اس نے المیریا کی گورنری کا چارج لیتے ہی بغاوت کی۔ محمد بن یوسف خود اس کی سرکوبی کے لیے چلے۔ ابن الرمیمی نے انہیں قتل کروانے کے لیے کچھ لوگ مامور کر دیئے۔ ان میں سے ایک شخص رات کو محمد بن یوسف کے خیمہ میں جا گھسا اور گلا گھونٹ کر انہیں مار ڈالا۔

محمد بن یوسف کے مرتے ہی ابن الرمیمی خود مختار بادشاہ بن گیا۔ یہ واقعہ ۱۳۱ھ کو واقع ہوا۔ محمد بن یوسف کے مرتے ہی پھر مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔

لہ۔ از تاریخ اسلام جلد سوم صفحہ ۵۰۵

چونکہ ابن الرسمی نے دھوکے سے محمد بن یوسف کو قتل کیا تھا اور غاصبانہ اندلس کی سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا اس لیے ابن احمر نے اس پر یورش کر دی۔ دونوں میں جنگ ہوئی۔ ابن احمر کے ساتھ تمام انصاف پسند لوگ ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ الرسمی کو ہزیمت ہوئی اور ابن احمر نے پہلے مالقہ پر اور پھر غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔

انہوں نے غرناطہ کو دارالسلطنت قرار دے کر دوسرے صوبوں کی طرف توجہ کی۔ المیریا بھی فتح ہو گیا اور لورقہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اس طرح ان کی حکومت جزیرہ نمائے اندلس کے تقریباً چوتھائی علاقہ پر قائم ہو گئی۔ انہوں نے ایسی زبردست سلطنت قائم کی جس نے عیسائیوں کے حوصلے پست کر دیے اور عیسائی جو مسلمانوں کی نااتفاقی سے فائدہ اٹھا کر اسلامی علاقہ پر قبضہ کرتے بڑھے چلے آ رہے تھے رک گئے۔

ابن احمر نے سلطان کا لقب اختیار کر لیا اور انہوں نے حسب اقرار لوشی کو بلا کر اپنا حاجب یعنی پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کر لیا۔

یہی وہ ابن احمر ہیں۔ جنہوں نے اس عظیم الشان قصر کو تعمیر کرایا جو ہفت عجائبات عالم میں شمار ہونے لگا۔

٭

(۳۸)

روانگی

قصر الحمرا ایسا خوبصورت، عجیب اور نظر فریب تھا کہ کوہ سیرا نویڈا کی چٹانوں پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے بالکل کوہ نور ہیرے کی طرح جگمگاتا نظر آتا تھا۔ عربوں نے اس میں اپنی صناعی کو حد کمال تک پہنچا دیا تھا۔ اس کی ہر چیز ایسی نادر و نایاب تھی کہ بار بار دیکھنے پر بھی طبیعت سیر نہ ہوتی تھی۔ اس زمانہ کے جن یہودی اور عیسائی سیاحوں نے اس نادر زمانہ عمارت کو دیکھا تھا حیران و ششدر رہ گئے تھے۔ ان سب کا یہ خیال تھا کہ انسان ایسی عجیب اور نایاب عمارت نہیں بنا سکتے۔ عام طور پر عیسائیوں اور یہودیوں کا یہ خیال تھا کہ یا تو مسلمانوں نے جادو کے زور سے یہ عمارت تعمیر کی ہے یا ان کے قبضہ میں جن ہیں اور انہوں نے بنائی ہے۔

قصر الحمرا کے گرد سنگ سرخ کی لوہالاٹ فصیل تھی اور اس فصیل کے اندر کئی ایوان تھے۔ اس قصر کی شہرت نہ صرف اسپین ہی میں تھی بلکہ تمام یورپ اور سارے ایشیا میں تھی چونکہ اس زمانے میں یورپ جہل کی تاریکی میں پڑا ہوا تھا۔ اس لیے اسے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ اندلس میں عربوں نے ایک ایسا قصر تعمیر کیا ہے جو اپنا نظیر آپ ہی ہے اور جس کی نفاست، صناعی اور دلکشی کو بیان کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے وہ سمجھتے تھے کہ وہ سیاح جو اسے دیکھ آتے ہیں، مبالغہ سے اس کی تعریفیں کرتے ہیں اور جب وہ سیاحوں کے یہ الفاظ پڑھتے تھے کہ ہم نے الحمرا کی خوبیوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ وہ بہت ہی کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی تعریف ہو ہی نہیں ہو سکتی تو وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان انہیں کچھ

دے دیتے ہیں اور وہ اسی لیے اس کی تعریفیں کرتے ہیں۔ مگر جب بیشمار سیاح آئے اور انھوں نے بھی یہی لکھا کہ اس قصر کو دیکھ کر نہ صرف حیرت ہوتی ہے۔ بلکہ اس کی سیر سے طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ بہشت میں داخل ہو گیا ہے وہاں سے لوٹ کر آنے سے بڑا زور پڑتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اسی رشک ارم میں پڑے رہیے اور اس خدا کی عبادت کیے جائیے۔ جس نے اپنے ان بندوں کو پیدا کیا، جنھوں نے یہ بہشت زار قصر تعمیر کیا۔ قصر کی خوبیوں کا ایک ہزارواں حصہ بیان کرنا بھی ناممکن ہے حقیقت میں وہ قصر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے اور دیکھ کر اس کی خوبیاں یاد رکھنا اور ان کا بیان کرنا قطعی ناممکن ہے۔

سیاحوں کی ان تحریروں نے تمام یورپ میں اس قصر کی دھوم مچا دی۔ بڑے بڑے بادشاہوں کے دلوں میں اس قصر کے دیکھنے کی تمنا پیدا ہوئی۔ انھوں نے ابن احمر کے جانشینوں سے اسے دیکھنے کی اجازت کی درخواست کی۔ انھیں اجازت دے دی گئی۔ وہ آئے اسے دیکھا اور حیران رہ گئے۔ انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ اس کی خوبیوں کے متعلق سیاحوں نے جو کچھ بھی لکھا ہے۔ وہ بہت ہی کم ہے۔

غرض وہ قصر الحمرا تھا جس کے دیکھنے کی آرزو حسانہ اور زہرہون کے دلوں میں بھی تھی۔ وہ انتظار کر رہی تھیں۔ اس دعوت کا جس کے متعلق شہزادیاں وعدہ کر کے گئی تھیں۔ نمائش اور حربی فنون کے مظاہرہ کی تاریخیں مقرر کر دی گئی تھیں اور تیاریاں زور سے شروع ہو گئی تھیں۔ ایک روز وہ دونوں شہزادیاں اچانک آ گئیں۔ حسانہ اور زہرہون نے خصوصاً اور اس قبیلہ کی دوسری عورتوں اور لڑکیوں نے عموماً ان کا خوش ہو کر استقبال کیا۔ انھیں اندر بڑے کمرے میں لے جا کر بٹھایا۔ ان کے ساتھ جو کنیزوں کی پلٹنیں آئی تھی۔ وہ لمبے برآمدوں میں پرا باندھ کر کھڑی ہو گئی۔ حسانہ نے مسکرا کر کہا۔ آنکھیں پتھرا گئیں آپ کا انتظار کرتے کرتے۔

صفیہ نے اس شوخ کی حسین آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ یہ دلکش آنکھیں خدا کی قسم تمھاری یہ حسین آنکھیں اور یہ پیاری صورت تو ہمیں اکثر یاد آتی رہی ہیں۔

حسانہ: میں اس بات کو مانتی ہوں۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ میرے تصور میں تو آپ دونوں کی حسین اور دلربا صورتیں ہر وقت ہی رہتی ہیں۔

حفصہ نے مسکرا کر کہا، شاعر فی البدیہہ جواب دیا کرتے ہیں۔

حسانہ: میں شاعرانہ غلو سے کام نہیں لے رہی بلکہ سچ عرض کر رہی ہوں۔

صفیہ: معلوم ہو جائے گا۔ دیکھیں گی تم کب تک ہمارے پاس قصر الحمرا میں رہو گی۔

حسانہ: آپ جیسی نازنینوں کا قرب بڑی خوش نصیبی ہے اور قصر الحمرا تو سنا ہے دنیا کی بہشت ہے۔

صفیہ: یہی بات ہے یقین ہے۔ اس قصر کو دیکھ کر بہت پسند کرو گی۔

حفصہ: ہم تمہیں شاہو میں شرکت کی دعوت تو دے ہی گئی تھیں۔ لیکن اس وقت تک نمائش اور مشاعرہ کی تاریخیں مقرر نہیں ہوئی تھیں۔ اب مقرر ہو گئی ہیں۔ اس لیے ہم تم سب کو مدعو کرنے آئی ہیں۔

حسانہ: میں سب کی طرف سے اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور سچ بات یہ بھی عرض کیے دیتی ہوں کہ ہمیں قصر الحمرا دیکھنے کی بڑی تمنا ہے۔ ہم سب بڑی شدت سے اس دعوت کا انتظار کر رہی تھیں۔

حفصہ: ہم سے بڑی غلطی ہوئی۔ ہمیں اب سے بہت پہلے تم سب کو قصر میں بلانا چاہیے تھا۔

حسانہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔

— "اب بھی پوچھا تو مہربانی کی۔"

یہ سب دیر تک باتیں کرتی رہیں۔ دوپہر کا کھانا شاہزادیوں نے وہیں کھایا۔ صفیہ نے حسانہ سے کہا: "معلوم ہوتا ہے تم اور زہرہون سلی کی وہ ساحرہ ہو جس کی وہاں کے باشندے پرستش کیا کرتے تھے اور جو اپنے زمانہ کی بے نظیر حسینہ تھی۔

حسانہ: نہ میں حسین ہوں۔ نہ حسین ساحرہ ہوں۔ البتہ نزہون ضرور حسین ساحرہ ہیں۔ یہ جس کی طرف دیکھ لیتی ہیں، ضرور اس پر جادو کر دیتی ہیں۔

دونوں شہزادیاں مسکرائیں۔ نزہون نے کہا "سنا ہے سسلی کی ساحرہ تو بہت ہی اندام اور دلربا تھی۔ لوگ اسے دیکھتے ہی دیوانہ ہو جاتے تھے۔ میں تو نہیں البتہ۔"

ان دونوں شہزادیوں کی طرف دیکھا۔ حسانہ نے جلدی سے کہا "رک کیوں گئیں۔ کہہ دو۔ دونوں شہزادیاں سسلی کی حسین ساحرہ ہیں۔

نزہون: میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ بات تم نے کہہ ہی دی۔

شہزادیاں ہنس پڑیں۔ دونوں نہایت حسین اور دلربا تھیں۔ ان کے چہروں پر حسن کی لہر دوڑ گئی۔

دوپہر کے بعد شہزادیاں رخصت ہو گئیں اور یہ دونوں اس دن کا انتظار کرنے لگیں۔ جب قصر الحمرا میں جا کر دنیا کی اس بہشت کو دیکھیں۔ آخر وہ دن بھی آ ہی گیا۔ بہت سی کنیزیں انہیں لینے کے لیے آ گئیں۔

اس دن کے لیے انھوں نے زرق برق لباس تیار کر رکھے تھے۔ انھوں نے جلدی جلدی غسل کیا اور لباس پہنے۔ یہ لباس پھولدار ریشم کے تھے۔ دوپٹوں پر سنہری چوڑی لیس لگی ہوئی تھی۔ اس لباس میں وہ حور زادیاں معلوم ہونے لگیں۔ ان کی صورتیں اس قدر جگمگا اٹھیں کہ ان کی طرف نظر بھر کر دیکھنا دشوار ہو گیا۔

نزہون کسی کام سے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ حسانہ تنہا بیٹھی رہ گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی نزہون کے پاس جانے کے لیے اٹھی۔ اس وقت اسے ایک ایک لمحہ ناگوار گزر رہا تھا۔ وہ جلد سے جلد قصر الحمرا میں پہنچ جانا چاہتی تھی۔ مگر وہ اچھی طرح اٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ کوثر آ گئے۔ وہ اٹھتے اٹھتے رہ گئی۔ کوثر اس حسین ساحرہ کو دیکھ کر کھوئے سے گئے۔ حسانہ انہیں دلفریب نظروں سے دیکھنے لگی۔ انھوں نے کہا "معاف کرنا میں آ گیا۔"

حسانہ نے شوخی سے کہا "کیسے کیسے آئے ہو؟"

کوثر: اتفاقیہ آ گیا۔ مگر نہ آتا تو اچھا تھا۔

حسانہ: کیوں؟ خیریت۔ کیا ہوا؟

کوثر: مجھے خوف ہے۔ میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھوں گا۔

حسانہ انہیں دیکھتی رہی۔ انھوں نے موتیوں کی ایک مالا نکالی اور حسانہ کے سامنے پیش کر کے کہا۔ اس ناچیز کا یہ تحفہ قبول فرمائیے۔

حسانہ: "معاف کیجیے۔ میں۔"

کوثر نے جلدی سے کہا: انکار نہ کیجیے۔ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔

اسی وقت ہلکے قدموں کی چاپ ہوئی۔ حسانہ نے جلدی سے مالا لے کر چھپا لی۔ اسی وقت نزہون داخل ہوئی۔ اس نے اول کوثر کو دیکھا۔ پھر حسانہ پر نظر ڈالی اور مسکرائی۔ حسانہ جھینپ گئی۔ کوثر نے کہا۔ "تم کہاں چلی گئی تھیں نزہون؟"

نزہون: میں اپنے اور حسانہ کے چند جوڑے کنیزوں کو دینے گئی۔ قصر آپ کو لباس بدلنے تو پڑیں گے ہی۔

کوثر: ٹھیک کیا۔ یہی کہنے میں آیا تھا۔

وہ چلے گئے۔ نزہون نے شوخ نظروں سے حسانہ کو دیکھ کر کہا۔ "کیوں بلایا تھا تم نے انہیں؟"

حسانہ: میں کیوں بلاتی۔ خود ہی آئے تھے۔

حسانہ کی مٹھی میں مالا تھی۔ وہ اسے چھپانا چاہتی تھی۔ مگر نزہون کی تیز نگاہوں نے دیکھ لیا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ کیا ہے مٹھی میں؟

اب چھپانا بے سود تھا۔ حسانہ نے مٹھی کھول دی۔ نزہون نے مالا دیکھ کر ہنس کر اس نے کہا، اچھا یہ تحفے بھی دیے، لیے جانے لگے۔ چلو اچھا ہوا۔

شوخ حسانہ شرم کی گڑیا بن گئی۔ حیا سے اس کی پلکیں جھک گئیں۔ نزہون نے مالا اس کی حسین گردن میں ڈال دی اور کہا۔ کیسی اچھی معلوم ہو رہی ہے۔ بیاہ نو سلام۔

اس نے حسین قہقہہ لگایا۔ حسانہ شرم سے مسکرائی۔ دونوں کمرے سے نکلیں اور سلمیٰ وغیرہ کو ساتھ لے کر کنیزوں کے جھرمٹ میں چلیں۔

(۳۹)

قصر کے عالیشان دروازے

حسانہ وغیرہ شاہی گاڑیوں میں سوار ہو کر اس قصر الحمرا کو دیکھنے کے لیے روانہ ہوئیں۔ جس کے دیکھنے کے اشتیاق نے انہیں ایک عرصے سے بے چین کر رکھا تھا۔

شہر غرناطہ سے ایک خوشنما سڑک جس کے دونوں طرف سرو و شمشاد کے درختوں کی قطاریں تھیں قصر الحمرا تک گئی۔ یہ سڑک اس قدر چوڑی تھی کہ اس پر ایک میں چار گاڑیاں چل سکتی تھیں۔ پیدل چلنے والوں کے لیے دونوں طرف پتھر کی چوڑی چوڑی پٹڑیاں بنی ہوئی تھیں اور درختوں کی قطاروں کے دونوں طرف سڑک کے ساتھ ساتھ خوشنما چمنوں کی تختہ بندی تھی۔ ان چمنوں کے پیچھے باغات کا سلسلہ تھا۔

غرناطہ سے الحمرا تک آنے جانے والوں کی کثرت رہتی تھی کہ ہر وقت میلہ سا چلتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ گاڑیوں پہ گاڑیاں اور آدمیوں پہ آدمی آتے جاتے رہتے تھے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے لوگ میلہ میں آ جا رہے ہیں۔

بے شمار لوگ دونوں طرف چمنوں میں بیٹھے اور پڑے ہوئے تھے۔ اس میں سیاح بھی تھے۔ غرناطہ کے رہنے والے بھی تھے اور الحمرا سے آنے والے بھی تھے۔

حسانہ وغیرہ کی گاڑیوں کا تانتا دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ان گاڑیوں کے آگے بھی سوار تھے اور پیچھے بھی۔ لوگ ان سواروں کو دیکھتے ہی یہ سمجھ کر کہ گاڑیوں میں خاندان شاہی کی بیگمات ہیں، ہٹ جاتے تھے۔

یہ گاڑیاں قصر الحمرا کے باب غرناطہ پر جا کر رکیں۔ دروازہ نہایت عالیشان اور دو منزلہ تھا۔ پھاٹک کی اونچائی اکیس فٹ تھی۔ اس پر دو منزلہ بنا ہوا تھا۔ اس دروازے کے نقش و نگار نہایت ہی خوبصورت تھے۔ اس کی محرابیں بڑی دیدہ زیب تھیں۔ محرابوں کے کٹاؤ بڑے خوشنما تھے۔ پھاٹک نہایت عمدہ لکڑی کا تھا۔ جس پر بیلیں اور پتے، کلیاں اور پھول کندہ تھے۔ نہایت ہی بھلے معلوم ہو رہے تھے۔

پھاٹک پر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں تھیں۔ اس پھاٹک کی کرسی سطح زمین سے پانچ فٹ بلند تھی۔ پھاٹک کے دونوں طرف داہنے اور بائیں اونچے اونچے ستونوں کی بارہ دریاں تھیں۔ دروازہ میں بارہ دریوں میں سنگ مرمر کا فرش تھا۔ اس دروازے سے نکل کر الحمرا کے خیابان میں پہنچتے تھے۔

باب غرناطہ پر حسانہ وغیرہ باری باری گاڑیوں سے اتریں اور دروازے میں داخل ہوئیں۔ قصر الحمرا کے نو دروازے تھے۔ ان میں سے ایک باب غرناطہ تھا۔ اسے باب عدل بھی کہتے تھے۔ اکثر شاہان غرناطہ اس دروازہ کی اوپر منزل میں دریچہ میں آ بیٹھتے تھے اور لوگوں کی درخواستیں سن کر انصاف کیا کرتے تھے۔ اس مناسبت سے تو اس کا نام باب عدل رکھا گیا تھا اور چونکہ اس دروازہ کی طرف شہر غرناطہ تھا۔ اس لیے اسے باب غرناطہ بھی کہنے لگے تھے۔

دوسرا دروازہ باب الشریعہ کہلاتا تھا۔ یہ دروازہ باب غرناطہ سے بھی زیادہ بلند اور شاندار تھا۔ اس کی چوڑائی ۲۸ فٹ اور لمبائی ۴۰ فٹ تھی اور اونچائی ۲۰ فٹ سے بھی زیادہ تھی۔ پھاٹک کی پیشانی پر پنجہ کا نشان بنا ہوا تھا۔ بالکل ایسا ہی جیسا محرم کے ایام میں بعض علموں کا ہوتا ہے۔ یہ پنجہ اوپر کی طرف اس طرح اٹھا ہوا تھا۔ جیسے وہ آسمان کو کوئی اشارہ کر رہا ہے۔ کلائی کے نیچے عین محراب کے طاق پر ایک کنجی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس پنجہ اور کنجی کا مطلب کیا ہے۔ اسپین کے عیسائیوں کا آج تک یہ خیال ہے کہ قصر الحمرا کا کوئی راز ہے اور وہ دنیا پر اس وقت کھلے گا۔ جب پنجہ آٹھ ہو کر کنجی کو پکڑ لے گا۔

تیسرا دروازہ باب الحمرا تھا۔ یہ دروازہ بھی بڑا شاندار تھا۔ اس دروازہ کے قریب

ادنیٰ درجہ کے لوگ رہتے تھے۔

چوتھا دروازہ باب القصبہ تھا۔ اس دروازہ کے باہر ان فوجی لوگوں کے اہل و عیال رہتے تھے۔ جو قصر کی حفاظت پر مقرر کئے جاتے تھے۔ ان فوجی ملازموں کے بیوی بچوں کی آمد و رفت کے لیے یہ دروازہ بھی بڑا شاندار اور نہایت ہی خوبصورت تھا۔

پانچواں دروازہ باب الاسلحہ تھا۔ قصر کے اندر اسلحہ خانہ تھا۔ اس کی مناسبت سے اس دروازہ کا نام باب الاسلحہ رکھا گیا تھا۔ یہ دروازہ بھی بڑا لمبا چوڑا اور اونچا تھا۔ لیکن عجیب بھی تھا۔

چھٹا دروازہ باب الحارہ تھا۔ اس دروازہ سے ایک سڑک گئی تھی۔ جو "شارع سلطان الصغیر" کہلاتی تھی۔ اس کے قریب ہی جنت العارف کا دروازہ تھا۔

ساتواں دروازہ باب جنت العارف تھا۔ باب الحارہ سے نکل کر اس دروازہ میں آتے تھے اور اس دروازہ سے نکل کر پائیں باغ میں جا نکلتے تھے۔ آٹھواں دروازہ باب الاعرابہ تھا۔ اعرابہ گاڑی کو کہتے تھے۔ یہاں گاڑی خانہ تھا اور گاڑی خانہ کے قریب مستری خانہ تھا۔

نواں دروازہ باب الجرور تھا۔ یہ دروازہ بھی نہایت عالیشان اور بلند تھا۔ اس کے پھاٹک پیتل کے تھے۔ اکثر بادشاہ اور شہزادے اسی سے آمد و رفت کرتے تھے۔

ان دروازوں میں سے پانچ دروازے باب غرناطہ، باب القصبہ، باب الاعرابہ، باب الاسلحہ اور باب الجرور تو قصر کے تین طرف تھے اور دروازے باب الشریعۃ، باب الخمر، باب الحارہ اور باب الجنۃ العارف قصر کے اندر تھے۔ ان تمام دروازوں پر منبت کاری کا کام قابل دید تھا۔ ان کی صناعی، بلندی، چوڑائی اور لمبائی دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ ہر دروازے میں سنگ مرمر کا فرش تھا۔

قصر الحمرا کے گرد پندرہ برج تھے۔

پہلا برج، برج البارود تھا۔ اس برج میں بارود رکھتے تھے۔ مسلمانوں نے بارود ایجاد کی تھی۔ اس سے عام طور پر سرنگیں اڑایا کرتے تھے۔

دوسرا برج، برج العز تھا۔ اس کی بلندی ۸۰ فٹ تھی۔ اس پر ہمارا اسلام لہرایا کرتا تھا۔

تیسرا برج، برج الشرفا تھا۔ شہر کے معزز اور شریف لوگ جب سلطان کی ملاقات کو آتے تھے۔ تو اس برج میں بٹھائے جاتے تھے۔

چوتھا برج، برج اسلحہ تھا۔ اس برج میں بیگزین اور اسلحہ رہتے تھے۔ نہایت مضبوط، بلند اور طویل و عریض برج تھا۔

پانچواں برج، برج قب رضا تھا۔ معلوم نہیں یہ برج کس لیے تعمیر ہوا تھا اور اس سے کیا کام لیا جاتا تھا۔

چھٹا برج، برج التعظیم تھا۔ یہ برج بھی ۵۰ فٹ بلند تھا۔ اکثر شہزادے اس برج میں آکر بیٹھا کرتے تھے۔ اور یہاں بیٹھ کر دریا کی روانی کا تماشہ دیکھا کرتے تھے۔

ساتواں برج، برج الکوت تھا۔ یہاں مرغی خانہ تھا۔ بے شمار طرح طرح کی نسل دار اور غیر نسل دار مرغیاں رہتی تھیں۔ مرغی خانہ کا محکمہ الگ تھا۔ بیشمار لوگ ان کی دیکھ بھال کے لیے ملازم تھے۔

آٹھواں برج، برج السیف تھا یہاں تلوار زنی کی مشق ہوتی تھی۔

نواں برج، برج النقارش تھا۔ یہ برج ۸۴ فٹ اونچا تھا۔ اس برج کو قبیلہ نقارش کے معماروں نے تعمیر کیا تھا۔ اس لیے اس کا یہ نام پڑ گیا تھا۔ اس برج کے نیچے دیوان خاص تھا۔

دسواں برج، برج المراب تھا۔ اس برج میں نہایت خوبصورت محرابیں بنائی گئی تھیں۔

گیارھواں برج، برج البنات تھا اور اس سے ملا ہوا ایک اونچا نیچا برج تھا۔ اسے برج مدور کہتے تھے۔

بارھواں برج، برج قندیل تھا۔ غالباً اس برج میں روشنی کا سامان رہتا تھا۔

تیرھواں برج، برج بجن تھا۔ جب سلطان کسی سے خفا ہو جاتے تھے۔ خصوصاً کنیزوں وغیرہ سے اس برج میں قید کر دیا کرتے تھے۔

چودھواں برج: برج الاطفال تھا۔ یہاں ہی خاندان کے بچے آ کر کھیلا کرتے تھے۔

پندرھواں برج: برج الماء (پانی کا برج) تھا۔ اس برج میں دریائے ڈارو سے پانی لا کر جمع کیا جاتا تھا اور یہاں سے پانی نہروں اور نالیوں کے ذریعہ سے قصر الحمرا میں جاتا تھا۔

یہ تمام برج نہایت خوبصورت تھے اور ان میں سے اکثر برجوں کی چھتیں اتنی اچھی بنی ہوئی تھیں کہ دیکھتے رہنے کو جی چاہتا تھا۔

(۳۰)

بھول بھلیاں

باب غرناطہ پر حسانہ اور دوسری دوشیزائیں اور کنیزیں اتریں۔ وہاں سے سوار اور کوچبان ہٹ گئے تھے۔ انہوں نے دروازہ دیکھا۔ اس کی رفعت، چوڑائی، لمبائی اور اس پر منبت کاری کا کام دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ ایسا عالیشان اور خوبصورت دروازہ انہوں نے پہلے کوئی نہیں دیکھا تھا۔ دروازہ میں سنگ مرمر کا فرش آئینہ کی طرح صاف اور شفاف تھا۔ دروازہ میں پہنچنے کے لیے سیڑھیاں بڑی خوشنما تھیں۔ وہ سیڑھیوں پر چڑھ کر دروازہ میں داخل ہوئیں۔ دروازہ کے اندر محراب در محراب بہت سی محرابیں تھیں۔ یہ محرابیں بہت خوبصورت اور سبک تھیں۔ ہر محراب کے درمیان دونوں بازوؤں پر ایک ایک فٹ کی کرسیوں پر اونچے اونچے ستونوں پر بارہ دریاں تھیں۔ وہ پیچ دار ستون سر اٹھائے کھڑے تھے۔

یہ سب حیرت سے ستونوں اور فرش کو دیکھتی ہوئی دروازہ کو طے کر کے الحمرا کے خیابان میں پہنچیں۔ خیابان کیا تھا، چمنستان تھا۔ یا خیابان خیابان ارم والا مضمون تھا۔ نہایت ہی دلفریب چمن تھا۔ جس کا سلسلہ حد نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ اس چمنستان میں پھولوں کے تختے الگ الگ تھے۔ ان پھولوں کی تختہ بندی بڑے سلیقہ سے کی گئی تھی۔ اس کی روشیں اور نالیاں سنگ مرمر کی تھیں۔ ہر روش کے دونوں طرف نالیاں تھیں۔ نالیوں میں شیریں اور صاف پانی بہہ رہا تھا۔ پودوں پر کلیاں تھیں۔ غنچے تھے اور پھول تھے۔ پھولوں کی بہتات سے چمنستان میں خوشنما شعلے سے لہراتے ہوئے معلوم ہوتے تھے گویا: ع

دہکا ہوا تھا آتشیں گل سے چمن تمام

پھولوں کی خوشبو سے خیابان، طبلہ، عطار بنا ہوا تھا۔ بھینی بھینی خوشبو مہک رہی تھی۔ اس خوشبو سے دماغ تک تازہ ہو جاتی تھی اور پھولوں کی کیاریاں نظر فریب تھیں۔ کہیں کہیں سبزہ سکھلا تھے۔ گہرے سبز رنگ کی چھوٹی چھوٹی نرم گھاس جو کسی مشین سے کاٹ کر ہموار کی ہوئی تھی۔ بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ ایسے خوشنما لان تھے کہ دیکھنے اور بیٹھنے کو بے تحاشا جی چاہتا۔ ان لانوں کی حد بندی مہندی کی ٹہنیوں سے کی گئی تھی کہیں کہیں مہندی کاٹ کی بھول بھلیاں تھیں۔ ان ٹہنیوں میں داخل ہو کر باہر نکلنا مشکل ہو جاتا۔ کہیں کہیں سرو اور شمشاد کے درختوں کی قطاریں پھولوں کے تختے کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرتی تھیں۔ سرو کے درخت ایسے معلوم ہوتے تھے۔ جیسے پھولوں کی پاسبانی کے لیے سپاہی کھڑے ہیں۔

اس چمنستان یا الحمرا کے خیابان کو دیکھ کر تینوں لڑکیاں دنگ رہ گئیں۔ خیابان کیا تھا دنیا میں بہشت کا نظارہ تھا۔ اس قدر دلفریب کہ وہاں سے ہٹنے کو جی نہ چاہے۔

ایک کنیز نے حسانہ سے عرض کیا، "حکم ہو تو پالکیاں حاضر کی جائیں۔"

حسانہ نے کہا "کس لیے۔"

کنیز کو ہنسی آ گئی۔ مگر وہ ہنسنے کی جرأت نہ کر سکی۔ زیر لب مسکرا کر رہ گئی۔ اس نے عرض کیا "یہ خیابان ہے۔ ابھی قصر دور ہے۔ شہزادیاں یہاں سے پالکیوں میں سوار ہو کر جایا کرتی ہیں۔"

حسانہ نے ہنس کر کہا "وہ شہزادیاں ہیں، نازنین نازک اندام۔ ہم عرب دوشیزائیں ہیں۔"

کنیز نے مسکرا کر عرض کیا، آپ بھی ناز و نزاکت میں شہزادیوں سے کم نہیں ہیں اور شہزادیاں بھی عرب دوشیزائیں ہیں۔

حسانہ: اطمینان رکھو، انشاء اللہ ہم تھکیں گی نہیں۔

حسانہ نے دیکھا ایک طرف بہت سی پالکیاں رکھی ہوئی تھیں۔ نہایت خوبصورت تھیں۔ ان پر سونے چاندی کا گنگا جمنی کام ہو رہا تھا۔ جس پر آفتاب کی شعاعیں بجلی کی طرح چمک

رہی تھیں۔

ان پالکیوں کے پاس حبشنیں ریشمی لباس پہنے بیٹھی تھیں۔ وہ ہی پالکیاں اٹھا کر چلا کرتی تھیں۔

حسانہ اور دوسری لڑکیاں سنگ مرمر کی روشوں پر چہل قدمی کرتی ہوئی خرام ناز سے آہستہ آہستہ چلیں۔ ان کی نگاہیں ہر طرف بھی جاتی تھیں۔ نظر فریب مناظر کچھ ایسا ان کی نظروں کو اپنی طرف کھینچ لیتے تھے کہ نگاہیں ہٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھیں۔ وہ بڑھتی چلی جا رہی تھیں کہ گلاب کے پھولوں کا تختہ شروع ہو گیا۔ نہایت دلفریب گلاب کے پھول جن کی رنگت ہلکے گلابی رنگ کی تھی۔ کھلے ہوئے تھے۔ ان کے بوجھ سے ڈالیاں لچک رہی تھیں۔ ان کی رنگت نہایت ہی جاذب نظر تھی۔ حسانہ اور زہرون کا دل پھولوں کو دیکھ کر للچا گیا۔ حسانہ نے ایک کنیز سے دریافت کیا "کیا ہم پھول توڑ سکتی ہیں؟"

کنیز: بڑے شوق سے، جس قدر دل چاہے پھول توڑ لیجیے۔

تمام دوشیزائیں پھولوں کے تختہ میں اتر گئیں۔ پھول بہت بڑے بڑے تھے۔ ان کی پتیاں نہایت نرم تھیں۔ خوشبو دار اس قدر تھے کہ ہاتھوں میں آتے ہی بوئے خوشگوار سے دماغ معطر ہو گئے۔

حسانہ نے ایک پھول زہرون کے گالوں کے مقابلہ میں کر کے شوخی سے کہا "خدا کی قسم تمہارے گالوں نے تو اس پھول کو بھی مات کر دیا۔"

زہرون نے مسکرا کر چند پھول اس کے بالوں میں اٹکا کر کہا، خدا نظر بد سے بچائے حقیقت میں تمہارے پھول سے گال ان پھولوں سے کہیں اچھے اور جاذب نظر ہیں۔

اور لڑکیوں نے پھول توڑ لیے دو مالنیں جو نو عمر اور حسین تھیں اور ریشمی لباس پہنے تھیں۔ مہندی کی بھول بھلیاں میں سے نکل کر ان کے سامنے آ گئیں۔ دونوں کے ہاتھوں میں دو گلدستے تھے۔ ان میں سے ایک نے حسانہ کے اور دوسری نے زہرون کے سامنے گلدستے پیش کیے۔ دونوں نے لیکر ان کا شکریہ ادا کیا اور انہیں دو دو اشرفیاں انعام دینی چاہئیں۔

ایک مالن نے کہا، معاف کیجیے، ہم نے انعام کے لالچ میں یہ گلدستے پیش نہیں
کئے ہیں۔ بلکہ اس لیے کہ ان پھولوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کی خوشنما جان حسینوں
کے چہروں کے سامنے بالکل بے حقیقت ہے۔

انھوں کا شستہ مذاق دیکھ کر حسانہ اور نزہون دنگ رہ گئیں۔ حسانہ نے ترچھی
چتون سے مالن کی طرف دیکھا۔ مالن نے عجیب دلربا انداز سے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا۔ اگر
گستاخی ہو گئی ہو تو معاف فرما دیجیے۔

حسانہ نے مسکرا کر کہا۔ خیر سے بڑی شوخ ہو۔

کنیز: خدا کا شکر ہے آپ خفا نہیں ہو۔ تمیں کیا بھول بھلیاں کی سیر نہ کیجیے۔

حسانہ: ضرور، کہاں ہے بھول بھلیاں؟"

کنیز: یہ سامنے کیا ہے۔ مہندی کی ٹہنیوں کی بھول بھلیاں۔

حسانہ: واہ، وہ بھی کوئی بھول بھلیاں ہو گی۔

کنیز: ہو سکتا ہے کہ آپ اس سے باہر نکل آئیں۔

حسانہ: چلو، ہم نکلیں گے۔

یہ سب کنیزوں کے ساتھ چلیں اور مہندی کی ٹٹیوں کے پاس پہنچیں کنیز نے
عرض کیا۔ اگر آپ نہ نکل سکیں تو آواز دے دیجیے گا۔

حسانہ: تمہیں آواز دینے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔

کنیز: اچھا میں یہ پھول پھینکتی ہوں اسے اٹھا لائیے گا۔

کنیز نے پھول پھینکا۔ حسانہ اور اس کے پیچھے سہیلیوں کی پلٹنیں مہندی کی ٹٹیوں
کے اندر گھس گئی۔ نزہون نے چلتے چلتے کہا: نشانیاں قائم کرتے چلو تا کہ واپسی میں
دقت نہ ہو۔

حسانہ: بے فکری سے میرے پیچھے چلی آؤ۔ ان ٹٹیوں میں سے بھی نکلنا کوئی
بات ہے۔

وہ بڑھ کر اس جگہ پہنچ گئیں۔ جہاں پھول پڑا تھا۔ حسانہ نے پھول اٹھا لیا اور واپس

لوٹی۔ سب لڑکیاں اس کے پیچھے چلیں، چلتی رہیں، چلتی رہیں۔ یہاں تک کہ پھر اسی
جگہ پہنچ گئیں۔ جہاں سے پھول اٹھایا تھا۔

حسانہ بہت شرمندہ ہوئی وہ پھر چلی اور گھوم پھر کر وہیں آ گئی۔ نزہون نے
کہا "بس بھول گئیں۔ حسانہ کو طرارہ آ گیا۔ اس نے کہا۔ بھول کیسے گئی۔

پھر سب چلیں اور پھر وہیں آ گئیں۔ نزہون نے قہقہہ لگا کر کہا، لو اب نو سلام۔

حسانہ نادم ہو گئی اس نے کہا۔ عجب بھول بھلیاں ہیں۔ چند ہی ٹٹیاں ہیں لیکن
اس پیچ در پیچ کر نکلنا مشکل ہو رہا ہے۔ میری عقل تو حیران رہ گئی ہے۔

نزہون: آؤ، ایک مرتبہ اور کوشش کریں۔

پھر سب چلیں اور چکر کھا کر پھول والی جگہ موجود ہو گئیں۔ نزہون نے پریشان
ہو کر کہا " لاحول ولا قوۃ۔ عجب گورکھ دھندا ہے۔"

حسانہ: واقعی عجیب بھول بھلیاں ہیں۔ بجتی آواز دو مالنوں کو۔

مالنیں ایک بلند مقام پر کھڑی ان کی طرف دیکھ رہی تھیں، نزہون نے اشارہ کیا۔
مالنیں وہاں سے چلیں اور ان کے پاس آ گئیں۔ حسانہ نے کہا۔ ہمیں یہاں سے نکال
میری تو طبیعت گھبرا گئی۔

مالن: آئیے۔

مالنیں آگے چلیں۔ ان کے پیچھے سب لڑکیاں روانہ ہوئیں اور سب بھول بھلیاں سے
نکل آئیں۔ نزہون نے کہا۔ توبہ توبہ کہاں گھس گئی تھیں ہم۔ میرا تو دل الجھنے لگا
تھا۔ خدا بچائے ان بھول بھلیوں سے۔ حسانہ نے کہا۔ میری کیفیت بری ہو گئی تھی
میری طبیعت تو اس قدر گھبرا گئی تھی کہ چیخ نکلنے کو ہو گئی تھی۔

مالن: نازو نزاکت والیوں کی یہی کیفیت ہو جایا کرتی ہے مگر آپ نے اس سے پہلے
ہمیں کیوں نہ بلا لیا تھا۔

نزہون: یہ حسانہ ہمیں اپنے ساتھ گھسیٹے پھری، یہ ہار ماننے کو تیار ہی نہیں تھی

حسانہ: کمبخت کیسی باڑھ در باڑھ ٹہنیاں ہیں۔ میرا سر تو اب تک گھوم رہا ہے۔

حسانہ: وہ کم بخت انہیں بھول بھلیاں میں لے گھسیں۔ جب مسندی کی شیشوں میں سے نکالا گیا تو دل لٹنے لگا اور سر گھوم گیا اس میں بھٹکنے کی بات نہ تھی۔ یہ چلتی رہیں۔ خیابانوں کو دیکھتی ہوئی اس کے مناظر ان کی نظریں اپنی طرف کھینچتے رہے۔ کچھ دور چل کر انہیں دروازہ نظر آیا نہایت عالیشان دروازہ تھا۔ حسانہ نے کنیز سے پوچھا۔ "یہ سامنے دروازہ کیسا ہے؟"

کنیز: یہ قصر کا زنان خانہ ہے۔

حسانہ: کیا یہاں شہزادیاں آتی رہتی ہیں۔

کنیز: کبھی کبھی اور آتی بھی ہیں تو پالکیوں میں سوار ہو کر۔ کیونکہ وہ زیادہ دور تک پیدل نہیں چل سکتیں۔

حسانہ: کیا اس بہشت زار کو دیکھنے کو ان کا جی نہیں چاہتا؟

کنیز: آپ نے قصر دیکھا نہیں ہے۔ یہ محض چمنستان ہے اور وہ ہے بہشت زار۔

حسانہ: مجھے تو یہ چمنستان ہی ایسا بھلا معلوم ہو رہا ہے جیسے دنیا کی بہشت ہو۔

کنیز: اس میں کوئی شک نہیں ہے یہ قطعہ نہایت فرحت افزا ہے۔ لیکن قصر کی عمارتیں ان کی نفاست اور پائیں باغ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

حسانہ: جس کا بیرونی حصہ ایسا ہے۔ اس کا اندرونی حصہ کیا کچھ ہوگا۔

کنیز: دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ جو عیسائی سیاح اس قصر کی زیارت کرنے آتے ہیں وہ عمارتوں کو دیکھ کر کچھ ایسے حیران رہ جاتے ہیں کہ ان کی حیرت پر ہنسی آنے لگتی ہے۔ عام طور پر ان کا یہ خیال ہوتا ہے کہ عمارتیں انسانوں کی بنائی ہوئی نہیں ہیں۔ جنوں نے بنائی ہیں۔

اس وقت یہ ایک ایسے مقام پر پہنچیں جہاں ایک چھوٹی سی سنگ مرمر کی چہار دیواری تھی۔ اس چہار دیواری کا ایک خوبصورت پھاٹک تھا۔ پھاٹک کے ایک طرف ایک بنگلہ بنا ہوا تھا۔ نہایت عمدہ۔ اس پر سفید استرکاری ہو رہی تھی۔ حسانہ نے پوچھا۔ یہ کیا ہے؟

کنیز نے عرض کیا۔ یہ سلطان خانہ کہلاتا ہے۔ اس احاطہ کے اندر سبزہ سے ان سلطانوں کے نام لکھے ہیں۔ جو غرناطہ میں سلطنت کر چکے ہیں یا کر رہے ہیں۔

حسانہ: کیا ہم اس احاطہ کو دیکھ سکتی ہیں؟

کنیز: کیوں نہیں، آیئے۔

یہ احاطہ کی طرف چلیں۔ ابھی احاطہ پر پہنچی بھی نہ تھیں کہ ایک کم سن خوش جمال اور خوش رو لڑکی بنگلہ سے نکلی۔ کنیز نے آگے بڑھ کر اس سے کچھ کہا۔ اس نے اپنی قبا میں سے چاندی کی کنجی نکالی اور پھاٹک کا تالا کھولا دروازہ پر کھڑی ہوئی۔ کیواڑ خود بخود کھل گئے۔ وہ پیچھے ہٹ کر ادب سے کھڑی ہوئی۔ کیواڑ خود بخود کھل گئے۔ وہ پیچھے ہٹ کر ادب سے کھڑی ہو گئی۔ حسانہ اس کمسن کو دیکھتی ہوئی بڑھی۔ اس کے ساتھ سب لڑکیاں چلیں اور احاطہ میں داخل ہوئیں۔

باہر سے احاطہ مختصر سا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اندر سے کافی بڑا تھا۔ اس احاطہ میں پھولوں کی تختہ بندی تھی۔ کنیز انہیں ایک تختہ میں لے کر گھس گئی۔ اس تختہ میں سبزہ کا زمردی فرش تھا اور اس فرش پر پھولوں کے پودوں سے نام لکھا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے سبز مخمل پر خط گلزار میں لکھا ہو۔ نام نہایت صاف اور روشن تھا۔ لکھا تھا

"محمد الغالب باللہ ابن احمر"

یہ اس خاندان میں سب سے پہلے سلطان تھے۔ گویا سلطنت غرناطہ کے بانی تھے۔ انہوں نے ہی اس مشہور عالم قصر الحمرا کی تعمیر شروع کی تھی۔

سب نے حیرت سے اس نام کو پڑھا اور اس کی نفاست اور خوبصورتی کو دیکھا۔ کنیز انہیں وہاں سے لے کر چلی اور دوسرے تختہ میں پہنچی۔ یہاں بھی اسی طرح ایک نام لکھا تھا۔ وہ یہ نام تھا۔

"محمد ثانی المعروف بہ فقیہ"

یہ خاندان احمر کے دوسرے سلطان تھے۔ کنیز تیسرے تختہ میں انہیں لے گئی۔ وہاں بھی ایک نام لکھا تھا وہ نام یہ تھا۔

"محمد ثالث مخلوع"

یہ اس خاندان کے تیسرے خلیفہ تھے۔ وہاں سے کنیز انہیں چوتھے تختہ میں لے گئی۔

کنیز : یہ دُنیا کی بہشت بھی ہے۔
ٹھیک ہے۔ حسانہ نے کہا۔

یہ سب دروازہ کی طرف بڑھیں ابھی تھوڑی ہی دور چلی تھیں کہ ایک نہر پر پہنچیں نہر کافی چوڑی تھی۔ اس کے کنارے سنگ سرخ کے تھے۔ پٹریاں بھی سنگ سرخ کی تھیں۔ لیکن نہر پر پل نہیں تھا۔ سنگ مرمر روش ہموار کی گئی تھی۔ نہر پر سیمنٹ کی ہوئی تھی۔ یعنی آبدوز اس کے دونوں طرف دو حوض بنے ہوئے تھے اور روش کے نیچے سے نکال کر دونوں حوضوں کو ملا گیا تھا۔ روش کے دونوں کناروں حوضوں تک اوپر دو خوبصورت سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں ان سیڑھیوں میں بیٹھ کر پانی کی روانی کا تماشا دیکھا جاتا۔ یہ کچھ دیر وہیں ٹھہریں اور پھر آگے بڑھیں۔

اب جلد جلد یہ بڑھتی جاتی تھیں۔ دروازہ قریب آتا جاتا تھا۔ بڑا خوبصورت دروازہ تھا۔ یہ دروازہ سنگ سرخ کا تھا۔ جو اصل قصر کے احاطہ کی دیوار میں تھا۔ یہ دیوار بھی سنگ سرخ کی تھی۔

چونکہ حسانہ اور نزہون وغیرہ پیدل چلتی رہی تھیں۔ اس لیے دوران خون ہونے کی وجہ سے ان کے چہروں کا رنگ اور بھی تیز گلابی ہو گیا تھا۔ جو بہت ہی بھلا معلوم ہونے لگا تھا۔ یہ سب دروازہ میں داخل ہو کر قصر میں پہنچیں۔

⁂

اس تختہ میں یہ نام لکھا تھا۔

"ابوالجیوش نصر"

یہ اس خاندان کے چوتھے خلیفہ تھے۔ وہاں سے وہ پانچویں تختہ میں پہنچیں اس تختہ میں یہ نام لکھا تھا۔

"ابوالولید اسمٰعیل"

یہ خاندان احمر کے پانچویں خلیفہ تھے۔ اس وقت وہی غرناطہ کے سلطان مسلمانوں کے پشت پناہ اور خلیفۃ المسلمین تھے۔

یہ پھولوں کے تختے بھی بڑے ہی جاذب نظر تھے۔ ہر تختہ کا منظر نہایت ہی خوشنما تھا۔ انہیں دیکھ کر حسانہ نے کہا۔ "کس قدر حسین ہیں۔ بہت ہی کا سبزہ کتنا خوشنما ہے اور نام کس صفت سے لکھے گئے ہیں۔

کنیز : اس احاطہ میں ایسا سبزہ اور ایسے پھول لگائے گئے ہیں جو خزاں کے موسم میں بھی ہرے بھرے رہتے ہیں۔ کتنی ہی برفباری ہو نہ سبزہ جلتا ہے نہ پھول کمھلاتے ہیں۔

حسانہ : عجب بات ہے کس ملک سے لایا گیا ہے۔ یہ سبزہ اور یہ پھول۔

کنیز : خدا ہی جانتا ہے اس سبزہ میں یہ خوبی ہے کہ بغیر تراشے ہموار رہتا ہے۔

حسانہ : غرض یہاں کی ہر چیز عجوبۂ روزگار ہے۔

کنیز : یہی بات ہے۔

اب یہ احاطہ سے باہر نکلیں۔ کمسن لڑکی بھی ادب سے کھڑی ہو گئی۔ حسانہ کا دل نہ رہا۔ اس نے اس کی نازک ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے کہا۔ کس قدر اچھی لڑکی ہو تم۔"

لڑکی نے حسین نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ شکریہ۔

حسانہ نے ہنس کر کہا۔ اچھا شوخ بھی ہو۔"

نزہون : کیا ساری دُنیا کی حسین لڑکیاں اسی قصر میں لا کر جمع کر دی گئی ہیں کنیزوں کو دیکھو ایک سے ایک حسین ہے یہ لڑکی حسین ہے۔ خدا جانے کتنی حسین لڑکیاں ہوں گی۔

(۴۷)

ایوان الاس

حسانہ، نزہون، سلمہ اور دوسری لڑکیاں اس دروازہ میں داخل ہو کر یہ سمجھی تھیں کہ قصر الحمرا میں داخل ہو گئیں۔ مگر جب وہ دوسری طرف پہنچیں تو معلوم ہوا کہ قصر ابھی شروع نہیں ہوا۔ بلکہ وہ ایک ایوان ہے جو ایوان آلاس کے نام سے مشہور ہے۔ یہ ایوان بھی کافی لمبا چوڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف دالان تھے۔ ان دالانوں کے ستون گول اور بہت لمبے تھے۔ بارہ فٹ کی اونچائی سے محرابیں شروع ہوتی تھیں۔ محرابوں کے کنگرے نہایت ہی خوبصورت تھے اور ان کی رنگکاری اس قدر دلفریب تھی کہ دیکھتے رہنے کو جی چاہتا تھا۔

یہ سیم تن لڑکیاں ان اونچی اونچی بارہ دریوں کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ اس ایوان کے درمیان ایک حوض تھا۔ حوض کی چہار دیواری سنگ سرخ کی تھی اور اس پر بیٹھنے کے لیے چاروں طرف سنگ مرمر کی چوڑی چوڑی پٹریاں تھیں۔ حوض کے اندر رنگ برنگ کی سبز، سرخ اور سنہری مچھلیاں تیرتی پھر رہی تھیں۔

سنگ مرمر کی پٹریوں سے ملے ہوئے اونچے اونچے ستونوں کے برآمدے تھے جو حوض کے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ ان برآمدوں کے ستون سرو قد اور خوشنما تھے۔ ان کی چھتیں مشجر تھیں۔ فرش سنگ مرمر کا تھا۔ ان برآمدوں میں داخل ہو کر یہ عرب دوشیزائیں حیرت سے کبھی فرش کو کبھی ستونوں اور کبھی چھت کو دیکھنے لگیں۔

شمالی جانب برآمدہ کے قریب ایک مربع مینار تھا جو اس قدر بلند تھا کہ آسمان سے باتیں کرتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس کا سب سے اوپر کا حصہ آسمان میں گھستا ہوا نظر آتا تھا۔

تعجب ہوتا تھا کہ اتنا بلند مینار جو آسمان پر چڑھنے کی دعوت دے رہا ہے کس طرح بنایا گیا ہے۔

حوض میں صاف اور شفاف پانی بھرا ہوا تھا۔ اس کے کسی حصہ پر کائی کا نشان تک نہیں تھا۔ اس حوض میں پانی ہر وقت آتا اور جاتا رہتا تھا۔ لیکن پانی کے آمد اور برآمد کی ترکیب ایسی رکھی گئی تھی کہ آتا ہوا معلوم ہوتا تھا نہ جاتا ہوا۔ نہ آتا ہوا شور کرتا تھا نہ جاتا ہوا غل مچاتا تھا خاموشی سے آتا تھا اور خاموشی سے نکل جاتا تھا۔ مخفی طریقہ پر آتا اور مخفی طریقہ پر نکل جاتا۔ نہ یہ معلوم ہوتا کہ کہاں سے اور کس طرف سے آتا ہے۔ نہ یہ پتہ چلتا کہ کس طرف سے نکل کر چلا جاتا ہے۔ چونکہ ہر وقت پانی کی آمد برآمد رہتی تھی۔ اس لیے حوض میں تازہ پانی رہتا تھا۔

اس حوض میں بے شمار چھوٹی چھوٹی مچھلیاں نہایت خوش رنگ تیر رہی تھیں۔ آفتاب کی شعاعیں شفاف پانی میں سے گزر کر جب مچھلیوں کے پروں پر پڑتی تھیں تو ایسا معلوم ہوتا۔ جیسے ہزاروں آبدار ہیرے، لعل، زمرد، نیلم اور پکھراج پانی کے اندر بے قرار تڑپ رہے ہوں۔

ایسا دلچسپ نظارہ ان لڑکیوں نے کبھی کہاں دیکھا تھا۔ وہ سب برآمدوں سے نکل کر سنگ مرمر کی پٹریوں پر بیٹھ گئیں اور خوش رنگ مچھلیوں کو دیکھنے لگیں۔ سلمہ نے کہا "مچھلیاں ہیں یا پانی میں جواہرات بکھرے پڑے ہیں۔"

حسانہ: اس وقت تو جواہرات سے بھی کہیں اچھی معلوم ہو رہی ہیں یہ مچھلیاں۔

نزہون: شفاف پانی میں ان کا تیرنا واقعی بڑا دلچسپ معلوم ہو رہا ہے اور کیسی خوش ہیں یہ مچھلیاں، اٹھلاتی، اتراتی اور مچلتی پھر رہی ہیں کہیں قرار سے بیٹھتی ہی نہیں۔

حسانہ: کیوں بیٹھیں وہ اپنی چھب دکھا رہی ہیں۔

سلمہ: اور ایک نظارہ اور نہیں دیکھا تم نے۔ جو ان مچھلیوں کے نظارہ سے بھی دلکش ہے۔

نزہون: وہ کیا؟

۱؎ تاریخ فتح اندلس صفحہ ۸۸

سلمٰی: ذرا غور سے دیکھو، وہ پریاں پاس پاس بیٹھی معلوم ہوتی ہیں۔

نزہون اور حسانہ نے دیکھا۔ حوض میں ان دونوں کا عکس پڑ رہا تھا۔ وہ پاس پاس بیٹھی تھیں۔ واقعی ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے پانی کے اندر دو پریاں جھلملاتا لباس پہنے بیٹھی ہیں۔ حسانہ بے اختیار ہنس پڑی۔ اس نے کہا، "بھئی ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مگر پری تو ایک ہی ہے اور وہ ہیں یہ۔"

اس نے شوخی سے نزہون کے پہلو میں انگلی گڑو دی۔ وہ ایک دم اچھلی اگر حسانہ اسے جلدی سے روک نہ لیتی تو وہ ضرور حوض میں گر جاتی۔ نزہون نے کہا، "بڑی شریر ہو تم۔"

حسانہ: میں نے کیا کیا؟ ذرا انگلی لگنے سے حوض میں گرنے کو تیار ہو گئیں۔

سلمٰی: میں تو سمجھی تم دونوں جل پریاں ہو۔

دیر تک یہ حوض کے کنارے پر بیٹھ کر مچھلیوں کو دیکھتی رہیں۔ نزہون نے کہا، "کس قدر اچھے بڑے سے ہیں اور کتنا اچھا یہ حوض ہے۔"

حسانہ: اور اس حوض کی مچھلیاں کتنی پیاری ہیں۔

سلمٰی: اور یہ مینار کس قدر اچھا اور کتنا اونچا ہے۔

نزہون: کس کس چیز کی تعریف کی جائے۔

کنیزوں کا پرا ان کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس کنیز نے جو ذرا شوخ تھی کہا، "یہ مکان عجائبات عالم میں سے ہے جو کچھ تم نے اب تک دیکھا ہے اور جسے دیکھ کر تم حیران ہو رہی ہو وہ تو اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، جو تم اب دیکھو گی۔"

حسانہ: واقعی یہ مکان عجائبات میں شمار ہونے کے قابل ہے خیاباں جسے ہم ابھی دیکھ کر آئی ہیں بالکل جنت کا ٹکڑا ہے اور یہ ایوان کس قدر نظر فریب ہے۔ اس کا یہ حوض، اس کی مچھلیاں، یہ اونچا مینار سب ہی باتیں قابل دید چیزیں ہیں۔

نزہون: اور یہ بلند ستونوں والی بارہ دری اور چاروں طرف کے شاندار برآمدے کیسے ہیں؟

حسانہ: جیسے لاجواب۔ کس کس چیز کی تعریف کی جائے۔ ہر چیز اپنی جگہ بے نظیر ہے۔

کنیز: لیکن جو چیزیں قابل دید اور حیرتناک ہیں وہ ابھی آپ نے دیکھی ہی نہیں۔

حسانہ: مگر یہ تو بتاؤ، شہزادیاں کہاں ملیں گی؟

کنیز: حرم سرا میں۔

حسانہ: اور حرم سرا کہاں ہے؟

کنیز: کئی ایوان کے بعد حرم سرا آئے گی۔

حسانہ: اللہ! تو گویا ابھی ہم نے آدھا فاصلہ طے کیا ہے۔

کنیز: جی ہاں۔ آدھے سے کچھ زیادہ سمجھ لیجیے۔ اسی لیے تو میں نے عرض کیا تھا کہ پالکیوں میں سوار ہو کر تشریف لے چلیے۔

نزہون: مگر یہ عرب دوشیزہ ہیں تھکنا تو جانتی ہی نہیں۔

حسانہ نے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا، "اور مجھے خیال نہیں رہا کہ میرے ساتھ ایک نازنین بھی ہے۔"

نزہون نے اس کے رخسار کو چھو کر کہا، "اور یہ خون کس کے رخساروں سے چھلک رہا ہے۔"

سلمٰی نے مسکرا کر کہا، "بڑی گستاخی کی تم نے نزہون، گلاب کے پھولوں کی پتیوں سے نازک رخساروں کو چھو لیا۔ کہیں حسن کی سرکار سے سزا تجویز نہ ہو جائے۔"

نزہون: سزا ملے گی برداشت کروں گی۔

حسانہ نے ہنس کر کہا، "مگر میں انہیں سزا نہیں دے سکتی۔"

سلمٰی: کیوں؟

حسانہ: وجہ انہیں معلوم ہے۔

نزہون نے تیکھی چتونوں سے دیکھ کر کہا، "پھر شرارت شروع کی تم نے۔"

حسانہ: نہیں، میں ایسی جرأت نہیں کر سکتی۔

سلمٰی: آخر کیوں؟ یہ معمہ میں کیا باتیں ہونے لگیں تم دونوں میں۔

حسانہ: سب باتیں جتانے کی نہیں ہوتیں۔

سلمٰی نے نزہون کی طرف دیکھ کر کہا، "کیوں نزہون؟"

نزہون: ایسی کوئی بات نہیں ہے جو نہ بتائی جا سکے۔

سلمہ: اب کہو حسانہ۔!

حسانہ: تم نے دیکھا نہیں، انہوں نے اشارہ سے منع کر دیا ہے۔

سلمہ نے نزہون کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ سلمہ نے کہا: "اچھا نزہون منع کر دیا ہے تم نے۔"

حسانہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کہا: "بیٹھی بہت دیر بیٹھ لیے اب چلو۔"

نزہون: مگر یہاں سے اٹھنے کو تو جی ہی نہیں چاہتا۔ کس قدر نظر فریب نظارہ ہے اس ایوان کا۔"

اس وقت کنیزوں کی پلٹن اور ان کے ساتھ کئی بیگمیں اور لڑکیاں سامنے والے برآمدے سے نکلیں اور ان سے فاصلہ سے دروازہ کی طرف چلی گئیں۔ حسانہ نے کنیز سے پوچھا: "یہ کون ہیں۔ کہاں جا رہی ہیں؟

کنیز: معلوم نہیں کون ہیں۔ کہاں سے آئی ہیں اور کہاں جا رہی ہیں۔ اس قصر میں چالیس ہزار مرد اور عورتیں رہتے ہیں۔ نہ ہم سب کو جانتی ہیں نہ سب ہمیں جانتے ہیں۔

حسانہ نے حیرت سے کنیز کو دیکھ کر کہا: چالیس ہزار مرد اور عورتیں یہاں رہتی ہیں۔

کنیز: جی ہاں۔ جس خیاباں میں آپ ہو کر آئی ہیں۔ اس میں پانچسو مالی اور مالنیں رہتی ہیں۔ مالی تو صبح ہوتے ہی شاہی باغوں میں چلے جاتے ہیں اور مالنیں خیاباں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو جاتی ہیں۔

حسانہ: مگر ہم نے تو چند ہی مالنوں کو دیکھا ہے۔

کنیز: دوپہر کے وقت وہ سب نہر پر جمع ہو جاتی ہیں۔ کھانا کھاتی ہیں اور چہل کرتی ہیں۔ اس وقت دیکھو تو ان کی پلٹن نظر آئے۔ اس ایوان کے آس پاس میں پچیس سو کنیزیں اور گل کتریاں رہتی ہیں۔

حسانہ: گل کتریاں کون؟

کنیز: قصر کے اندر جو شمعیں اور فانوس روشن ہوتے ہیں۔ ان کی بتیوں پر جو گل جل جاتے ہیں۔ وہ رات بھر انہیں کترتی پھرا کرتی ہیں۔

حسانہ: اللہ کی پناہ! اتنی عورتیں اور گل کترنے پر مقرر ہیں۔

کنیز: قصر میں اتنی شمعیں اور فانوس روشن ہوتے ہیں کہ انہیں کوئی شمار ہی نہیں کر سکتا۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے شمار کرایا تھا۔ پچاس ہزار سے زیادہ گنی گئی تھیں۔

حسانہ: خدا کی پناہ۔

کنیز: اور شمع روشن کرنے والیاں الگ ہیں۔ ان کی تعداد پانچ سو ہے۔ وہ عصر کی نماز پڑھتے ہی روشنی شروع کر دیتی ہیں اور مغرب کے وقت فارغ ہوتی ہیں۔

یہ سن کر حسانہ، نزہون اور سب لڑکیاں حیران رہ گئیں۔

(۴۴)

دار الاساد

کنیز نے ایسی باتیں بتائی تھیں جو بڑی ہی حیرت میں ڈالنے والی تھیں۔ ایک قصر کے اندر چالیس ہزار مرد اور عورتیں رہتے ہیں۔ حسانہ کو رہ رہ کر تعجب ہو رہا تھا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ اس نے کہا: یہ قصر ہے یا شہر؟

کنیز: جس وقت اس کی تعمیر شروع ہوئی تھی تو ایک قصر ہی سمجھ کر ہوئی تھی۔ لیکن بعد میں جوں ضرورت بڑھتی رہی تعمیر میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ پہلے صرف حرم سرا اور ایوان الاساد تعمیر ہوئے تھے۔ اس کے بعد کئی ایوان بڑھائے گئے۔ خیابان بڑھایا گیا۔ برج بڑھائے گئے۔ قصر شاہی کی حفاظت کے لیے فوج رکھی گئی۔ فوجیوں کے لیے قصر سے ملے ہوئے مکانات بنائے گئے۔ غلاموں کے لیے، ملازموں اور ان کے اہل و عیال کے لیے جداگانہ مکانات تعمیر ہوئے۔

غرض جوں جوں ضروریات پیش آتی گئیں۔ تعمیرات میں اضافہ ہوتا گیا اور رفتہ رفتہ قصر الحمرا، مدینۃ الحمرا، شہر احمر بن گیا۔ لیکن مشہور قصر الحمرا ہی کے نام سے ہے۔

حسانہ: یہ فوجیوں اور ملازموں کے مکانات کس طرف ہیں؟

کنیز: قصر الحمرا کے دوسری طرف باب القضبہ سے ملی ہوئی فوجیوں، ملازموں اور غلاموں کی شاندار حویلیاں ہیں اور یہ حویلیاں قصر الحمرا ہی کا ایک حصہ ہیں۔

حسانہ: کیا ہم ان حویلیوں کو دیکھ سکتے ہیں؟

کنیز: بڑے شوق سے۔ لیکن وہ اس کثرت سے ہیں کہ اگر ایک دن میں پانچ حویلیاں بھی دیکھیں تو کئی ہفتوں میں دیکھنا ممکن ہوگا۔

حسانہ: خدا کی پناہ، شاید معمولی حویلیاں ہوں گی۔

کنیز: نہیں، کوئی حویلی بھی معمولی نہیں ہے۔ عالیشان محلات ہیں۔ ہر محل میں پائیں باغ ہے اور ہر باغ میں لیموں، رنگترے، انار، انگور، نارنگیاں اور سیب ہوتے ہیں۔ مہندی کی ٹٹیاں ہوتی ہیں اور چند قسم کے پھول ہوتے ہیں۔ پائیں باغ سے ملا ہوا چبوترہ ہوتا ہے اور چبوترے سے ملحق عمارت ہوتی ہے۔

حسانہ: جب تو حویلیاں کیا، محل ہی ہوتے ہیں۔

کنیز: جی ہاں محل ہی ہیں۔ ان محلوں میں ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے رہتے ہیں۔ ہزاروں کنیزیں، حبشنیں، مامائیں، اصیلیں، انائیں، خادمائیں، فراشنیں، روشنی کرنے والیاں اور گل کترنیاں قصر الحمرا میں رہتی ہیں۔ ان کے علاوہ شاہی خاندان کی بیگمیں، ان کے بچے، شہزادے، شہزادیاں، ملکہ اور سلطان، یہ سب مل کر بھی سیکڑوں کی تعداد میں ہیں۔

زہرہ: بہت باتیں کر لیں، اب آگے چلو۔ اس طرح چلتی رہیں تو معلوم نہیں کب پہنچیں گی۔

حسانہ: صاف ہی کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ تھک گئی ہو۔

زہرہ: اگر نہیں تھکی، تو تھک جاؤں گی۔

سلمہ: اوں ہوں۔ بھوک لگ آئی ہے انہیں۔

کنیز: اچھا چلیے۔

یہ سب اٹھیں اور چلیں۔ کنیز انہیں لے کر برآمدہ میں پہنچی۔ بڑے ہی خوبصورت اور شاندار برآمدے تھے۔ برآمدہ سے گزر کر ایک کمرے میں داخل ہوئیں۔ یہ کمرہ بڑا وسیع تھا۔ اس میں دبیز قالینوں کا فرش تھا۔ کئی صوفے قرینے سے بچھے تھے۔ کنیز نے کہا: ذرا دیر یہاں آرام فرمایئے۔

سب لڑکیاں صوفوں پر بیٹھ گئیں۔ کنیز نے چند کنیزوں کو اشارہ کیا۔ وہ چلی گئیں۔ کنیز نے حسانہ سے کہا: ذرا چھت دیکھیے کس قدر نقش و نگار اس میں ہیں۔

اب تک ان میں سے کسی کی نظر بھی چھت کی طرف نہیں گئی تھی۔ اب جو دیکھا تو

واقعی اس کے نقش و نگار مبہوت کن تھے۔ وہ دیکھتی رہیں اور اس کی صنعت کی داد دیتی رہیں۔

تھوڑی ہی دیر میں کئی کنیزیں چاندی کے خوان سر پر رکھ کر آئیں۔ ان پر چاندی سونے کے گنگا جمنی خوان پوش ڈھکے ہوئے تھے۔ یہ خوان میزوں پر رکھ دیے گئے۔ خوان پوش ہٹائے گئے۔ چاندی کی پلیٹوں میں تازہ پھل تھے۔ بھوک ان سب کو معلوم ہونے لگی تھی۔ انہوں نے شکم سیر ہو کر پھل کھائے۔ ہاتھ منہ دھو کر صاف کئے اور وہاں سے اٹھ کر چلیں۔ ایک خوشنما دالان میں سے ہو کر ایک اور ایوان میں داخل ہوئیں۔

اس ایوان کا نام دار الاساود تھا۔ نہایت ہی عالیشان اور بڑا خوشنما تھا۔ اس کے چاروں طرف برآمدے تھے۔ برآمدوں کے ستون گول بھی تھے اور ہشت پہلو بھی اور اس کثرت سے تھے کہ ستونوں کا جنگل تھا۔ ان ستونوں پر نہایت ہی خوبصورت سبک اور دیدہ زیب محرابیں تھیں۔ ستون اسی قدر گڑیاں سی معلوم ہو رہی تھیں۔ ان کے کار پر ایسی بیلیں، غنچے اور پھول بنے ہوئے تھے کہ ان کی نفاست اور بناوٹ دیکھ کر، دیکھتے رہنے کو جی چاہتا تھا۔ برآمدے کے آگے خوبصورت بارہ دریاں تھیں۔ ان کے پیچھے کمرے تھے۔ کمروں کے دروازے بھی عالیشان اور اونچے تھے۔

اس ایوان کے صحن کے بیچ میں ایک نہایت خوبصورت اور شاندار فوارہ تھا۔ اس فوارہ کے حوض میں بارہ ببر شیر کھڑے تھے۔ ان شیروں کی پشت پر بڑا زبردست سونے کا طشت تھا۔ اس طشت نے حوض پر چھت سی قائم کر دی تھی۔

فوارہ اس قدر اونچا اور اچھلتا تھا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی۔ پانی اس طرح گرتا تھا جیسے چنبیلی کے پھول گر رہے ہوں۔ آفتاب کی شعاعیں پانی کے قطروں میں اس طرح چمک رہی تھیں۔ جیسے سچے موتیوں پر چمک رہی ہوں۔ نہایت ہی دل خوش کن نظارہ تھا۔

اس فوارہ کا تمام پانی اچھل کر طشت میں گرتا تھا اور یہ طشت سے شیروں کے جسم میں جاتا تھا اور ان شیروں کے منہ سے خارج ہو کر حوض میں مسلسل دھاروں کی صورت میں گرتا تھا۔ دیکھنے والوں کو بڑا لطف آتا تھا۔

ان شیروں کی وجہ سے ایوان کا نام دار الاساود تھا۔ اگرچہ مسلمان انسانوں اور جانوروں کی مورتیاں نہیں بنایا کرتے تھے۔ مگر ان شیروں کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ جہاں وہ فن تعمیر میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ وہاں مورتیاں بنانے میں بھی انہیں کمال حاصل تھا۔

پتھروں سے شیروں کو اس طرح تراشا گیا تھا اور ان میں پتھروں کے رنگ دار ٹکڑے اس طرح پیوست کئے تھے کہ شیروں کا قدرتی رنگ اجاگر ہو گیا تھا۔ ان کے ناک، کان، آنکھیں، ابرو اور مونچھیں تک اس صناعی سے بنائی تھیں کہ اصل کا گمان ہوتا تھا۔ انہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا۔ فوارہ کے طشت پر ایک نظم کندہ تھی۔ عربی کی نظم تھی۔ عربی کے حروف اس خوبی سے اجاگر کئے گئے تھے کہ صاف پڑھے جاتے تھے اور دیکھنے میں بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔

حمانہ اور دوسری لڑکیاں اس عجیب فوارہ کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

٭

(۷۰)

دیوانِ خاص

کچھ دیر کے بعد یہ سب لڑکیاں اٹھیں اور اس عالیشان ایوان کی سیر کرنے کو چلیں۔

اس ایوان کے کل ستون ایک سو اٹھائیس تھے۔ نہایت نفیس، خوبصورت اور بلند ستون تھے۔ ایسے خوشنما کہ چشم فلک نے بھی نہ دیکھے ہوں گے۔ ستونوں پر جو محرابیں تھیں۔ ان کے نقش و نگار نہایت ہی دلفریب تھے۔ ستون، محرابیں اور چھجے سب سنگ مرمر کے تھے۔ دیواروں کی مینا کاری دیکھنے کے قابل تھی۔

اس ایوان کے برآمدوں اور کمروں میں جو فرش تھے۔ وہ سفید اور نیلے رنگ کے سنگ مرمر کے تھے۔ سفید اور نیلے سنگ مرمر کے ٹکڑے اور ان پر سنہری دھاریاں ایسی بھلی معلوم ہوتی تھیں کہ نظر ہٹنے کا نام نہ لیتی تھی۔

اس ایوان کے صدر میں ایک عالیشان گنبد تھا۔ اس کے نقش و نگار کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں کیونکہ ایسی نفاست اور یکسانیت انسانی صنعت میں نہیں ہو سکتی۔ اس میں ایک ایوان نشاط تھا جو دو منزلہ تھا۔ اس کی اعلیٰ مینا کاری اور خوشنما نقش و نگار دیکھنے والوں کو مبہوت کر دیتے تھے۔ اسی ایوان میں کبھی کبھی مجلس شمع منعقد ہوتی تھی۔ اوپر کی منزل میں سلطان، شہزادے

لہ از تاریخ اسلام صفحہ ۸۰۸ مصنفہ سید امیر علی صاحب

اور شاہی خاندان کے مرد ہوتے تھے اور نیچے کی منزل میں ملکہ، شہزادیاں اور بیگمیں ہوتی تھیں۔

اس ایوان الاساد کے تمام کمرے سنہری، زرد، نیلی، زعفرانی، آسمانی، آبی، گلابی اور نیلے رنگ کی چیزوں سے ایسے آراستہ پیراستہ تھے کہ نگار خانہ چین معلوم ہوتے تھے۔

ایک ایک در، ایک ایک محراب، ایک ایک چھجہ اور ایک ایک چیز کو دیکھ کر حیرت و تعجب استعجاب سے ان کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ حسانہ نے کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ صناعانِ عرب نے اپنی صنعتوں کا ایسا کمال دکھایا ہے جس کی نظیر شاید دنیا کے تختے پر نہ ملے گی۔

زہرہ جان: ہر چیز، ہر صنعت اور ہر سامان ایسا ہے کہ ان کے دیکھنے سے طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ عیسائی بے چارے جو یہ کہتے تھے کہ یہ جادو کا کارخانہ ہے یا یہ عمارت جنوں نے تعمیر کی ہے۔ کیا بے جا کہتے ہیں؟

سلمیٰ: ستون کتنے اونچے ہیں۔ محرابیں کتنی شاندار ہیں۔ چھتیں کیسی خوشنما ہیں اور برآمدوں، دالانوں اور کمروں کی اونچائی کس قدر خوبصورت ہے۔ مجھے تو یہ حیرت ہے کہ اتنی اونچی عمارتیں بنیں کیسے۔

حسانہ: اندر محرابوں میں گنگا و کس قدر خوبصورت ہیں۔ دیواروں کا پلاسٹر اتنا شفاف ہوا اور صیقل ہو کر ایسا چمکتا ہے جیسے شیشہ کی دیواریں ہوں۔ برآمدوں کے باہر جو نقش و نگار اور مینا کاری کی گئی ہے۔ لائق صد ہزار تحسین ہے۔ جا بجا گل بوٹے بیلیں بنائی گئی ہیں۔ ان کی ڈنڈیوں کا رنگ اسی قسم کا رکھا گیا ہے کہ اصل اور نقل میں بالکل ہی فرق نہیں معلوم ہوتا۔ پتیاں، کلیاں، شگوفے اور پھول کس قدر بنائے گئے ہیں اور ان میں رنگ اس خوبی سے بھرے گئے ہیں کہ بالکل اصلی معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے بیلیں چڑھا دی گئی ہوں اور ان میں پتیاں، کلیاں، غنچے اور پھول آ رہے ہیں۔

کنیز: دیواروں پر پلاسٹر اتنا شفاف ہے کہ جب گھٹا آتی ہے تو بادل چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ قوس قزح نکلتی ہے تو اس کے رنگ بڑی خوشنمائی سے جھلکتے ہیں اور جب شفق پھولتی ہے تو دیواروں میں آگ سی لگ جاتی ہے۔ دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

دیواریں رنگ بدلتی ہیں۔ ایک مرتبہ قسطلہ کی ایک شہزادی فرانس کی دو عیسائی بیگموں کے ساتھ آئی تھیں۔ اتفاق سے اس روز گھٹا تھی اور بادل وحشی ہوا پر سوار دوڑے جا رہے تھے۔ وہ دیواروں میں بادلوں کے دوڑنے کا عکس دیکھ کر بڑی حیران ہوئیں۔ اتفاق سے قوس قزح نکل آئی۔ دیواروں میں اس کا عکس بھی پڑا۔ وہ مبہوت رہ گئیں۔ انھوں نے حیران ہو کر دیواروں کو ٹٹولا۔ شاید وہ آئینہ کی دیواریں سمجھتی تھیں۔ مگر جب انھوں نے پلاسٹر کی دیواریں دیکھیں تو اور بھی حیران ہوئیں اور ایک دم پیچھے ہٹ کر کہنے لگیں، جادو، جادو، جادو۔

نزہون: ضرور کہا ہوگا۔ واقعی جادو کا کارخانہ ہے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ محلات جنت نظیر ہیں اور ان محلوں میں رہنے والیاں حوریں اور حور زادیاں ہیں۔

کنیز نے مسکرا کر کہا۔ گستاخی معاف ہو آپ کے آنے سے حور زادیوں میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔

حسانہ نے ہنس کر کہا "واللہ! سچ کہا تم نے، یہ خود حور ہیں۔"

نزہون نے ہنس کر کہا۔ حسانہ کی طرف دیکھ کر کہا "اور تم ——— کیا تم حور نہیں ہو؟"

کنیز: اگر مجھ سے پوچھیے تو دونوں حوریں ہو۔

حسانہ نے ہنستے ہوئے کہا "چلو فیصلہ ہو گیا۔"

نزہون نے سچ ہی کہا تھا۔ محل واقعی جنت کے محلات کی نظیر ہی تھا اور اس میں رہنے والی بیگمیں، ان کی لڑکیاں، ملکہ اور شہزادیاں، حوریں اور حور زادیاں ہی معلوم ہوتی تھیں۔ اس ایوان الاساد میں بیگمیں، ان کی لڑکیاں اور کنیزیں اس خاموشی سے چلتی پھرتی تھیں کہ ذرا بھی آہٹ نہ ہوتی تھی۔ البتہ ان کے ریشمی لباسوں کی سرسراہٹ اور روح پرور خوشبو سے ان کے آنے کا پتہ چل جاتا ہے۔

اس زمانے میں مسلمان عطر و خوشبو کے بڑے شوقین تھے مرد اپنی داڑھیوں اور عورتیں اپنے سروں میں تیز خوشبو کے تیل لگاتی تھیں اور مرد اور عورتیں نہایت عمدہ اور ایسا خوشبودار عطر ملتی تھیں جن کی خوشبو کئی کئی روز کپڑوں میں بسی رہتی تھی۔ جو بیگمیں اور لڑکیاں برآمدوں یا کمروں میں ملتیں حسانہ وغیرہ کے ساتھ بڑی مہربانی اور اخلاق سے پیش آتیں

چاہتیں کہ انھیں ٹٹول لیں، مگر شاہی کنیزوں کو ساتھ دیکھ کر خاموش رہ جاتیں۔

اس ایوان الاساد میں یہ کافی دیر ٹھہریں اور اس کی ایک ایک چیز کو حیرت و استعجاب سے دیکھتی رہیں۔ آخر نزہون نے کہا۔ اگر ساری عمر بھی اس ایوان میں رہیں اور اسے دیکھتی رہیں تب بھی شاید سیری نہ ہو۔ اب آگے بڑھو۔

سب کی یہی رائے ہوئی کہ آگے بڑھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ کنیزوں کے ساتھ چلیں اور ایک نہایت ہی شاندار دالان میں گھس گئیں۔ اس میں دالان در دالان کئی دالان تھے۔ ان دالانوں کے دروازے اونچے اونچے اور بڑے خوشنما تھے۔ دراصل یہ راستہ تھا جو اس ایوان سے قبۃ الوسطیٰ یعنی دیوان خاص میں جاتا تھا۔ اس کا فرش بھی سفید اور نیلے مرمر کے ٹائل کا تھا۔ ٹائل کے جوڑوں میں خالص سونے کی خوبصورت دھاریاں لگائی گئی تھیں۔ نہایت ہی دیدہ زیب فرش تھا۔

ان دالانوں کو طے کر کے یہ دیوان خاص میں جا نکلیں۔ یہ دیوان خاص ایوان الاساد کے مقابلہ میں کچھ چھوٹا تھا۔ مگر اس کی صنعتوں کا کمال اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ اس میں بھی اونچے اونچے دروں کی بارہ دریاں چاروں طرف تھیں۔ ان بارہ دریوں کے نہایت خوشنما سڈول ستون تھے۔ ان ستونوں پر نیم قوسی محرابیں تھیں۔ وہ سب منقش اور رنگین تھیں۔ محرابوں کے اوپر کا حصہ بڑا ہی دلفریب تھا۔ چھجے نہایت عمدہ تھے۔

بارہ دریوں کی دیواریں سبز، گلابی اور زعفرانی تھیں۔ ان میں سونے سے بیلیں بنائی گئی تھیں اور زمرد کے پتے اور جواہرات کے غنچے اور پھول تھے۔ یہ سب کچھ اتنے قیمتی تھے کہ ان کی قیمت سے ایک سلطنت کو خریدا جا سکتا ہے اور ایسے دیدہ زیب تھے کہ نگاہیں ان پر جم کر رہ جاتی تھیں۔ جواہرات کی تیز چمک ایسی تھی کہ ان آئینہ رو دوشیزاؤں کے چہرے جگمگانے لگے۔

یہ دیوان خاص فن تعمیر اور انجینئری کا بے نظیر نمونہ تھا۔ استادان فن تعمیر اس کی تعمیر کے اصول اور صنعت کے کمال کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ جاتے تھے۔ یہ اپنی خوشنمائی، نزاکت، نفاست اور نقش و نگار کے لحاظ سے قصر الحمرا کا گوہر شب چراغ تھا۔ اس کے

چاہتیں کہ انھیں ملک لیں، مگر شاہی کنیزوں کو ساتھ دیکھ کر خاموش رہ جائیں۔

اس ایوان الاسد میں یہ کافی دیر ٹھہریں اور اس کی ایک ایک چیز کو حیرت و استعجاب سے دیکھتی رہیں۔ آخر نزہون نے کہا۔ اگر ساری عمر بھی اس ایوان میں ادھر ادھر دیکھتی رہیں تب بھی شاید سیری نہ ہو۔ اب آگے بڑھو۔

سب کی یہی رائے ہوئی کہ آگے بڑھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ کنیزوں کے ساتھ چلیں اور ایک نہایت ہی شاندار دالان میں گھس گئیں۔ اس میں دالان در دالان کئی دالان تھے۔ ان دالانوں کے دروازے اونچے اونچے اور بڑے خوشنما تھے۔ دراصل یہ راستہ تھا جو اس ایوان سے قبۃ الوسطی یعنی دیوان خاص میں جاتا تھا۔ اس کا فرش بھی سفید اور نیلے مرمر کے ٹائل کا تھا۔ ٹائل کے جوڑوں میں خالص سونے کی خوبصورت دھاریاں ڈالی گئی تھیں۔ نہایت ہی دیدہ زیب فرش تھا۔

ان دالانوں کو طے کر کے یہ دیوان خاص میں جا نکلیں۔ یہ دیوان خاص ایوان الاسد کے مقابلہ میں کچھ چھوٹا تھا۔ مگر اس کی صنعتوں کا کمال اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ اس میں بھی اونچے اونچے دروں کی بارہ دریاں چاروں طرف تھیں۔ ان بارہ دریوں کے نہایت خوشنما سڈول ستون تھے۔ ان ستونوں پر نیم قوسی محرابیں تھیں۔ وہ سب منقش اور شکیب تھیں۔ محرابوں کے اوپر کا حصہ شاہی دلفریب تھا۔ چھجے نہایت عمدہ تھے۔

بارہ دریوں کی دیواریں سبز، گلابی اور زعفرانی تھیں۔ ان میں سونے سے بیلیں بنائی گئی تھیں اور زمرد کے پتے اور جواہرات کے غنچے اور پھول تھے۔ یہ سب کچھ اتنے قیمتی تھے کہ ان کی قیمت سے ایک سلطنت کو خریدا جا سکتا ہے اور ایسے دیدہ زیب تھے کہ نگاہیں ان پر جم کر رہ جاتی تھیں۔ جواہرات کی تیز چمک ایسی تھی کہ ان آئینہ رو دوشیزاؤں کے چہرے جگمگانے لگے۔

یہ دیوان خاص فن تعمیر اور انجنیری کا بے نظیر نمونہ تھا۔ استادان فن بھی اس کی تعمیر کے اصول اور صنعت کے کمال کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ جاتے تھے۔ یہ اپنی خوشنمائی، نزاکت، نفاست اور نقش و نگار کے لحاظ سے قصر الحمرا کا گوہر شب چراغ تھا۔ اس کے

دیواریں رنگ بدلتی ہیں۔ ایک مرتبہ قسطلہ کی ایک شہزادی فرانس کی دو عیسائی بیگموں کے ساتھ آئی تھیں۔ اتفاق سے اس روز گھٹا تھی اور بادل وحشی ہوا پر سوار دوڑے جا رہے تھے۔ وہ دیواروں میں بادلوں کے دوڑنے کا عکس دیکھ کر بڑی حیران ہوئیں۔ اتفاق سے قوس قزح نکل آئی۔ دیواروں میں اس کا عکس بھی پڑا۔ وہ مبہوت رہ گئیں۔ انھوں نے حیران ہو کر دیواروں کو ٹٹولا۔ شاید وہ آئینہ کی دیواریں سمجھتی تھیں۔ مگر جب انھوں نے پلاسٹر کی دیواریں دیکھیں تو اور بھی حیران ہوئیں اور ایک دم پیچھے ہٹ کر کہنے لگیں۔ جادو، جادو، جادو، جادو۔

نزہون: ضرور کہا ہوگا۔ واقعی جادو کا کارخانہ ہے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ محلات جنت نظیر ہیں اور ان محلوں میں رہنے والیاں حوریں اور حور زادیاں ہیں۔

کنیز نے مسکرا کر کہا۔ گستاخی معاف ہو آپ کے آنے سے حور زادیوں میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔

حسانہ نے ہنس کر کہا "واللہ! سچ کہا تم نے۔ یہ خود حور ہیں۔"

نزہون نے ہنس کر کہا۔ حسانہ کی طرف دیکھ کر کہا "اور تم ——— کیا تم حور نہیں ہو؟"

کنیز: اگر مجھ سے پوچھیے تو دونوں حوریں ہو۔

حسانہ نے ہنستے ہوئے کہا "چلو فیصلہ ہو گیا۔"

نزہون نے سچ ہی کہا تھا۔ محل واقعی جنت کے محلات کی نظیر ہی تھا اور اس میں رہنے والی بیگمیں، ان کی لڑکیاں، ملکہ اور شہزادیاں، حوریں اور حور زادیاں ہی معلوم ہوتی تھیں۔ اس ایوان الاسد میں بیگمیں، ان کی لڑکیاں اور کنیزیں اس خاموشی سے چلی پھر رہی تھیں کہ ذرا بھی آہٹ نہ ہوتی تھی۔ البتہ ان کے ریشمی لباسوں کی سرسراہٹ اور روح پرور خوشبو سے ان کے آنے کا پتہ چل جاتا ہے۔

اس زمانے میں مسلمان عطر و خوشبو کے بڑے شوقین تھے۔ مرد اپنی داڑھیوں اور عورتیں اپنے سروں میں تیز خوشبو کے تیل لگاتی تھیں اور مرد اور عورتیں نہایت عمدہ اور ایسا خوشبودار عطر ملتی تھیں جن کی خوشبو کئی کئی روز کپڑوں میں بسی رہتی تھی۔ جو بیگمیں اور لڑکیاں برآمدوں یا کمروں میں ملتیں حسانہ وغیرہ کے ساتھ بڑی مہربانی اور اخلاق سے پیش آتیں

سونے کی تھیں۔ چھت کی سطح میں جواہر نگاری، زمرد، لاجوردی اور بلوری کی نہایت عمدہ شگوفہ کاری تھی۔ جا بجا چاند ستارے اور زریں تاجوں کی شکلیں رنگ برنگ کی تراش کر اس قدر خوبصورت بنائی گئی تھیں کہ جگمگاتے ہوئے آسمان کا جلوہ نظر آتا تھا۔

حرم سرا کی ہر چیز نہایت ہی سبک اور بڑی ہی دلفریب تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ حسینانِ عرب کی اقامت گاہ ایسی ہی حسین اور دلربا ہونی چاہیے تھی۔

اس حرم سرا کے صحن کے بیچ میں ایک خوبصورت فوارہ تھا۔ یہ فوارہ خالص سونے کا کا تھا۔ اس میں سے پانی نہایت اونچا اچھلتا تھا اور اس پانی میں حرم سرا کی عمارتوں، نیلے آسمان اور شفق کا عکس اس صفائی سے پڑتا تھا کہ دیکھنے والے محوِ حیرت رہ جاتے تھے اور اس پر جادو کا گمان ہوتا تھا۔

حسانہ اور نزہون اور ان کی ساتھی دوشیزائیں فوارہ کے پاس کھڑی ہو کر نہایت حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔ وہ ابھی محوِ نظارہ تھیں کہ کسی نے حسانہ کی آنکھیں بند کر لیں۔ حسانہ نے کہا، یہ کیا؟ نزہون۔

ایک حسین قہقہہ کی آواز آئی۔ حسانہ کی آنکھوں کے اوپر سے ہاتھ ہٹا لیے گئے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا۔ دونوں شہزادیاں کھڑی نظر آئیں۔ وہ اس وقت وہاں آگئیں تھیں جب یہ مہوشیں محوِ نظارہ تھیں۔ حسانہ نے مسکرا کر انہیں سلام کیا۔

صفیہ نے اس کا مفہوم لیا اور کہا، اس وقت کیسی دلربا نظر آ رہی ہو تم۔ حفصہ نے کہا چہرہ بالکل گلاب کا پھول بنا ہوا ہے کہیں پیدل چل کر آئی ہو کیا تم۔

نزہون: جی ہاں، عرب دوشیزہ ہیں نہ، پیدل گھومتی پھرتی ہیں یہ بہت۔

حفصہ: بڑا ظلم کیا بھائیوں نے تم پر اسی لیے تمہارا چہرہ گلِ انار بنا ہوا ہے۔

صفیہ: کیا پالکیاں نہیں تھیں وہاں؟

حسانہ: تھیں۔ مگر ہم نے قصر الحمرا کی جو سیر کی ہے وہ پالکیوں میں بیٹھ کر کیسے ہو سکتی تھی۔

۱؎ از تاریخ اسلام صفحہ ۸۹ مصنفہ سید امیر علی صاحب

ہم نے وہ قصر دیکھا جس کے دیکھنے کی ایک مدت سے تمنا تھی۔ واقعی قصر کیا ہے بہشت کا نمونہ ہے۔ واللہ

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

صفیہ نے مسکرا کر کہا، شکر ہے تمہیں قصر پسند تو آیا۔ ہمیں تو یہ شک تھا، تم جیسی حوروں کو یہ قصر کیوں پسند آنے لگا۔

حسانہ نے ہنس کر کہا، "معاف کیجیے" جب قصر فردوس ہے تو اس میں حوریں کیوں نہ ہوں گی۔ آپ حوریں ہو تو ہیں۔ ہم فردوس اور حوروں کی زیارت کرنے ہی تو آئی ہیں۔

صفیہ: تم شہر کی شاعرہ، تم سے کون جیت سکتا ہے۔

حسانہ: شاعروں کا تخیل بہت اونچا ہوتا ہے۔ لیکن یہ قصر شاعروں کے تخیل سے بھی بہت بلند ہے۔ اس کی تعریف بڑے بڑے مبالغہ گو شاعروں کے بھی امکان سے باہر ہے ہم نے وہ کچھ دیکھا جس نے ہماری عقلوں کے ہوش اڑا دیے۔ اس قصر کی تعریف جس قدر سنی تھی۔ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر پایا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس قصر کے ایک ایک ایوان کی بھی تعریف نہیں کی جا سکتی۔

حفصہ: خیر سے نازک خیال شاعرہ ہو تعریف کر لیتا۔ لیکن پیدل چل کر آئی ہو۔ پہلے آرام کر لو۔

نزہون: سچ تو یہ ہے کہ تھک کر چور ہو گئی ہوں۔

صفیہ: آؤ۔

حسانہ: تب معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اپنے تھکنے کا احساس ہو رہا ہے۔ تم نے اس قصر کی صنعت، نفاست، نزاکت اور خوشنمائی کو جانچا اور پرکھا ہی نہیں۔ ورنہ نہ تھکان معلوم ہوتی، نہ بھوک، نہ پیاس۔

حفصہ: پھر پرکھ لیں گی، پھر جانچ لیں گی۔

دونوں شاہزادیاں چلیں، ان کے ساتھ حسانہ اور نزہون گئیں، سلمہ اور دوسری

لڑکیاں اور عورتیں ان کے پیچھے چلیں۔ کنیزوں کی پلٹن سب کے پیچھے ہو لی۔

جب وہ بارہ دریوں میں داخل ہوئیں تو ان کی خوشنمائی دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ شہزادیاں خرام ناز سے اس طرح چل رہی تھیں جو نہ چلنے کے برابر تھا۔ ان کے حسین چہروں سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے چلنے سے ان پر بڑا زور پڑ رہا ہے۔

وہ کئی بارہ دریوں اور کمروں میں سے ہوتی ہوئی ایک خوبصورت زینہ پر چڑھنے لگیں۔ زینہ کی سیڑھیاں نہایت تنگ اور کافی لمبی چوڑی تھیں۔ ان پر چڑھنے میں کوئی دقت نہ ہوتی تھی۔

یہ سب زینہ طے کر کے چھت پر پہنچیں۔ چھت کا رنگ بالکل آسمانی تھا نہایت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی چار دیواری دو دو فٹ اونچی سنگ مرمر کی جالیوں کی تھی۔ بڑی صنعت سے جالیاں کاٹی گئی تھیں۔ بالائی صحن بہت کشادہ تھا۔ وہاں کھڑے ہو کر جہاں تک نگاہ گئی سرسبز باغوں کا سلسلہ پھیلتا ہوا نظر آیا۔ حسانہ نے کہا۔ "کیا یہ سب باغ ہیں؟"

صفیہ: جی ہاں۔ اس طرف باغوں کا سلسلہ میلوں تک پھیلتا چلا گیا ہے۔

نرجس: بڑا خوشنما ہے۔

حسانہ: چلو چار دیواری کے پاس کھڑی ہو کر دیکھیں۔

نرجس: نہ بابا! میں تو ایک قدم بھی نہیں چل سکتی۔

صفیہ: آرام کر کے دیکھ لینا ایسی جلدی کیا ہے۔

یہ سب بالاخانہ کے برآمدوں میں داخل ہوئیں۔ ان برآمدوں کے ستون بڑے نازک اور خاصے اونچے تھے۔ ان پر سونا چڑھا ہوا تھا اور زمرد اور جواہرات سے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے۔ ایسی کاریگری سے بنائے گئے تھے کہ بالکل اصلی معلوم ہوتے تھے۔

برآمدوں کی دیواروں پر ہلکا آسمانی رنگ تھا۔ اس میں جواہرات سے چاند اور تارے بنائے گئے تھے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آسمان میں ہلال اور تارے تیر رہے ہوں۔

برآمدوں کے پیچھے کمرے تھے۔ کمروں کے دروازے نہایت حسین اور دیکھنے کے قابل تھے۔ کیواڑ اس آہستگی سے کھلتے اور بھڑ کتے کہ مطلق آواز نہیں ہوتی تھی۔

یہ برآمدوں میں سے کمروں میں پہنچیں۔ یہ کمرہ خاصا وسیع اور اس وجہ آراستہ تھا کہ

دلہن بنا ہوا تھا۔ بلند شیڈ کے دبیز اور خوبصورت قالینوں کا فرش تھا۔ مرشیہ اور بالقہ ریشمی پردے دروازوں اور کھڑکیوں پر پڑے ہوئے تھے۔ مرسیہ کی ریشمی چادریں میزوں پر بچھی تھیں۔ صوفوں کی ہر چیز قیمتی اور لاجواب تھی۔

ہر کمرے میں روشنی کا اس قدر اہتمام تھا کہ کسی طرف بھی ذرا بھی اندھیرا نہ تھا۔ گردنوں کے قریب نہایت خوشنما جالیاں کٹی ہوئی تھیں۔ ان میں سے روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ ان جالیوں میں یہ حکمت رکھی گئی تھی کہ جب چاہیں بند کر دیں اور جب چاہیں کھول لیں۔ سارا سحر کا سامان خاص تھا۔

یہ سب صوفوں پر بیٹھ گئیں۔ شاہزادیاں بھی بیٹھ گئیں۔ کنیزوں نے جھروکے کھول دیئے۔ جھروکوں کے کھلتے ہی خوشبو کی لپٹیں آنے لگیں۔ حسانہ سے نہ رہا گیا۔ اس نے اٹھ کر ایک جھروکے کے پاس جا کر جھانکا نیچے باغیچہ تھا۔ اس میں اس کثرت سے پھول کھل رہے تھے کہ وہ تمام وادی گل پوش بن گئی۔ حسانہ نے کہا "واہ واہ کس قدر دلفریب منظر ہے۔"

وہ آ کر صوفہ پر بیٹھ گئی اور حیرت سے کمرے کی ہر چیز کو دیکھنے لگی۔

❖

(۶۴)

مقابلہ

حسانہ وغیرہ کو قصر الحمرا میں آئے کئی روز ہو گئے۔ اس عرصے میں انہوں نے مختلف ایوانوں کو کئی کئی مرتبہ دیکھا، بیگموں اور بیگم زادیوں سے ملاقاتیں کیں۔ لیکن ان کی طبیعت قصر کی سیر سے نہیں بھری۔ ایک ایک چیز کو کئی مرتبہ دیکھا اور ہر مرتبہ انہیں اس میں نئی ہی بات نظر آئی۔ دراصل عربوں نے فن تعمیر کو ایسے کمال پر پہنچا دیا تھا کہ اس کی نقل بھی ناممکن تھی۔ عیسائی مورخوں کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ قصر الحمرا کی خوبیوں، نفاستوں اور صنعتوں کو بیان کرنے کی قدرت قلم میں نہیں ہے۔

سی پی اسکاٹ صاحب نے اپنی تاریخ اخبار اندلس کی جلد دوم میں لکھا ہے کہ وہ قصر الحمرا کی خوبیاں مستغنی از تعریف تھیں۔ عربوں نے فن تعمیر کو ایسا حد کمال تک پہنچا دیا تھا کہ کامل فن بھی نقادی سے مجبور و معذور تھے۔ تمام قصر ایک طلسم کا کارخانہ تھا۔ روئے زمین پر ایسا قصر موجود نہیں تھا۔ یہ اس وقت کا ذکر ہے۔ جب عیسائی تمدن اور معاشرت میں بہت پیچھے تھے اور وہ ایسے فن پر فخر کرتے تھے جن کو عرب بہت تحقیر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اہل یورپ کے عالیشان ایوانات سے عام مسلمانوں کے معمولی مکانات بھی اچھے خوشنما تھے۔

اس عرصہ میں حسانہ اور زہرون دونوں شہزادیوں سے بڑی حد تک بے تکلف ہو گئی تھیں۔ شہزادیاں انہیں اپنی سہیلیاں سمجھنے لگی تھیں۔ وہ دو مرتبہ ملکہ کے حضور میں بھی آئی تھیں۔ ملکہ بھی ان سے محبت کرنے لگی تھیں۔

یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ حسینوں سے بچے، جوان، بوڑھے، مرد اور عورتیں کنیزیں اور ملکہ شہزادے اور بادشاہ سب ہی محبت کرنے لگتے ہیں۔ ان کی معصوم صورتوں، دلکش اداؤں اور پیاری باتوں سے مسحور ہو کر رہ جاتے ہیں۔

ملکہ نے دوشیزگان عرب کو خلعت دیئے تھے۔ لیکن ان خلعتوں میں حسانہ اور زہرون کے خلعت قیمتی اور پرتکلف تھے۔ انہوں نے دونوں کو ایک ایک موتیوں کی مالا بھی دی تھی۔ جو نہایت قیمتی اور خوشنما تھی۔

حسانہ اور اس کی ساتھی دوشیزائیں اپنے ساتھ پہننے کے کئی کئی جوڑے لائی تھیں۔

حرم سرا کی تمام کنیزیں، بیگمیں، بچے، شہزادیاں اور ملکہ ایک دن میں دو مرتبہ غسل کرتی تھیں اور شہزادیاں اور ملکہ ایک دن میں دو مرتبہ کپڑے بدلتی تھیں عطر لگاتی تھیں اور دو مرتبہ خوشبودار تیل سنگھار کراتی تھیں اور بیگمیں، بچے اور کنیزیں ایک دن میں دو مرتبہ کپڑے بدلتیں عطر لگاتیں اور سنگھار کرتیں۔

شہزادیوں کے غسل کرنے کے لیے دو حمام علیحدہ تھے۔ ان حماموں کے سات سات درجے تھے۔ ہر کمرہ کا درجہ نہایت نفیس تھا۔ یہ درجے بتدریج گرم کئے جاتے تھے۔ ساتواں درجہ جو خاص حمام تھا۔ سنگ مرمر کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ اس میں کہیں جوڑ نہیں تھا۔ اس کے اوپر کے حصہ میں اس صنعت سے جالیاں کاٹی گئی تھیں کہ اندر کا آدمی تو باہر والوں کو دیکھ سکتا تھا۔ ان جالیوں کے ذریعے سے اندر روشنی بہت کافی ہوتی تھی۔ ان ہی حماموں میں حسانہ اور زہرون غسل کیا کرتی تھیں۔ انہیں کنیزیں نہلا دیتیں، اول خوشبودار ابٹن ملتیں اور پھر غسل کراتیں۔

رات کو حرم سرا میں تمام ایوانات میں اس کثرت سے روشنی ہوتی کہ دن سا نکلا ہوتا۔ ہر کمرہ، ہر برآمدہ، ہر صحن، ہر فوارہ اور ہر جگہ اس کثرت سے فانوس روشن ہوتے کہ چراغاں سا معلوم ہونے لگتا۔ دن سے زیادہ رات کو لطف آ جاتا۔ دن چھپنے سے پہلے سے روشنی ہو جاتی تمام رات رہتی اور دن نکلے گل کی جاتی۔ سینکڑوں عورتیں ہر وقت روشنی کے انتظام میں مصروف رہتیں۔ خواب گاہ محل میں بھی روشنی کی یہ کثرت ہوتی کہ دن سا نکلا ہوا معلوم ہوتا۔

جھاڑ فانوس چاندی کے تھے۔ ان میں ابرق اور شیشے اس صنعت سے لگائے گئے تھے کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھتے تھے۔

نمائش شروع ہو گئی تھی۔ جس میدان میں نمائش کا انتظام تھا۔ اس طرف بھی حرم سرا کے جھروکے کھلتے تھے لہٰذا ان جھروکوں میں بیٹھ کر نمائش کی سیر بخوبی ہو سکتی تھی۔ عین جھروکے کے پیچھے وہ میدان تھا۔ جس میں فنون حرب کے مقابلے ہوتے تھے۔

رات کو نمائش میں بھی اس کثرت سے روشنی ہوتی کہ تمام میدان جگمگا اٹھتا۔ دکانوں میں رونق آجاتی۔ دن سے زیادہ رات کو لوگوں کی گھما گھمی ہوتی۔ بیگمیں اور عام خواتین نقاب چہروں پر ڈال کر نمائش میں جاتیں اور خرید و فروخت کرتیں۔ کبھی کبھی شہزادیاں بھی حسانہ، نزہون اور سلمہ وغیرہ کے ساتھ ہو آتیں۔ جب شہزادیاں جاتیں تو حبشنوں کا دستہ ان کے ساتھ ہوتا اور کنیزوں کی پلٹنیں پیچھے ہوتیں۔ وہ جس دکان سے کچھ خرید کرتیں، اس کی قسمت جاگ جاتی۔ ہر چیز کی اچھی قیمت مل جاتی اور وہ نہال ہو جاتا۔

شدہ شدہ وہ دن بھی آگیا جب فنون حرب کے مقابلے ہونے تھے۔ کئی روز پہلے سے انتظامات شروع ہو گئے تھے۔ اس میدان کے قریب ایک برج تھا۔ اس برج میں خلیفہ، شہزادے، وزراء اراکین سلطنت اور لوگ بیٹھتے تھے۔ برج کے دونوں بازوؤں پر مچان بنائے جاتے تھے۔ ان پر سپہ سالار اور متوسط درجہ کے لوگ ہوتے تھے۔

اس مرتبہ برج کو خوب آراستہ کیا تھا اور شہ نشین پر غیر ملکی سفیروں کے لیے جگہ نکالی گئی تھی۔

اس روز صبح ہی سے عوام الناس آنے لگے اور انہوں نے میدان کے گرد حلقہ قائم کر دیا۔ مچان پر بھی لوگ آ بیٹھے اور وہ بھی بھر گیا۔ برج میں بھی سب آگئے۔ شہزادے بھی آ بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ بھی کشتی نما تخت پر آکر رونق افروز ہو گئے۔ بیگمیں، ملکہ، شہزادیاں حسانہ، نزہون، سلمہ اور دوسری لڑکیاں بھی جھروکوں میں چلمنوں کے پیچھے آ بیٹھیں۔ دونوں شہزادیاں اور حسانہ اور نزہون ایک ہی صوفہ پر ایک ہی جھروکہ میں بیٹھیں۔

کرتب شروع ہوئے۔ اول نیزہ بازی کی مشق کی گئی۔ پھر تلوار سے لوہا کاٹا گیا۔ تیروں سے

درختوں کے پتے اڑانے لگے منجنیقوں سے پتھر پھینک کر درخت گرائے گئے۔

دوپہر تک یہ باتیں ہوتی رہیں۔ ان کے بعد مقابلے شروع ہوئے۔ باقاعدہ لڑائیاں ہوئیں۔ مسلمان آپس میں ہی فن حرب کا مظاہرہ کرتے رہے۔

کچھ دیر کے بعد ایک عیسائی جو بڑا قوی ہیکل تھا اور ایک گراں ڈیل گھوڑے پر سوار تھا بھیڑ کو چیر کر آگے آیا۔ اسے دیکھتے ہی نزہون چونک پڑی۔ شہزادی صفیہ نے دیکھ لیا۔ انہوں نے پوچھا: تم اس عیسائی سوار کو دیکھ کر کیوں چونکی۔

نزہون نے جواب دیا "یہی وہ بدبخت عیسائی ہے جو مجھے پکڑ کر لے گیا تھا۔

حسانہ: تم نے اسے پہچان لیا۔

نزہون: اچھی طرح۔

حسانہ: تب یہ بھائی جان کو مقابلہ میں طلب کرے گا۔

اور یہی ہوا۔ عیسائی سوار برج کے سامنے گیا۔ اس نے کچھ خلیفہ سے عرض کیا خلیفہ نے چوبدار سے کچھ کہا۔ چوبدار نے آواز دی ریحان۔ اے نوجوان عیسائی کے مقابلہ میں نکلو۔

حسانہ اور نزہون دونوں دم بخود رہ گئیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ریحان مسلح ہو کر آگئے۔ عیسائی نے انہیں کینہ بھری نظروں سے دیکھا۔ نزہون کانپ گئی۔

دونوں جوان ایک دوسرے کے مقابلے میں آگئے اور تلوار کے واؤ کرنے لگے۔ دونوں اس فن میں کامل تھے۔ دیر تک وار کرتے اور بچاتے رہے۔ عیسائی نے موقع پا کر تلوار کا بھرپور ہاتھ مارا۔ ریحان بچ گئے اور جوابی حملہ کر کے اس زور سے تلوار ماری کہ عیسائی کا خود کو کاٹ کر حلق تک جا پہنچی۔ عیسائی چیخ مار کر گرا۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے ریحان نے برج کے قریب پہنچ کر خلیفہ کو سلام کیا۔ خلیفہ نے بھاری خلعت مع گھوڑے اور ایک تلوار کے جس کا دستہ مرصع بہ جواہر تھا عطا کیا۔

نزہون نے کہا "الٰہی تیرا شکر ہے"۔

صفیہ اور حفصہ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ہم دیکھ رہی تھیں تمہیں، ریحان کے مقابلہ میں آنے سے تکلیف ہوئی تھی اور ان کی فتح سے خوشی ہوئی ہے۔ یہ ان کا

راز ہے۔"

دونوں شہزادیاں ہنس پڑیں۔ نزہون محجوب ہو کر رہ گئی۔

٭

(۴۶)

مشاعرہ

عیسائی کی لاش وہاں سے ہٹا دی گئی۔ ایک اور عیسائی آگے بڑھ کر آیا۔ وہ بھی سلطان کے قریب گیا اور اس نے کچھ عرض کیا۔ شہزادیاں اور حسانہ برج سے اتنے فاصلے پر تھیں کہ آہستہ باتیں کرنے کی آواز ان تک نہیں آتی تھی۔ یہ عیسائی بھی بڑا قوی ہیکل تھا۔ ایک مضبوط گھوڑے پر سوار تھا۔ وہ لوہے میں غرق تھا۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے یہ عیسائی مرنے والے عیسائی کا یا تو کوئی عزیز ہے یا دوست ہے اور انتقام لینے کے لیے میدان میں آیا ہے۔

حسانہ: میرا بھی ایسا ہی خیال ہے۔

صفیہ: سنو، حاجب کیا کہہ رہے ہیں؟

خلیفہ کے پرائیویٹ سیکرٹری جو حاجب کہلاتے تھے کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا "یہ سوار مقتول کا بھائی ہے۔ انتقام کے جوش میں بڑھ کر آیا ہے۔ لڑنے والے کو طلب کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اسے سمجھایا۔ مگر یہ نہیں مانا۔ اس کے مقابلہ کے لیے کوئی جوان بڑھ کر آئے۔

کئی جوانوں نے اپنے گھوڑے بڑھائے۔ مگر گوتر نے نکلنے میں سبقت کی۔ اس نے کہا۔ "میں سب کو خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے قبضہ میں میری اور سب کی جانیں ہیں کہ اس کے مقابلہ میں کوئی نہ نکلے سوائے میرے۔"

جو جوان آگے بڑھ آئے تھے۔ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ ریحان بھی بڑھ آئے تھے۔

وہ بھی ہٹ آئے۔ حسانہ اور زہرون نے دیکھا۔ دونوں کو فکر ہوا۔ کوثر دبلے پتلے آدمی تھے اور عیسائی لحیم وشحیم پھر وہ لوہے میں غرق تھا اور کوثر ہلکی زرہ پہنے تھے۔ صفیہ نے کہا "نہ معلوم یہ کون اعرابی ہیں۔"

زہرون: یہ میرے بھائی جان ہیں۔

حفصہ: جوڑ برابر کا نہیں ہے۔

زہرون: خدا مدد کرے گا۔

مقابلہ شروع ہوگیا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ دونوں پھرتیلے اور جنگجو تھے۔ ایک دوسرے کا وار ڈھالوں پر روک رہے تھے۔ عیسائی نے بڑے زور سے حملہ کیا کوثر نے ڈھال پر روکا۔ عیسائی کی تلوار نے ان کی ڈھال پھاڑ ڈالی زہرون نے جلدی سے کہا "خدایا رحم کرنا بھائی جان کی ڈھال ناکارہ ہوگئی ہے۔"

کوثر نے بڑی پھرتی سے حملہ کیا۔ عیسائی نے ڈھال سامنے کردی۔ کوثر نے بھی زور سے تلوار ماری کہ ڈھال کے دو ٹکڑے ہوگئے عوام نے مرحبا اور کا شور بلند کیا دونوں نے ڈھالیں پھینک دیں اور تلوار سے حملے شروع کئے۔ عیسائی نے ان کے بازو پر وار کیا۔ تلوار نے زرہ کاٹ دی اور بازو میں خفیف سا چرکہ لگا گئی۔

کوثر نے جوش میں آکر تلوار ماری۔ عیسائی کی آنکھ جھپک گئی تلوار اس کے شانے پر پڑی اور شانہ کی زنجیروں کو کاٹ کر آدھی گردن تک اتر گئی۔ اس نے چیخ ماری اور گرا زہرون نے خدا کا شکر ادا کیا۔ حسانہ کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ مسلمانوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ کوثر نے برج کے قریب جا کر خلیفہ کو سلام کیا۔ انہیں بھی خلعت دیا گیا۔

کچھ اور مقابلے ہوئے اور ان کے بعد انعامات تقسیم کئے گئے اور ریحان اور کوثر کو بھی خلعتوں کے علاوہ انعامات بھی ملے۔ سلطان سے اجازت لے کر ملکہ اور دونوں شہزادیوں نے بھی کوثر اور ریحان کو انعامات دیئے۔

زوال کے وقت تک یہ تمام کارروائی ختم ہوگئی جلسہ برخاست ہوگیا خلیفہ اٹھ گئے۔

سب لوگ چلے گئے۔ ملکہ شہزادیاں اور دوسری لڑکیاں بھی جھروکوں سے ہٹ آئیں۔

زہرون اور حسانہ ایک ہی کمرہ میں مقیم تھیں۔ جب یہ دونوں اس کمرہ میں پہنچیں تو زہرون کچھ برہم معلوم ہوتی۔ حسانہ نے کہا "بہن تم خفا کس سے ہو رہی ہیں۔"

زہرون: تم سے اور کس سے۔

حسانہ: مجھ سے کیا قصور ہوگیا۔

زہرون: یہ تم نے مجھے بدنام کرنے کی کیوں ٹھان لی ہے۔

حسانہ: میری کیا ایسی جرأت ہوسکتی ہے۔

زہرون: تم نے کیوں کہا تھا "یہ ان کا راز ہے"۔

حسانہ: گستاخی معاف۔ تم نے کیوں بلند آواز سے کہا۔ الٰہی تیرا شکر ہے۔

شہزادیاں اڑتی چڑیا کو پہچانتی ہیں۔ وہ سمجھ گئیں۔

زہرون: اگر وہ سمجھ گئی تھیں تو تم نے سمجھا دیا۔

حسانہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا "شکر ہے تم نے اقرار تو کرلیا۔"

زہرون: کس بات کا۔

حسانہ: یہی کہ تمہیں بھائی جان کی ذات سے دلچسپی ہے۔

زہرون: بڑی شوخ ہو تم۔

حسانہ: اچھا غصہ تھوک ڈالو۔

اس نے زہرون کے گدگدی کی اور وہ ہنس پڑی۔ حسانہ نے ہنس کر کہا۔ بڑی اچھی ہیں بھائی جان میری۔

زہرون نے گھورتی ہوئی نظروں سے کہا "پھر وہی شرارت"۔

اسی روز زنانہ مشاعرہ کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔ مشاعرہ عشاء کی نماز کے بعد ہونے والا تھا۔ کئی شاعرہ، مالقہ، بلنسیہ اور جیان وغیرہ سے آئی تھیں۔ شہر غرناطہ سے کئی سو عورتیں مشاعرہ سننے کے لیے دن ہی میں آگئی تھیں۔ بڑے ہال میں مشاعرہ کا انتظام تھا۔ اس ہال کو آراستہ کرکے زرق برق بنا دیا گیا تھا۔

ہال کافی بڑا تھا۔ دو منزلہ تھا۔ نیچے کے درجہ میں شہ نشین تھا۔ ملکہ مشاعرہ کی صدارت کیا کرتی تھیں۔ شہ نشین میں ان کے لیے تخت بچھایا جاتا تھا۔ یہ تخت چاندی اور سونے کا تھا اور اس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ شہزادوں اور وزیروں کی بیگمیں اوپر کی منزل میں بیٹھتی تھیں۔ نیچے کی منزل میں باقی سب عورتیں ہوتی تھیں۔

جب رات ہوگئی تو مغرب کی نماز کے بعد سب نے کھانا کھایا اور عشا کی نماز پڑھ کر مشاعرہ میں جانے کی تیاری شروع کی۔ سب نے زرق برق لباس بدلے زیورات پہن کر گوندنی کی طرح لد گئیں۔ ایک تو وہ تھیں ہی حسین اور اچھے کپڑے اور سونے اور جواہرات پہن کر تو بالکل ہی رشک حور بن گئیں۔

یہ سب چل کر چلیں۔ شہزادیاں ساتھ تھیں۔ تمام قصر میں اس درجہ روشنی رہتی تھی کہ کسی حصہ میں بھی ساتھ روشنی لے جانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ یہ کئی بارہ دریوں اور کمروں میں سے ہو کر مشاعرہ کے بڑے ہال میں پہنچیں۔

حسانہ اور نزہون کو ایسے مشاعرہ میں شرکت کرنے کا پہلا موقع تھا۔ انھوں نے دیکھا تمام ہال عورتوں اور لڑکیوں سے کچا کھچ بھرا ہوا ہے۔ قریب قریب سب ہی عورتیں اور لڑکیاں اچھے اچھے کپڑے پہنے اور زیورات پہنے تھیں۔ یوں بھی شکیل تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پریوں کا مجمع ہو۔

ان کی نشست ہلال صورت میں تھی۔ سب کے رخ شہ نشین کی طرف تھے۔ شہ نشین کے دونوں بازوؤں پر دو چھوٹی چھوٹی سہ دریاں تھیں۔ ان میں ایک ایک در بیچ کا بڑا تھا اور ادھر ادھر کے در چھوٹے چھوٹے تھے۔ یہ دونوں سہ دریاں بھی بہت زیادہ آراستہ کی گئی تھیں۔ ان کے در شہ نشین کی طرف بھی تھے۔

حسانہ اور نزہون شہزادیوں کے ساتھ بالاخانہ پر جا بیٹھیں۔ باقی لڑکیاں نیچے کے درجہ میں رہ گئیں۔ ان دونوں نے اوپر جا کر دیکھا چاروں طرف کے کمرے بیگموں اور لڑکیوں سے بھرے پڑے تھے۔ چند شہزادیوں کی نشستیں خالی تھیں۔ وہاں وہ اور حسانہ اور نزہون بیٹھ گئیں۔

تمام بیگموں اور ان کی لڑکیوں کے لباس بھی زرق برق تھے وہ سب پریوں سے کچھ زیادہ ہی حسین معلوم ہو رہی تھیں۔

تھوڑی دیر میں ملکہ تشریف لے آئیں۔ ان کی تعظیم کے لیے سب کھڑی ہوگئیں۔ ملکہ کی عمر اگرچہ چالیس سال کے لگ بھگ تھی، لیکن چہرہ اور قویٰ سے بالکل جوان معلوم ہوتی تھیں۔ بہت زیادہ خوبصورت تھیں اور لباس تو ایسا تھا کہ تمام شہ نشین جگمگا اٹھی تھی۔ وہ سلام لے کر بیٹھ گئیں۔ نوجوان کنیزوں کی پلٹن ان کے تخت کے پیچھے پرا باندھ کر کھڑی ہو گئی۔

روشنی اس قدر تھی کہ تمام کمرہ بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ اس روشنی میں حسینوں کی صورتیں اور بھی دلربا معلوم ہو رہی تھیں۔

ملکہ کے آتے ہی مشاعرہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ ملکہ کی پرائیویٹ سیکرٹری ہی مشاعرہ کی بھی سیکرٹری تھیں۔ وہ بڑی عالمہ اور اچھی شاعرہ تھیں۔ انھوں نے کارروائی شروع کرنے کا اعلان کیا۔ سب سے پہلے ملکہ نے مختصر تقریر کی اور مشاعرہ میں شرکت کرنے والیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد سیکرٹری نام لیتی رہیں اور شاعرہ آ آ کر اپنا کلام پڑھتی رہیں۔ بعض تحت اللفظ پڑھتی تھیں اور بعض ترنم سے۔ ان کی زبان عربی تھی۔ عربی ہی میں نظمیں پڑھی جا رہی تھیں۔

مالقہ کی ایک شاعرہ زینت تھی۔ کمسن اور بڑی حسین تھی۔ جب اس نے اپنی نظم پڑھنی شروع کی تو سننے والیاں ہی نہیں جھومنے لگیں بلکہ در و دیوار بھی وجد میں آ گئے۔

دو تین اور لڑکیوں کے بعد حسانہ کا نام پکارا گیا۔ وہ بالاخانہ سے اتر کر شہ نشین کے قریب والی سہ دری میں آ گئی۔ سب یہیں آ کر نظمیں پڑھتی رہی تھیں۔ اس نے بھی نظم شروع کی چونکہ وہ پہلی مرتبہ ایسے مجمع میں نظم پڑھ رہی تھی۔ اس لیے اس پر مجمع کا کچھ رعب غالب ہوا۔ مگر رفتہ رفتہ اس کی جھجک دور ہو گئی۔ اس نے

ترنم سے نظم پڑھی، بہت زیادہ داد ملی۔ محفل تک جھوم گئی۔ تین بجے مشاعرہ ختم ہوا۔ پہلا انعام زینت کو دوسرا حسانہ کو ملا۔ زینت کو دس ہزار دینار اور حسانہ کو سات ہزار دینار ملے۔

❁

خوفناک خبر

جب نمائش ختم ہو گئی۔ تب حسانہ، نزہون، سلمٰی اور ان کی ساتھی دوسری لڑکیاں قصر الحمرا سے چلی آئیں۔ وہاں سے آنے کو ان کا جی تو نہ چاہتا تھا۔ لیکن آخر کب تک رہتیں، واپس آنا ہی پڑا۔ انہوں نے شیخ یعقوب سے ریحان سے کوثر سے جب قصر الحمرا کی تعریف کی۔ تو وہ سن کر ہی محو حیرت ہو گئے۔

اس کے بعد ہی حسانہ اور نزہون کئی مرتبہ قصر میں گئیں اور دو مرتبہ شہزادیاں بھی ان سے ملنے آئیں۔ شہزادیوں کو ان سے اور انہیں شہزادیوں سے بڑی ہی محبت ہو گئی تھی۔ اس لیے جب دس پندرہ روز گزر جاتے تو یا تو شہزادیاں ان سے ملنے آ جاتیں یا انہیں بلا لیتیں۔

شیخ یعقوب اور کوثر نے خلیفہ سے اپنے اپنے وطن جانے کی اجازت چاہی۔ خلیفہ نے انہیں روک لیا۔ دراصل خلیفہ بہادر اور جنگجو لوگوں کے بڑے قدر دان تھے۔ ریحان اور کوثر نے گزشتہ لڑائی میں جو دلیری اور جرأت کی تھی اس کا خلیفہ پر بڑا اثر ہوا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان بہادروں کو اپنے سے دور کریں۔ چنانچہ انہوں نے شیخ یعقوب کو مالقہ کے علاقہ میں جاگیر دے دی اور ریحان اور کوثر کو فوج میں بھرتی کر کے پانچ پانچ سو سواروں پر افسر مقرر کر دیا۔

خلیفہ نے یہ ایسی تدبیر کی جس سے ان میں سے کسی نے پھر اپنے وطن جانے کا نام بھی نہ لیا۔ شیخ یعقوب کے قبیلہ کے دوسرے جوانوں کو بھی فوج میں لے لیا۔ دوسرے

سواروں پر یوسف کو بھی افسر مقرر کر دیا۔ اس طرح شیخ یعقوب کا سارا قبیلہ وہیں رہ گیا۔

پہلے تو یہ سب لوگ ایک ہی محل میں رہتے تھے۔ اب کوثر کو ایک محل علیحدہ مل گیا اور کوثر اور زہرون اس میں رہنے لگے اور یوسف اور دوسرے لوگوں کو الگ الگ مکانات دے دیئے گئے اور جس محل میں یہ سب لوگ آ کر ٹھہرے تھے۔ وہ شیخ یعقوب ہی کے پاس رہا۔ شیخ اپنے بچوں اور حسانہ کے ساتھ اسی میں رہتے۔

زہرون اور حسانہ میں بڑی محبت ہو گئی تھی۔ یہ دونوں بھی دوسرے تیسرے روز ایک دوسری کے پاس آتی جاتی رہتی تھیں۔ شیخ یعقوب، کوثر کو بھی بیٹے کی طرح چاہنے لگے تھے اور زہرون سے بھی بیٹی کی طرح محبت کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ زہرون ریحان کی دلہن بن کر ان کے گھر آ جائے۔ لیکن وہ اس لیے پس و پیش کر رہے تھے کہ کوثر اس رشتہ کو پسند کریں گے۔ اس لیے انھوں نے پیغام نہیں دیا تھا۔

غرناطہ میں امن و امان تھا۔ لوگ بے فکری اور فارغ البالی سے دن گزار رہے تھے۔ خلیفہ ابو الولید نے سرکاری قلعوں کو کافی مضبوط کر دیا تھا اور چونکہ وہ عیسائیوں کو ہزیمت دے چکے تھے اور عیسائی بادشاہ نے صلح کر لی تھی۔ اس لیے انہیں اطمینان ہو گیا تھا کہ اب وہ کوئی حرکت نہ کریں گے۔

مگر یہ اطمینان جلد ہی رخصت ہو گیا۔ انہیں اطلاع ملی کہ بطروہ نے یورپ کے تمام عیسائی بادشاہوں سے مدد طلب کی ہے۔ خود بھی جنگی تیاریاں شروع کر دی ہیں اور اس کا ارادہ فیصلہ کن جنگ لڑنے کا ہے۔ وہ غرناطہ پر قبضہ کرنے کی فکر میں ہے۔

سلطان نے حالات معلوم کرنے کے لیے جاسوس بھیجے ان جاسوسوں نے جو خبریں بھیجیں۔ وہ نہایت خوفناک اور پریشان کن تھیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ بطروہ نے پاپائے روم سے فریاد کی ہے اور درخواست کی ہے کہ عیسائی شاہان یورپ کو اس کی مدد پر آمادہ کیا جائے۔ چنانچہ پوپ نے اعلان جہاد کر دیا ہے اور تمام یورپ

میں غرناطہ کے سلطان اور مسلمانوں کے خلاف جوش و غضب کا طوفان اُمنڈ آیا ہے۔ پادریوں نے تقریریں کر کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بڑا جوش پیدا کر دیا ہے۔ شاہان یورپ بطروہ کی مدد کے لیے لشکر لے کر طلیطلہ میں آ گئے ہیں اور بہت سے آنے والے ہیں۔ لشکروں کی آمد کا تانتا لگا ہوا ہے۔ اس وقت تک دو لاکھ لشکر جمع ہو چکا ہے۔ معلوم نہیں اور کتنا لشکر آنے والا ہے۔ عیسائیوں نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ سلطنت غرناطہ کی بیخ کنی کر کے مسلمانوں کو سرزمین اندلس سے مٹا دیں۔

ان خبروں سے مسلمانوں کو بڑی تشویش ہوئی۔ خلیفہ ابو الولید نے کوئی خبر عام مسلمانوں سے چھپائی نہیں۔ بلکہ جو جو خبریں جاسوس بھیجتے رہے وہ فوجی افسروں، سلطنت کے رکنوں، وزیروں اور شہر کے معزز لوگوں کو سناتے رہے اور ان لوگوں سے عوام تک پہنچتی رہیں۔ سب فکرمند اور پریشان ہو گئے۔

مسلمان نماز پہلے بھی پڑھتے تھے اب اور بھی خلوص سے پڑھنے لگے۔ پانچوں وقت مسجدیں بھر جاتیں۔ نماز کے بعد عافیت اور امن کی دعائیں مانگی جاتیں۔ بچے تک دعا مانگتے کہ "اے رب العزت، اے معبود، اے بے سہاروں کے سہارے سرزمین اندلس میں ہماری پناہ گاہ صرف یہ چھوٹی سی سلطنت غرناطہ رہ گئی ہے۔ دشمن ہمیں یہاں سے بھی نکالنا اور مٹانا چاہتا ہے۔ اس وقت کوئی ہمارا والی نہیں کوئی مددگار نہیں، تو غیب سے ہماری مدد کر ہمیں ان عیسائی بھیڑیوں سے بچا۔"

عورتیں اور مسلم دوشیزائیں بھی اس قسم کی دعائیں مانگا کرتی تھیں۔ خواتین اسلام عصمت و عفت کو جان سے زیادہ عزیز سمجھتی ہیں۔ اس لیے وہ اپنی دعاؤں میں ان الفاظ کا اور اضافہ کر لیا کرتی تھیں "ہماری عصمت و عفت کا نگہبان ہو۔ ہمیں وہ روز بد نہ دکھا جب ہماری عصمت پر داغ لگے۔"

جاسوسوں نے یہ بھی اطلاع دی کہ یورپ سے پچیس عیسائی بادشاہ اور شہزادے بھی طلیطلہ میں آ گئے ہیں ان میں انگلینڈ، فرانس، اٹلی اور جرمنی جیسی بڑی بڑی سلطنتوں کے شہزادے بھی ہیں۔

اس آخری خبر سے یہ بات صاف ہو گئی کہ یورپ کی تمام چھوٹی بڑی سلطنتوں نے
متفق ہو کر اندلس میں اپنی فوجیں بھیج دی ہیں اور ہر بڑی سلطنت نے فوجوں کے ساتھ
ساتھ اپنے اپنے شہزادے بھی بھیجے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے بادشاہ اپنے لشکروں
کے ساتھ خود آئے ہیں۔ ہر بادشاہ اور ہر شہزادہ بڑے ساز و سامان سے آیا ہے۔

اس زمانہ میں مراکو میں اسلامی سلطنت تھی۔ اس سلطنت کے حکمران یا سلطان ابو سعید
تھے۔ ابوالولید نے ان سے مدد کی درخواست کی۔ پہلے بھی ایسا ہو چکا تھا کہ جب کبھی
اندلس کے مسلمانوں پر عیسائیوں نے چڑھائی کی تو مراکو (مراکش) کے سلطان نے ان کی
مدد کی اور اندلس اور مراکو کے مسلمانوں نے مل کر حملہ آور عیسائیوں کو ہزیمت دے کر
بھگا دیا۔

لیکن بدقسمتی سے اس موقع پر ابو سعید اہل غرناطہ کی مدد نہ کر سکے۔ ابوالولید کا قاصد
ناکام واپس آیا تو مسلمانوں کو اور بھی فکر ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یہ وحشت ناک خبر بھی آئی کہ
عیسائی کا ٹڈی دل لشکر جس کی تعداد ڈھائی لاکھ سے بھی زیادہ ہے مسلمانوں کو مٹانے کے
لیے سیلاب عظیم کی طرح طلیطلہ سے روانہ ہو گیا ہے۔

اس وحشت ناک خبر نے مسلمانوں کو اور بھی بے چین اور پریشان کر دیا۔ انہیں اپنی
ہلاکت یقینی نظر آنے لگی۔ ایسا عظیم الشان عیسائی لشکر ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جس میں
دو لاکھ پیادے اور پچاس ہزار سوار تھے اور جو یورپ کے مشہور جنگجو اور بہادر افسروں،
شہزادوں اور بادشاہوں کے زیر کمان تھا اور جس کے ساتھ بے شمار پادری، راہب اور
بشپ بھی تھے۔

سلطان ابوالولید نے بھی لشکر کی فراہمی شروع کر دی تھی۔ ان کا کچھ لشکر سرحدی
چوکیوں پر متعین تھا۔ اس لشکر کو وہ وہاں سے نہیں ہٹا سکتے تھے۔ احتمال تھا کہ اگر لشکر
وہاں سے ہٹایا جائے تو اس طرف سے بھی حملہ ہو جائے۔ چنانچہ سرحدی چوکیوں پر
بدستور لشکر چھوڑ دیے گئے اور نئی فوجیں درآمد کی جانے لگیں۔

بہت کچھ جدوجہد کے بعد ساڑھے پانچ ہزار لشکر جمع ہو سکا۔ اس میں چار ہزار

پیادے تھے اور ڈیڑھ ہزار سوار۔ ظاہر ہے کہ عیسائیوں کی بے پناہ لاکھوں سپاہیوں کے
سامنے اس تھوڑی سی تعداد کی کوئی بھی اصل حقیقت نہ تھی۔

ایک روز سلطان ابوالولید نے لشکر کے سامنے نہایت ولولہ انگیز تقریر کی۔ انہوں نے
تقریر کے آخر میں کہا، "تم ان شیروں کی اولاد ہو جو ایک ایک ہزار عیسائی سے ایک ایک
جانباز لڑتے رہے ہیں۔ تاریخ اپنے ضرور کو دہراتی ہے۔ خدا تمہارے ایمان کا، تمہارے جوش کا
اور تمہاری دلیری کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ تم امتحان دو، خدا کی خوشنودی کے لیے اسلام
کی بقا کے لیے اور اپنے ناموس کی حفاظت کے لیے سروں سے کفن باندھ کر نکلو اور دشمنوں
پر جا ٹوٹو۔ انہیں بتا دو کہ ہم شیران اسلام کی اولاد ہیں۔ ہمارا مقابلہ آسان نہیں ہے ہمیں
خدا کی مدد پر بھروسہ ہے اور وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔ بولو۔ کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟"

ہر طرف سے آوازیں آئیں "تیار ہیں۔ تیار ہیں"۔

ابوالولید: "شاباش۔ مجھے تم سے ایسی ہی توقع تھی۔ میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔ تمہارے
ساتھ جیوں گا اور تمہارے ساتھ مروں گا۔"

لوگوں نے جوش میں آ کر اللہ اکبر کے پر شور نعرے لگائے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں
میں ایسا جذبہ پیدا ہو گیا جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں پایا جاتا تھا۔

سلطان ابوالولید نے اعلان کر دیا کہ لشکر اگلے روز روانہ ہو جائے گا۔ مسلمان خوش
خوش وہاں سے لوٹے اور تیاری شروع کر دی۔

(۴۹)

مجاہدینِ اسلام کا کوچ

مسلمانوں میں کچھ ایسا جذبۂ جہاد اور سر فروشی کا جوش پیدا ہوا کہ انہیں رات کاٹنی مشکل ہو گئی۔ اس خوشی نے انہیں سونے نہ دیا کہ صبح عیسائیوں سے جنگ کرنے کے لیے کوچ ہو گا۔

اگرچہ انہیں معلوم تھا کہ عیسائی لشکر ڈھائی لاکھ کے قریب ہے اور مسلمانوں کی تعداد صرف ساڑھے پانچ ہزار ہے مگر انہوں نے اپنی قلت اور دشمنوں کی کثرت کی پرواہ نہیں کی۔ یہ طے کر لیا کہ عزت کے ساتھ یا تو حکمران بن کر عزت سے رہیں یا شہید ہو جائیں گے غلام بن کر ذلت سے زندگی گزارنے کے لیے زندہ نہ رہیں گے۔

عورتوں میں بھی سر فروشی کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ انہوں نے بھی خلیفہ ابوالولید سے میدانِ جنگ میں جانے کی درخواست کی۔ ان عورتوں میں فوجیوں کی، وزیروں کی، امیروں کی اور غریبوں کی بیگمیں اور لڑکیاں تھیں۔ شہزادیاں اور ملکہ تھیں۔ لیکن خلیفہ نے انہیں اسلامی لشکر کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دی۔ البتہ ان سے یہ کہہ دیا کہ وہ گھروں میں رہ کر فتح کی دعائیں مانگیں۔

بچوں کے دلوں میں بھی جہاد کا جذبہ پیدا ہوا۔ جو سمجھدار بچے تھے۔ انہوں نے بھی جنگ پر جانا چاہا۔ مگر انہیں بھی روک دیا گیا۔

حیرتناک بات یہ ہے کہ وہ رات مسلمانوں نے اس طرح ہنسی خوشی سے بسر کی جیسے ہندوستان کے مسلمان شبِ عید کپڑوں کی درستگی میں گزار دیتے ہیں۔ اسی طرح

مجاہدینِ اسلام نے وہ رات ہتھیاروں کی دیکھ بھال میں گزار دی۔

صبح ہوتے ہی نماز سے فراغت کر کے مسلمان مسلح ہونے لگے۔ ریحان بھی مسلح ہوئے۔ حسانہ نے انہیں ہتھیار لگانے میں مدد دی اور کہا کاش میں بھی تمہارے ساتھ چلتی۔

ریحان نے ہنس کر کہا۔ "مگر ہم مشاعرہ میں شرکت کرنے کی غرض سے نہیں جا رہے ہیں۔ لڑنے جا رہے ہیں۔"

حسانہ نے مسکرا کر کہا۔ "تمہیں نہ شعر کہنا آتا ہے اور نہ لڑنا۔ خدا کے فضل سے میں شعر بھی کہہ لیتی ہوں اور لڑنا بھی جانتی ہوں۔"

ریحان نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "تم ۔۔۔ کیوں نہیں۔ ماشاءاللہ تمہارے قویٰ بھی ایسے ہیں۔"

حسانہ، "قویٰ کو دیکھتے ہو۔ دل کو دیکھو۔ بہادری کا تعلق دل سے ہے۔"

یہ کہہ کر وہ ہنس پڑی۔ ریحان کا اس قسم کی گفتگو سے یہی منشا بھی تھا۔ وہ جانتے تھے کہ حسانہ ان سے کس قدر محبت کرتی ہے۔ انہیں خوف تھا کہ انہیں رخصت کرتے وقت اسے ضرور ملال ہو گا۔ اس لیے وہ اسے ہنسا رہے تھے تاکہ اس سے اس کے ملال میں کچھ کمی ہو جائے۔

خود حسانہ کا بھی خیال تھا کہ وہ ریحان کو ہنسی خوشی رخصت کرے۔ ان پر یہ واضح کر دے کہ اسے اپنے بھائی کے جہاد پر جانے کا ملال نہیں ہے بلکہ خوشی ہے حالانکہ وہ خوب جانتی تھی کہ بے شمار عیسائیوں کے مقابلہ میں وہ جا رہے ہیں کوئی معجزہ ہی انہیں بچا کر لا سکتا ہے۔

جس وقت حسانہ ہنس رہی تھی۔ اس وقت نزہون وہاں آ گئی۔ اس نے کہا۔ "کیا پایا۔ کیوں ہنسی آ رہی ہے۔"

ریحان نے اس گل اندام کی طرف دیکھا۔ اس کی حسین نگاہوں سے ان کی نگاہیں ٹکرائیں، نزہون کی نگاہیں جھک گئیں۔ حسانہ نے اس کی طرف گھوم کر کہا۔ "خدا جانے مرد اپنی طاقت پر کیوں غرور کیا کرتے ہیں۔ تمہارے یہ میرے قویٰ پر طعنہ زنی کر رہے ہیں۔"

زہرون حسانہ کے "تمہارے یہ ، کہنے پر کچھ محجوب ہو گئی۔ اس نے شرمیلی نظروں سے
شوخ حسانہ کو دیکھ کر ایسی آہستگی سے کہ ریحان نہ سن سکے کہا۔ "شرارت سے باز نہ آؤ گی۔"
حسانہ : اچھا تم ہی بتاؤ یہ مرد ہم سے کس بات میں زیادہ ہیں۔ آخر یہ اپنے آپ کو
ہی کیوں بہادر سمجھتے ہیں؟
زہرون : مجھ سے پوچھتی ہو جو اپنے آپ کو بہادر جتاتے ہیں۔ ان سے ہی پوچھو۔
حسانہ : تم پوچھو۔
زہرون : کن سے پوچھوں۔
حسانہ نے حسین قہقہہ لگا کر کہا۔ " یہ اسے جو کھڑے ہیں۔ یہی تو بہادری کی ڈینگیں
مار رہے ہیں۔
زہرون نے دلفریب نگاہوں سے ریحان کی طرف دیکھا۔ ریحان نے جلدی سے
کہا: "بہادری کی ڈینگیں یہ تمہاری سہیلی مار رہی ہیں۔ میں نہیں۔
حسانہ نے ایک اور قہقہہ لگایا اس نے کہا "بس رخصت ہو گئی۔ ساری بہادری زہرون
کے ایک نظر دیکھنے سے ہی ڈر گئے۔
زہرون پھر شرما گئی اس نے کہا ، بڑی شریر ہو تم۔
حسانہ : مجھے تم کیا گھور رہی ہو۔ میں تم سے نہیں ڈر سکتی۔ تم بھی بہادر ہو۔ میں بھی بہادر
ہوں۔ ایک بہادر دوسرے بہادر سے نہیں ڈرا کرتا۔ ڈر ہے ان کا۔
ریحان نے ہنس کر کہا۔ بڑی بہادر۔ دن میں کسی کو قتل ہوتے دیکھ لے تو رات بھر
اچھلتی رہو۔
حسانہ : میں عیسائیوں کو بھیڑ سمجھتی ہوں۔ سمجھے۔ اگر امتحان لینا چاہو تو چلوں تمہارا
لباس پہن کر تمہارے ساتھ۔
ریحان کو پھر ہنسی آ گئی۔ اس نے کہا۔ "میرا لباس پہن کر تم تو عجیب معلوم ہو گی۔
زہرون نے مسکرا کر کہا۔ اس کی تو میں بھی شہادت دیتی ہوں۔
اس وقت شیخ یعقوب آگئے۔ وہ بھی مسلح ہو کر آئے تھے۔ ان سب نے انہیں

سلام کیا۔ انھوں نے ریحان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تیار ہو گئے بیٹا؟"
ریحان : جی ہاں۔ میں تو تیار ہو گیا۔ لیکن حسانہ اور تیار ہونا چاہتی ہے۔ کہتی ہے
تمہارا لباس پہن کر تمہارے ساتھ چلوں گی۔ عیسائیوں کو بھیڑ سمجھتی ہوں۔
شیخ یعقوب مسکرائے۔ انھوں نے کہا: "آخر تمہاری ہی بہن تو ہے حسانہ اسے
دلیری کا دعویٰ کیوں نہ ہو۔
حسانہ نے کہا: واہ ابا جان۔ آپ نے بھی بھائی جان ہی کی طرف داری کی یہ نہ کہا :
" حسانہ ہے ہی دلیر۔ تم بھی اس کے بھائی ہو۔ تم بھی بہادری کا دعویٰ کر سکتے ہو۔
شیخ یعقوب ہنس پڑے۔ انھوں نے کہا: واقعی غلطی ہوئی ہم سے۔ یہی کہنا چاہیے
تھا ہمیں۔ یہ ہماری بیٹی بڑی بہادر ہے۔
حسانہ مسکرائی ریحان نے کہا: " اب تو خوش ہو گئیں تم۔ چلو تمہاری تعریف بھی
ہو گئی۔
حسانہ : تعریف نہیں۔ بلکہ ٹھیک بات کہہ دی ابا جان نے۔
یعقوب : اچھا بیٹا اب چلو۔ وہ دیکھو۔ کوثر بھی آگئے۔
کوثر بھی مسلح ہو کر آئے تھے۔ حسانہ نے انہیں ایک نظر دیکھا اور نگاہیں جھکا لیں۔
کوثر نے کہا: "تیار ہو گئے بھائی ریحان۔
ریحان : جی ہاں تیار ہو گیا۔
شیخ یعقوب نے حسانہ اور زہرون کے سر پہ ہاتھ رکھا اور کہا: "عزیز از جان بیٹیو!
خدا سے فتح کی دعا مانگتی رہنا۔ ہم خدا ہی کے بھروسہ پہ بے پناہ دشمنوں سے ٹکر لینے
جا رہے ہیں۔
حسانہ : خدا ضرور فتح عطا فرمائے گا۔
اب شیخ یعقوب ، ریحان اور کوثر تینوں چلے۔ حسانہ اور زہرون نے انہیں ہنسی
خوشی سے رخصت کیا۔ یہ تینوں محل سے باہر نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چلے اور
اس میدان میں پہنچے جہاں لشکر جمع ہو رہا تھا۔

تمام لشکر مسلح ہو کر آ گیا تھا۔ افسران اپنے اپنے رسالوں اور پلٹنوں میں پہنچ گئے تھے۔ سلطان کے آنے کا انتظار تھا۔ غرناطہ کے مسلمان مرد اور بچے اس لشکر کو رخصت کرنے کے لیے آ گئے تھے۔ میدان کے کناروں پر لوگوں کے ٹھٹ لگے ہوئے تھے۔

تھوڑی دیر میں سلطان بھی آ گئے۔ انہوں نے سرسری نظر سے لشکر کا جائزہ لیا اور لشکر کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔ جھنڈیوں کے اشاروں سے سلطانی حکم سے فوجیوں کو مطلع کر دیا گیا۔ سب سے پہلے پلٹنوں نے اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگا کر کوچ کیا۔ مسلمانوں نے بھی زور شور سے نعرے لگائے۔

ابھی چند ہی پلٹنیں روانہ ہوئی تھیں کہ ایک بزرگ جن کا نام عارف باللہ تھا اور جو گوشہ نشین عابد و زاہد تھے۔ بہت کم اپنے حجرے سے نکلتے تھے آ گئے۔ لوگ ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ وہ ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ لشکر کو روانہ ہوتے دیکھتے رہے۔ انہوں نے جذبے میں آ کر کہا۔ اے اللہ اس لشکر کو فتح دینا، فتح دینا، فتح دینا۔

مسلمانوں نے سنا وہ بہت کم بولتے تھے اور جو کچھ کہتے تھے۔ خدا وہ کر دیتا تھا۔ مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ انشاء اللہ فتح مسلمانوں ہی کو ہو گی۔ غلبہ اسلام کو ہو گا۔

خلیفہ ابوالولید نے بھی عارف باللہ کو دیکھ لیا انہوں نے دور ہی سے انہیں سلام کیا۔ اور اپنے رسالہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔

عارف باللہ نے ہاتھ اٹھا کر آہستگی سے دعا مانگی اور چلے گئے۔ مسلمانوں نے بھی دعا مانگی اور جب لشکر دور نکل گیا تو وہ واپس لوٹے۔

❖

(۵۰)

مجلسِ شوریٰ

سلطان غرناطہ یعنی خلیفہ ابوالولید صرف خدا کے بھروسہ پر ساڑھے پانچ ہزار مجاہدین کو ساتھ لے کر لاکھوں عیسائیوں کے مقابلہ کے لیے بیسویں ربیع الثانی ۷۱۹ھ کو روانہ ہوئے۔ اس روز انہوں نے صرف پانچ میل سفر طے کر کے قیام کیا۔ مسلمانوں کی دلیری، جرأت اور استقلال کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ اگرچہ وہ سمجھ رہے تھے کہ ایسے عظیم الشان لشکر کے مقابلے میں جا رہے ہیں۔ جس کی تعداد ریت کے ذروں سے بھی زیادہ ہے اور جس میں پچیس عیسائی بادشاہ اور شہزادے شریک ہیں۔ لیکن وہ ناامید اور مایوس نہ تھے۔ نہ ان کی روشن پیشانیاں فکر و پریشانی سے تاریک تھیں۔ نہ ان کی روشن پیشانیاں فکر و پریشانی سے تاریک تھیں۔ نہ ان کے دلوں پر کوئی ہراس تھا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ بشاش تھے۔ ان کے چہرے روشن تھے۔

خلیفہ ابوالولید کو ضرور یہ فکر تھا کہ اگر خدانخواستہ مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی اور ان کے علم کے نیچے مجاہدین زیادہ شہید ہو گئے تو وہ قیامت کے روز پروردگار عالم کو کیا جواب دیں گے۔ اس فکر نے انہیں پریشان کر رکھا تھا۔ مگر وہ اپنے فکر و پریشانی کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔

دوسرے روز لشکر پھر روانہ ہوا۔ اس لشکر کے ساتھ رسد اور سامان جنگ کافی تعداد میں تھا۔ رات کو روشنی کا بھی کافی اہتمام ہوتا تھا۔ صبح کی نماز پڑھ کر لشکر کوچ کرتا اور دوپہر کو قیام کر دیتا۔ چونکہ پیدل زیادہ تھے۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ دس میل

روزانہ سفر طے ہوتا۔

سلطان عیسائی لشکر کو اسلامی سلطنت کی سرحد پر روکنا چاہتے تھے۔ مگر چونکہ وہ تیزی سے سفر نہ کر سکتے تھے۔ اس لیے یہ ممکن ہوا عیسائی سلطنت غرناطہ کی سرحد میں گھس آئے اور انہوں نے حسب عادت اس نواح کی اسلامی بستیوں کو تباہ و تاراج کرنا شروع کر دیا۔ وہاں سے مسلمان بھاگ بھاگ کر غرناطہ کی طرف آنے لگے۔

ایک روز تارکین وطن کا ایک قافلہ جس میں چند مرد، چند عورتیں اور چند بچے تھے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ عیسائی لشکر طوفان اور آندھی کی طرح بڑھا چلا آ رہا ہے اور جو مسلمان عیسائیوں کے ہاتھ آ جاتے ہیں انہیں وہ بے دریغ قتل کر ڈالتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ کسی مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں۔ سرزمین اندلس سے مسلمان کا نام و نشان مٹا دیں۔

یہ بات تو بالکل ظاہر تھی کہ عیسائی اندلس یعنی ہسپانیہ سے مسلمانوں کو مٹا دینا اور اسلام کو بے دخل کر دینا چاہتے تھے۔ اسی مقصد کو لے کر پاپائے روم نے یورپ اعلان جہاد کیا تھا اور اسی غرض سے شاہان یورپ بے شمار لشکر لے کر اندلس میں آئے تھے اور جیسا کہ صلیبی لڑائیوں میں پہلے بھی کئی مرتبہ عیسائیوں نے سفاکانہ خونریزی اور بے رحمانہ قتل عام کیا تھا اس کی تکرار اب ہسپانیہ میں بھی شروع کر دی تھی۔

خلیفہ ابو الولید نے اس قافلہ کو غرناطہ کی طرف روانہ کر دیا اور خود تیزی سے عیسائیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس قدر بھی ممکن ہو سکے۔ عیسائیوں کو بڑھ کر روک دیں۔ تاکہ جو خونریزی کرتے وہ چلے آ رہے ہیں۔ اس سے مسلمان بچ جائیں۔

لیکن ابھی عیسائی اسلامی سرحد میں داخل ہی ہوئے تھے اور چونکہ ان کے ساتھ بھاری لشکر تھا۔ اس لیے وہ تیزی سے سفر نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ انہیں مسلمانوں کے حملہ کا بھی اندیشہ تھا۔ اس لیے وہ اپنے لشکر کے ٹکڑے کرنا نہیں چاہتے تھے۔ سارے لشکر کو ساتھ ہی لیے ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ آہستہ آہستہ بڑھتے چلے آ رہے تھے۔

سرحدی علاقے کے مسلمان اس خوفناک لشکر کی آمد کی خبر سنتے ہی پریشان ہو کر بستیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے تھے۔ یہ لوگ مختلف راستوں سے مالقہ اور غرناطہ کی طرف آ رہے تھے۔ ان میں سے کئی قافلے سلطان کو مل چکے تھے۔ ان قافلوں کے مسلمان سخت پریشان، متفکر اور بدحواس تھے۔ لیکن ان کی پریشانی ہراس اور بدحواسی کا اسلامی لشکر پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

خلیفہ ابو الولید نے پانچ مسلمانوں کو دشمنوں کے لشکر کی خبر لانے کے لیے بھیجا۔ انہیں ہدایت کی کہ چھپ کر مفصل پتہ لگائیں کہ دراصل عیسائی لشکر کی تعداد کتنی ہے۔ کیونکہ اب تک جو مسلمان انہیں ملے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا۔ جس نے عیسائی لشکر کو دیکھا ہو اور اسے اس کی صحیح تعداد معلوم ہو۔ یہ وہ لوگ تھے جو عیسائی لشکر کے آنے کی خبر سن کر ہی اپنی بستیوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔

پانچ جاسوس روانہ ہوئے اور کئی روز کے بعد واپس آئے۔ خوف و ہراس سے ان کی حالت دگرگوں تھی۔ ان کے چہرے سفید پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ عیسائی لشکر بے شمار ہے۔ جب وہ کوچ کرتا ہے تو زمین دہل جاتی ہے اور آسمان تک گرد و غبار چھا جاتا ہے۔

خلیفہ نے ان سے پوچھا۔ کیا تم لشکر کے قریب گئے تھے۔

ان میں سے ایک شخص نے کہا ”میں گیا تھا۔ جب لشکر نے قیام کر دیا تو میں ایک ٹیلہ پر جا چڑھا اور جھاڑیوں کے پیچھے جا کر دیکھنے لگا۔ میں نے ان کے علم شمار کیے۔ دو سو ساٹھ علم میں نے گنے تھے۔ اس سے زیادہ نہیں گن سکا۔ کیونکہ کچھ علم بہت دور تھے۔

یہ بات سب کو معلوم تھی کہ ایک عیسائی علم کے تحت ایک ہزار سوار یا پیدل ہوتے ہیں۔ اس حساب سے دو لاکھ ساٹھ ہزار سے بھی زیادہ لشکر تھا۔

اسی شخص نے پھر کہنا شروع کیا ”میں نے یہ بھی دیکھا کہ ان میں سے زیادہ لوگ لوہے میں غرق تھے۔ ان کے ہتھیار کی وردیاں الگ الگ تھیں۔ علم الگ الگ تھے۔ ان میں ہسپانیہ کے لوگ بہت کم تھے۔ یورپ کے زیادہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارا یورپ امنڈ آیا ہے۔

خلیفہ : اس لشکر میں زیادہ تر یورپ بھر کے لوگ ہیں۔ ہمیں جاسوسوں نے اس بات کے پہلے ہی اطلاع دے دی تھی۔

سلطان نے اسی وقت مجلسِ شوریٰ طلب کی۔ چھوٹے اور بڑے تمام افسروں کو بلایا۔ جب سب لوگ آ گئے، تب سلطان نے ان سے کہا۔ ہمیں جاسوسوں نے اطلاع دی ہے کہ لشکر کی تعداد دو لاکھ ساٹھ ہزار سے بھی زیادہ ہے اور یہ ٹڈی دل لشکر قریب آ گیا ہے۔ اس کے زیادہ تر سپاہی زرہ پوش ہیں۔ ان کے پاس ان کی تعداد کے مطابق ہی سامان حرب و رسد بھی ہے گویا آہن پوشوں کا ایک سیلاب ہے جو ہماری طرف بہتا چلا آ رہا ہے۔ ہماری تعداد ان کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ اگرچہ یہ بات غرناطہ ہی میں کھل گئی تھی کہ ٹڈی دل دشمن کے مقابلے میں ہماری مٹھی بھر فوج کسی شمار قطار میں نہیں ہے لیکن ہم شوقِ شہادت اور جوشِ جہاد میں خدا کے بھروسہ پر نکل کھڑے ہوئے۔ اب دشمن بہت قریب آ گیا ہے۔ یہ مشورہ دو کہ کیا کرنا چاہیے۔

کچھ دیر کے بعد شیخ الغزاۃ نے کہا : ہم سب مجاہد ہیں۔ شہادت ہماری عین تمنا ہے۔ ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں ہے کہ دشمن کس قدر ہیں اور ان کی تعداد کیا ہے۔ ہم لڑتے لڑتے ہی لڑیں گے۔

ابو الجیوش : اعلیٰ حضرت مسلمان کی یہ فطرت ہے کہ وہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے اور اسے پورا کر کے دم لیتا ہے۔ ہم گھر سے جنگ کے مقصد سے چلے ہیں۔ جنگ کریں گے فتح اور شکست خدا کے ہاتھ ہے۔

شیخ یعقوب : ہم وہ ہیں جن کی عمر میں گھوڑوں کی پیٹھوں پر اور تلواروں کے سایے میں کیونکہ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پھر کیا ہم ان گیدڑوں سے ڈر جائیں گے۔ جو ہمارے سامنے آ رہے ہیں۔ اگرچہ میری جوانی رخصت ہو چکی ہے۔ لیکن اب بھی دل جوان ہے اور اس میں اس قدر جوش ہے اگر خلیفہ اجازت دیں تو تنہا جا کر دشمنوں پر حملہ کر دوں۔ دل کے حوصلے نکالوں اور شہید ہو جاؤں۔

خلیفہ : خدا کا شکر ہے۔ تمہارے دلوں میں بھی وہی ولولہ اور جوش ہے جو ہمارے دل میں ہے۔ ہم آخری دم تک غرناطہ کی ایک ایک انچ زمین کے لیے لڑیں گے۔ اس ملک کو ہمارے بزرگوں نے اپنی جانیں دے کر اور اپنا خون بہا کر فتح کیا تھا۔ ہم بھی اپنی جانیں دے کر اسے باقی رکھیں گے۔ لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کو مجبور کریں کہ وہ ہمارے ساتھ چل کر لڑیں۔ ہماری طرف سے اجازت ہے کہ جو لوگ واپس جانا چاہیں چلے جائیں۔ تم سب تمام لشکر میں اعلان کر دو کہ جو مسلمان واپس جانا چاہیں۔ انہیں اجازت ہے وہ لوٹ جائیں۔

ریحان نے عرض کیا : میرے خیال میں تمام لشکر میں ایک مسلمان بھی ایسا نہ نکلے گا جو واپس لوٹنا چاہے گا۔ ہر مسلمان سر سے کفن باندھ کر آیا ہے اور عیسائیوں سے جنگ کرنے کے لیے بے تاب ہے۔

ریحان نے یہ بات ٹھیک ہی کہی تھی۔ مجلس شوریٰ برخاست ہونے کے بعد جب افسروں نے مجاہدین میں یہ اعلان کیا کہ سلطان غرناطہ نے اجازت دے دی ہے کہ جو لوگ واپس جانا چاہیں چلے جائیں تو ایک مسلمان بھی ایسا نہ نکلا جس نے واپس جانا چاہا ہو۔ چنانچہ سلطان کو اطلاع دے دی گئی کہ کوئی مسلمان واپس جانا نہیں چاہتا۔ اس سے سلطان کو بڑی مسرت ہوئی اور وہ وہاں سے آگے بڑھے۔

❊

عیسائی ہراول

جوں جوں اسلامی لشکر آگے بڑھتا جاتا تھا، عیسائی لشکر کے قریب ہوتا جاتا تھا۔ اسلامی جاسوس عیسائی لشکر کی خبریں برابر لا رہے تھے۔ خلیفہ ابوالولید کو معلوم ہوا کہ پانچ ہزار عیسائی لشکر بطور ہراول کے آ رہا ہے اور یہ دستہ، تمام لشکر سے ایک منزل کے فاصلہ سے آگے ہے۔

خلیفہ نے شیخ الغزاۃ کو پانچ سو سپاہیوں کا دستہ دے کر بطور ہراول آگے روانہ کیا اور انہیں ہدایت کی کہ دشمن کی خبریں معلوم کرتے رہیں۔ اگر موقعہ دیکھیں تو اس پر حملہ کر دیں اور اگر حملہ کرنا مناسب نہ ہو تو اطلاع دیں۔

شیخ الغزاۃ روانہ ہوئے۔ انہوں نے کئی اور افسروں کو بھی اپنے ساتھ لیا ان میں ریحان بھی تھے۔ یہ دستہ نہایت ہوشیاری سے روانہ ہوا۔ شیخ الغزاۃ نے ایک افسر کو جس کا نام ابوالوفا تھا، سو سپاہیوں کے ساتھ آگے روانہ کیا اور ان کے پیچھے دو سو سپاہیوں کو ریحان کی ماتحتی میں دے کر بھیجا۔ ریحان کے پیچھے باقی تین سو سپاہیوں کے ساتھ خود روانہ ہوا۔

یہ چھوٹے چھوٹے دستے چند گھنٹوں کے تفاوت سے آگے پیچھے روانہ ہوئے گویا وہ الگ الگ بھی تھے اور ضرورت کے وقت مل بھی سکتے تھے۔

ابوالوفا چلے جا رہے تھے کہ انہوں نے چند عیسائیوں کو لکڑیاں کاٹتے دیکھا۔ وہ رک گئے اور انہوں نے دس مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ دوڑ کر عیسائیوں کو پکڑ لائیں۔

طیانِ اسلام چلے۔ عیسائیوں نے انہیں دیکھ لیا۔ وہ گھبرا کر نیچے اترنے لگے۔ ابھی وہ اترنے بھی نہ پائے تھے کہ مسلمان پہنچ گئے۔ عیسائی انہیں دیکھ کر کانپنے لگے۔ مسلمانوں نے ڈپٹ کر کہا ”جلد نیچے اتر آؤ۔“

عیسائیوں کے لیے اور چارہ ہی کیا تھا۔ وہ گرتے پڑتے اتر آئے۔ مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ وہ سب چھ آدمی تھے۔ مسلمان انہیں پکڑ کر ابوالوفا کے پاس لے آئے۔ ابوالوفا نے ان سے پوچھا۔ ”تم کون لوگ ہو؟“

ان میں سے ایک نے کہا: ”ہم غلام ہیں، لکڑیاں کاٹنے آئے تھے۔“

ابوالوفا: تم کس لشکر سے تعلق رکھتے ہو؟

غلام: ہراول سے۔

ابوالوفا: ہراول یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے۔

غلام: بہت قریب ہے۔ یہ سامنے والا ٹیلہ آپ کے اور ان کے درمیان میں حائل ہے۔

ٹیلہ وہاں سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ ابوالوفا نے دریافت کیا، ”ہراول میں کس قدر سپاہی ہیں؟“

غلام نے جواب دیا، ہراول میں پانچ ہزار سوار تھے۔ لیکن ابھی تھوڑی دیر ہوئی دو ہزار اور آگئے ہیں۔ اب سات ہزار ہو گئے ہیں۔

ابوالوفا: باقی لشکر کتنے فاصلے پر ہے؟

غلام: ہم نے دیکھا تو نہیں مگر آج لوگ نئے آئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا ہے کہ یہاں سے بیس بائیس میل کے فاصلہ پر ہے۔

ابوالوفا: کیا عیسائیوں کو اسلامی لشکر کے متعلق کچھ حالات معلوم ہیں۔

غلام: کچھ نہیں، سب کچھ حالات معلوم ہیں۔ عیسائی جاسوس اسلامی لشکر کے قریب رہتے ہیں۔ وہ اطلاعیں بھیجتے رہتے ہیں۔

ابوالوفا: تمہیں معلوم ہے اسلامی لشکر کس قدر ہے؟

غلام: جی ہاں، تمام عیسائیوں کو یہ بات معلوم ہے کہ اسلامی لشکر زیادہ سے زیادہ دس ہزار ہے۔

ابوالوفا نے یہ سمجھ لیا کہ جاسوسوں نے عیسائیوں کو غلط اطلاعیں دی ہیں۔ انہوں نے غلاموں کو باندھ کر پانچ آدمیوں کے ہمراہ اپنے افسر شیخ الغزاۃ کے پاس بھیج دیا اور اپنے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر کہا: "مجاہدینِ اسلام دشمن قریب ہے۔ ہم صرف پچانوے آدمی رہ گئے ہیں اور عیسائی سات ہزار ہیں۔ اگرچہ ہمارے سردار نے ہمیں احتیاط کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن میرا جوش مجھے احتیاط کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ میں اپنی جان کا مالک ہوں اور یہ ارادہ کر چکا ہوں اگر کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے گا، تو میں تنہا حملہ کر دوں گا۔ جو لوگ شہادت کے متمنی ہیں، وہ میرے ساتھ چلیں اور جو لوگ حملہ کرنا مناسب نہ سمجھیں وہ واپس لوٹ جائیں۔

ایک پختہ کار مجاہد نے کہا: "جہاد، ہمارا محبوب ترین مشغلہ ہے اور شہادت ہماری عین تمنا ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ لیکن اگر ریحان کے آنے کا انتظار کر لیا جائے تو اچھا ہے۔

ایک پُرجوش نوجوان نے کہا: "جبکہ جہاد عبادت ہے اور شہادت کی تمنا ہر مسلمان کو ہوتی ہے، پھر کسی کا انتظار کرنے سے کیا فائدہ۔ بڑھیے اور حملہ کیجیے۔

کئی اور لوگوں نے کہا۔ ہم عیسائیوں سے ڈرنے والے نہیں۔ اگر ہمارا وقت آگیا ہے تو ہماری احتیاط ہمیں بچا نہیں سکتی اور اگر ہمارا وقت نہیں آیا تو کوئی قوت ہمارا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ ہم خدا کے ہیں۔ خدا پر ہمارا بھروسہ ہے۔ خدا کا نام لے کر حملہ کرو۔ وہ بہتر کرے گا۔

پختہ کار مجاہد نے کہا: "میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم عیسائیوں سے ڈر کر ریحان کے آنے کا انتظار کریں۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ کہیں قیامت کے روز ہمارے سردار سے یہ مطالبہ نہ ہو کہ تم نے چند مسلمانوں کو ہزاروں دشمنوں سے کیوں بھڑا دیا۔ یہ خیال کیوں نہ کیا کہ اس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور اگر سردار حملہ کرنا مناسب سمجھتے ہیں تو میں بھی مجبور ہوں گا۔

ابوالوفا: میں تمہارا مشکور ہوں۔ عبدالرحمٰن تم نے بات مناسب کی ہے۔ جوش میں مجھے اس بات کا خیال نہیں رہا۔ واقعی جو مسلمان میرے ساتھ ہیں، ان کی جواب دہی میرے ذمہ ہے۔ مجھے احتیاط کرنی چاہیے اور ریحان کے آنے کا انتظار کرنا چاہیے۔

چند جوشیلے نوجوانوں نے کہا: "احتیاط، بزدلی ہے۔ سرفروش احتیاط کو مدنظر نہیں رکھا کرتے۔ مسلمانوں کا ہر کام خدا کی خوشنودی کے لیے ہوا کرتا ہے۔ ہم اس کی خوشنودی کے لیے جہاد کر رہے ہیں۔ احتیاط سے کیا واسطہ۔

اور بھی کئی لوگوں نے یہی کہا۔ ابوالوفا نے کہا: "اگر تمہاری سب کی یہی رائے ہے تو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جہاں تک میری جواب دہی کا تعلق تھا، وہ اس لیے ختم ہو چکی ہے کہ سب باتیں آپ کے سامنے آ گئی ہیں۔ اب آپ لوگ مجھے حملہ کرنے کے لیے مجبور کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خود میرا دل حملہ کرنے ہی کو چاہتا ہے۔ لیکن مجھے جو تم پر شفقت ہے۔ اس نے احتیاط کرنے کی ترغیب دی تھی۔ مجھے یہ بھی خیال ہے کہ اگر ہم نے حملہ میں توقف کیا تو کہیں دشمن ہماری موجودگی سے خبردار ہوشیار نہ ہو جائے۔ اگر ہم غفلت کی حالت میں اس پر جا پڑیں تو ممکن ہے وہ گھبرا جائے ہم اس کی سپاہ کو بھاری تعداد میں قتل کر ڈالیں اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے۔"

کئی آوازیں آئیں۔ "یہی ہمارا خیال ہے۔"

ابوالوفا۔ "اچھا تو خدا کا نام لے کر چلو۔"

یہ لوگ ٹیلہ کی طرف بڑھنے لگے۔ ابوالوفا نے چلتے چلتے کہا۔ "مجاہدینِ اسلام احتیاط کو اپنی چادر لگا لو۔ اس طرح چلو کہ آواز نہ ہو اور اس بات کا خیال رکھو کہ تم سات ہزار دشمنوں پر حملہ کرنے کے لیے جا رہے ہو۔ جس وقت حملہ کرو تو سستی نہ ہو۔ پھرتی سے پرزور حملے کر کے عیسائیوں کو خاک و خون میں لٹا دو۔ اگر تم نے ہراول کو بھگا دیا تو دشمن پر تمہاری ہیبت چھا جائے گی اور تمہارے حوصلے بڑھ جائیں گے۔"

ایک جوان مجاہد نے کہا: "ہم عیسائیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ بہادر نہیں ہوتے کمزوروں کے سامنے دلیر بن جاتے ہیں اور زور آوروں سے دب جاتے ہیں۔ جس وقت

وہ وہیں حملہ کرتے دیکھیں گے۔ انشاء اللہ بھول جائیں گے۔

یہ لوگ بڑی احتیاط مگر تیزی سے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے کان ٹیلہ کی طرف لگا رکھے تھے۔ مگر اس طرف سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عیسائی ٹیلہ سے فاصلہ پر مقیم ہوں۔

آخر یہ لوگ ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ ابوالوفا نے انہیں وہیں روک دیا اور خود آگے بڑھ کر دیکھا۔ عیسائی لشکر ٹیلہ کے دامن میں فروکش تھا۔ دور تک خیمے قطار در قطار کھڑے تھے۔ عیسائی ان قطاروں کے درمیان اطمینان سے چل پھر رہے تھے۔ ابوالوفا واپس لوٹ آئے۔ انہوں نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ "شیرو، دشمن بڑے اطمینان سے ہے۔ یہی موقع حملہ کرنے کا ہے۔ دور تک پھیل جاؤ اور ایک دم ٹیلہ سے اتر کر حملہ کر دو۔"

مسلمان دور تک پھیل گئے اور تیزی سے بڑھ کر ٹیلہ سے نیچے اترنے لگے۔

(۴۱)

مسلمانوں کی دلیری

جب ابوالوفا اور ان کے ساتھی ٹیلے سے اتر رہے تھے تو عیسائیوں نے انہیں دیکھ لیا۔ انہوں نے شور کیا۔ مسلمان تیزی سے دوڑنے لگے۔ جن عیسائیوں نے مسلمانوں کو دیکھ لیا وہ ہتھیاروں کی طرف دوڑے اور جنہوں نے نہ دیکھا تھا۔ وہ شور کرنے والے عیسائیوں کا مطلب ہی نہیں سمجھے کہ وہ کیوں غل مچا رہے ہیں۔

جن عیسائیوں نے مسلمانوں کو دیکھ لیا تھا ان پر ہراس طاری ہو گیا تھا۔ وہ یہ سمجھے کہ نہ معلوم کتنی بھاری تعداد میں مسلمان ٹیلہ پر آگئے ہیں۔ یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ مٹھی بھر مسلمان ان پر حملہ کرنے کی جرأت کریں گے۔

مسلمان بھی ٹیلہ پر اس طرح پھیل گئے تھے کہ ان کی تعداد اصل سے چوگنی معلوم ہونے لگی تھی۔ تمام ٹیلہ ان سے بھرا ہوا تھا۔ لمبے لمبے جبے پہنے ہوئے اور عمامے باندھے ہوئے شیرانِ اسلام ایک ہاتھ میں تلواریں اور دوسرے میں ڈھالیں لیے بھاگ بھاگ کر ٹیلہ سے نیچے اتر رہے تھے۔

ابھی عیسائی مسلح ہونے بھی نہ پائے تھے کہ کچھ مسلمانوں نے ٹیلہ سے نیچے اتر کر اللہ اکبر کا پُرشور نعرہ لگایا اور جھپٹ کر عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے پھرتی سے حملے کر کر کے بے دریغ انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔

اس عرصہ میں کچھ عیسائی مسلح ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ میں آگئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو روک لیا۔ لیکن مسلمان کچھ ایسے جوش اور غضب میں بھرے ہوئے تھے کہ وہ تو رک گئے۔ مگر

ان کی تلواریں نہ رکیں۔ پُرزور حملے کر کے انہیں قتل کرتے بڑھنے لگے۔

عیسائی بھی بڑے جوش سے حملے کر رہے تھے اور بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ لیکن ان کی تلواریں جیسے زنگ خوردہ تھیں۔ کاٹ ہی نہ کرتی تھیں۔ مسلمان ان کے وار ڈھالوں پر روک کر جب خود وار کرتے تھے تو ان کی ڈھالوں کو پھاڑ ڈالتے تھے اور سروں کی گردنوں تک پھانکیں کھول دیتے تھے۔

جلدی میں عیسائی صرف ہتھیار لگا سکتے تھے۔ مسلمانوں میں بھی بہت کم جوانوں کے پاس زرہیں تھیں۔ سنہ پوش نہ ہونے کی وجہ سے عیسائی کثرت سے مر رہے تھے۔ مسلمانوں کی تلواریں ان کے سروتن کے فیصلے کر رہی تھیں۔ سر اچھل رہے تھے اور دھڑ گر رہے تھے۔ خون کی بارش ہونے لگی تھی۔

عیسائی جوش میں آ کر طیش و غضب سے بل کھا کھا کر حملے کرتے تھے۔ لیکن مسلمان ان کے حملوں کو بڑی آسانی سے روک کر جوابی حملے کر کے جب ان کی تلواریں اڑاتے تھے۔ تو عیسائی گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ جاتے تھے مگر مسلمانوں کی تلواریں ان کا پیچھا نہ چھوڑتی تھیں۔ ان میں سے زیادہ تر کو قتل کر ڈالتی تھیں۔ مسلمان بڑی پھرتی سے حملے کر رہے تھے۔ عیسائی اسی تیزی سے قتل ہو رہے تھے۔

مگر اب تمام عیسائی کیمپوں میں شور ہو گیا تھا کہ ”مسلمان آ گئے“ عیسائی جلدی جلدی مسلح ہو کر مسلمانوں کی طرف دوڑنے لگے۔ انہوں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ مسلمان بہت ہی کم ہیں اس سے ان کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ وہ مسلمانوں کے چاروں طرف چھا گئے اور ہر طرف سے ان پر تلواریں برسانے لگے۔ مسلمان ان کے نرغے میں آ گئے۔

لیکن آفرین ہے مسلمانوں کی ہمت پر کہ وہ عیسائیوں کی کثرت سے اور ان کی تلواروں سے نہیں ڈرے۔ جس شان سے حملہ آور ہوئے تھے۔ اسی شان سے لڑتے رہے۔ ان کی تلواریں برابر چلتی اور ان کی ڈھالیں برابر دشمنوں کے وار روکتی رہیں۔

عیسائیوں کو مسلمانوں پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔ وہ اوپر تلے حملے کرتے تھے۔ لیکن مسلمان ان کے حملے روک کر انہیں پیچھے ہٹا دیتے تھے۔ مگر پھر عیسائی ان کی طرف بڑھ کر ان پر حملے

شروع کر دیتے تھے۔

لڑائی شروع ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ مسلمانوں نے بہت عیسائیوں کو مار ڈالا تھا۔ عیسائی سخت غضبناک ہو گئے تھے۔ وہ دانت پیس پیس کر حملے کرتے تھے۔ چاہتے تھے کہ تمام مسلمانوں کو ٹھکانے لگا دیں۔ لیکن مسلمان ان کے قابو میں ہی نہ آتے تھے۔ بڑی پھرتی سے حملے کر کے حملہ آوروں کو پیچھے ہٹا دیتے تھے۔

لیکن مسلمان جس زور و قوت، چستی اور پھرتی سے لڑ رہے تھے۔ اس سے ان کی طاقت کم ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ان کے بازو شل ہو گئے تھے۔ دوڑ دھوپ میں بھی فرق آنے لگا تھا۔ تھکن کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے۔

ابوالوفا اب بھی نہایت پھرتی اور طاقت سے حملے کر کر کے عیسائیوں کو قتل کر رہے تھے ان کی تلوار بڑی تیزی سے چل رہی تھی اور وہ ہر حملہ میں ایک عیسائی کو ضرور مار ڈالتے تھے۔ انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ مسلمانوں کے حملوں میں کمی آ گئی ہے۔ انہوں نے للکار کر کہا۔

”شیرانِ اسلام“ یہ کیا سستی ہے کیا تم جہاد کو عبادت نہیں سمجھتے؟ کیا شہادت کے طلب گار نہیں؟ کیا دشمنوں سے ڈر گئے ہو۔ مسلمان موت سے نہیں ڈرتا۔ موت وقت سے پہلے نہیں آتی۔ پھر جہاد کرتے وقت آ جائے تو اس سے زیادہ اور کیا خوش نصیبی ہو گی۔ خدا خوش ہو گا۔ تم پر جنت کے دروازے کھل جائیں گے اور تم بہشت میں پہنچ جاؤ گے۔

غازیانِ ملت، یہ اس جنگ میں پہلا علم ہے جو تمہارے ساتھ عیسائی درندوں کے مقابلہ میں آیا ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ علم سرنگوں ہو گیا تو بدنامی ہو گی اور اگر تمہاری سرفروشی سے سربلند رہا تو ہمارے لیے نیک فال اور دشمن کے لیے بدنامی ہو گی۔

مجاہدینِ قوم، یہی موقع سرفروشی کا ہے۔ دشمنوں پر یلغار کرو۔ انہیں ہزیمت دے کر بھگا دو۔ اسلام کے نام کو اونچا کرو اور کفر کو جھکا دو۔ تم کفرشکن ہو کر کفر کو باقی رہنے دو نہ کافروں کو زندہ چھوڑو۔ سروں کی بازیاں لگا دو۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا۔

اس تقریر نے مسلمانوں کے دلوں کو روشن کر دیا۔ ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ انھوں نے جوش میں آ کر بڑی قوت سے حملہ کیا۔ عیسائی ان کے اس حملہ کو نہ روک سکے۔ پیچھے دبتے چلے گئے۔ انھوں نے اس حملہ میں بہت عیسائیوں کو مار ڈالا۔ لاشوں پر لاشیں بچھا دیں۔ خون کی ندی بہا دی۔ ان کے حملہ کی شان کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مسلمان تازہ دم ہو گئے ہوں۔ یا ان میں بجلی کی رو دوڑ گئی ہو۔ ان کا سخت حملہ دیکھ کر عیسائیوں پر ہیبت طاری ہو گئی۔

لیکن جب ان کی حیرت دور ہوئی تو انہیں پھر غصہ آیا۔ غیرت بھی آئی۔ یہ غصہ اور غیرت اس بات پر آئے کہ مٹھی بھر مسلمان ان کے قابو میں نہ آئے تھے۔ جب وہ حملہ کرتے تھے۔ تو وہ ان کے سامنے سے کائی کی طرح پھٹ جاتے تھے اور اس طرح مارے جاتے تھے۔ جیسے وہ مرنے کے لیے ہوں اور لطف یہ تھا کہ مسلمان اس وقت تک ایک بھی نہیں مرا تھا۔ البتہ کئی مجاہد زخمی ضرور ہو گئے تھے۔

جو مسلمان زخمی ہوئے تھے۔ وہ بڑے غضبناک ہو گئے تھے۔ اپنے زخم کے انتقام میں کئی کئی عیسائیوں کو قتل کر چکے تھے۔ مگر پھر بھی ان کا غصہ فرو نہیں ہوا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ سارے ہی عیسائیوں کو قتل کر کے انتقام لیں۔ اسی لیے بڑی پھرتی اور قوت سے حملے کر رہے تھے۔ یہ زخمی بھی عیسائیوں کے قابو میں نہ آتے تھے۔

جو مسلمان زخمی تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کئی کئی مسلمان ان کی مدد اور حفاظت کے لیے ہو گئے تھے۔ مگر وہ اپنے ان مددگاروں سے بے نیاز ہو کر جارحانہ حملے کرتے تھے اور دشمنوں پر کاری ضرب لگاتے تھے۔

چونکہ تمام مسلمانوں کے کپڑوں پر عیسائی مقتولوں کا خون پڑ پڑ کر جم گیا تھا۔ اس لیے یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ ان میں کون زخمی ہے اور کون نہیں۔

سات ہزار عیسائی پچاس سے مسلمانوں پر حملے کر رہے تھے اور بڑے جوش میں آ آ کر حملے کرتے تھے اور ان کی تلواریں برابر عیسائیوں کو قتل کر رہی تھیں۔

لیکن رفتہ رفتہ مسلمانوں میں تھکن کے آثار ظاہر ہوئے۔ پھر ان کے حملوں میں کمی آ گئی۔ دراصل

ان کی قوت جواب دے چکی تھی۔ وہ عیسائیوں کو مارتے کاٹتے تھک گئے تھے۔ اب ان سے تلواریں مشکل سے اٹھتی تھیں۔

عیسائیوں نے بھی یہ دیکھ لیا تھا کہ وہ تھک گئے ہیں۔ ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ انھوں نے شور و غل کر کے ہر طرف سے ان پر یلغار کر دی۔ اب مسلمان صرف حملے روکنے لگے۔ ابوالوفا بھی جو اب تک بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ اب مدافعت پر مجبور ہو گئے۔

مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ یہی میدان ان کا مقتل ہے۔ اسی میدان میں وہ شہید ہوں گے لیکن یہ سب کچھ سمجھ لینے پر بھی وہ اللہ کی مدد سے مایوس نہیں ہوئے۔ نہ ان پر خوف و ہراس غالب ہوا۔ وہ اب بھی بڑی ثابت قدمی اور استقلال سے دشمنوں کے وار روک رہے تھے۔

جبکہ عیسائی یہ سمجھ رہے تھے کہ مسلمان ان کے قابو میں آ چکے ہیں اور وہ انہیں قتل کر ڈالیں گے۔ اسی وقت اللہ اکبر کے پرشور نعرہ کی آواز آئی۔ عیسائیوں نے گھبرا کر اور مسلمانوں نے خوش ہو کر دیکھا۔ ریحان اپنا دستہ لے کر آ پہنچے تھے۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔

(۳۴)

ریحان کا حملہ

ابوالوفا نے تین عیسائی غلاموں کو گرفتار کر کے بھیجا تھا۔ وہ راستہ میں ریحان کو ملے تھے
ریحان نے ان قیدیوں کے محافظوں سے بتایا تھا کہ عیسائی لشکر کے ہراول میں سات ہزار
سپاہی ہیں اور وہ بہت قریب ہیں۔ انھوں نے دریافت کیا: "ابوالوفا کہاں ہیں؟"

محافظوں نے جواب دیا: "ہم نے انہیں اسی ٹیلے کے قریب چھوڑا ہے۔ جس کے دامن میں
عیسائی ہراول فروکش ہے۔"

ریحان: ابوالوفا نے کوئی پیغام دیا ہے؟

محافظ: جی نہیں۔

ریحان: کچھ انھوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا؟

محافظ: انھوں نے ہمارے سامنے کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا۔ لیکن ان کے تیور کہہ رہے
تھے کہ وہ عیسائیوں پر حملہ کریں گے۔

ریحان: میرا بھی یہی خیال ہے۔ ان کے ساتھ جمعیت بہت کم ہے اور دشمن کی تعداد
بہت زیادہ ہے۔ خدا ان کی حفاظت کرے۔ اچھا تم جاؤ اور شیخ الغزاۃ سے کہہ دو کہ وہ
جلد آئیں۔

محافظ غلاموں کو لے کر جلدی جلدی چلے۔ ریحان نے اپنے ہمراہیوں سے کہا: "شیرانِ
قوم! تم نے سُن لیا۔ عیسائی ہراول میں سات ہزار سپاہی ہیں اور میرا خیال ہے ابوالوفا نے
ان پر حملہ کر دیا ہے۔ تم کیا مشورہ دیتے ہو مجھے؟"

ایک نوجوان نے کہا: "یہ وقت مشورہ کرنے کا نہیں ہے۔ ہمارے بھائی خطرہ میں ہیں
ہمیں فوراً ان کی مدد کرنی چاہیے۔"

ریحان: سوچ لو۔ میں اپنی جان کا مالک ہوں اور میں نے اپنی جان خدا کی راہ میں بیع
کر دی ہے۔ میں ضرور اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے جاؤں گا۔

مگر میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔ تمہیں یہ اختیار دیتا ہوں کہ تم میں سے جو شخص چاہے
میرے ساتھ چلے اور جو واپس لوٹنا چاہے وہ لوٹ جائے۔

بہت سے لوگوں نے کہا: "ہم جہاد کرنے آئے ہیں۔ شہادت کی آرزو ہمیں لائی ہے۔
ہم بزدل نہیں ہیں۔ جو واپس لوٹ جائیں۔ ہم ضرور اپنے بھائیوں کی مدد کریں گے۔ خدا کی خوشنودی
کے لیے اسلام پر قربان ہو جائیں گے۔"

چند اور لوگوں نے کہا: "ہمیں جلدی لے کر چلو یا امیر! کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے پہنچنے
سے پہلے ہی ہمارے بھائیوں کو گزند پہنچ جائے۔"

ریحان: خدا کی قسم تم نے صحیح راستہ اختیار کیا ہے۔ مسلمان موت سے ڈرتا نہیں، بلکہ
اس کا استقبال کرنے کو تیار رہتا ہے۔ اور جو قوم موت سے نہیں ڈرتی، موت اس سے کتراتی
ہے۔ ہمارا مرنا اور ہمارا جینا خدا کے لیے ہے۔ خدا کا نام لے کر تیزی سے چلو۔

وہ جھپٹ کر چلے۔ تمام مسلمان ان کے ساتھ تیزی سے بڑھے۔ کچھ دور چل کر انھوں
نے ٹیلہ دیکھا۔ جب اور آگے بڑھے تو عیسائیوں کے شور کی آواز سنی۔ ریحان نے کہا: "خدا
رحم کرے مسلمانوں پر۔ انھوں نے جنگ شروع کر دی ہے۔ دلیرو اور تیزی سے چلو۔"

وہ اور بھی تیزی سے بڑھے۔ جوں جوں آگے بڑھتے جاتے تھے۔ آواز قریب آتی جاتی
تھی۔ لیکن نظر کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ ٹیلہ درمیان میں حائل تھا۔

یہ لوگ ٹیلہ پر چڑھ گئے۔ جب اس کے دوسرے کنارہ پر پہنچے تو انھوں نے جنگ ہوتے
دیکھی۔ ریحان نے کہا: "خدا جزا دے غیور۔ ان مسلمانوں کو۔ انھوں نے خوب دادِ شجاعت
دی۔ اسلام کا نام بلند کرنے کے لیے بے شمار دشمنوں سے بھڑ گئے۔ انہیں جو کچھ کرنا چاہیے
تھا وہ کیا۔ اب تمہاری باری ہے۔ اللہ اکبر کا نعرہ لگاؤ اور نیچے اتر کر حملہ کر دو۔"

مسلمانوں نے جوش میں آ کر "اللہ اکبر" کا پرشور نعرہ لگایا اور تیزی سے ٹیلے سے نیچے اترنے لگے۔

یہی وہ نعرے کی آواز تھی۔ جو عیسائیوں اور مسلمانوں نے سنی تھی۔ ان مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھ کر ابوالوفا اور ان کے ساتھیوں کے دل بڑھ گئے۔

ریحان اور ان کے ہمراہیوں نے ٹیلے سے نیچے اترتے ہی اس شدت سے حملہ کیا اور عیسائیوں کو اس طرح قتل کرنا شروع کر دیا۔ جیسے وہ قتل ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کی لاشوں پر لاشیں بچھا دیں۔ خون کے پرنالے بہا دیے اور انہیں دور تک پیچھے ہٹا دیا۔ ابوالوفا اور ان کے ساتھی بھی ریحان اور ان کے ساتھیوں سے آملے۔ عیسائیوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال دیا تھا وہ ٹوٹ گیا۔ جو عیسائی انہیں گھیرے ہوئے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر تو مارے گئے اور جو باقی بچے وہ دوسری طرف دھکیل دیے گئے۔

ابوالوفا نے ریحان کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "خدا نے تمہیں عین موقع پر بھیجا ورنہ ان گیدڑوں نے ہمارے گرد گھیرا ڈال لیا تھا اور ہمیں قتل کر ڈالنے کی تجویزیں سوچ رہے تھے۔"

ریحان: اس وقت تم سے گفتگو کرنے سے زیادہ مرغوب مجھے جنگ ہے۔ اگر تم تھک گئے ہو تو ایک طرف کھڑے ہو کر کچھ دیر ستا لو اور اگر تھکے نہیں ہو تو ان بیہودہ کافروں (عیسائیوں) پر حملہ کرو۔

ابوالوفا: اس میں کوئی شک نہیں کہ میں اور میرے ساتھی تھک گئے ہیں۔ لیکن ہم یہ کیسے دیکھ سکتے ہیں کہ تم لڑو اور ہم کھڑے رہ کر تماشا دیکھتے رہیں۔

ریحان: میرا کہنا مانو۔ تم اپنے ساتھیوں کو لے کر ٹیلے کے نیچے پہنچ جاؤ۔ تھوڑی دیر دم لو اور پھر تازہ دم ہو کر حملہ کرو۔ اتنے میں میں اور میرے ساتھی ان ناکسوں کا صفایا کر دیتے ہیں۔

ریحان کا مشورہ ابوالوفا کو مناسب معلوم ہوا۔ وہ اور ان کے ساتھی تھک کر چور ہو گئے تھے انہیں آرام کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ہٹ گئے۔ ان کے ہمراہیوں میں جو لوگ زیادہ زخمی ہو گئے تھے ان کی مرہم پٹی کی گئی اور وہ

سب بیٹھ کر ستانے لگے۔

ادھر ریحان اور ان کے ہمراہیوں نے پھر اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا اور نہایت سختی سے حملہ کیا۔ عیسائی بھی ان کے مقابلہ میں ڈٹ گئے۔ تلواریں جلد جلد چلنے لگیں۔ سر کٹ کٹ کر اچھلنے لگے۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں۔ خون کی بارش ہونے لگی۔

عیسائیوں نے بڑا زور لگا کر کے مسلمانوں کو پیچھے ہٹانے کی کوشش کی لیکن مسلمانوں کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے تھے۔ ایک شخص بھی پیچھے نہ ہٹا جو جہاں پہنچ گیا وہیں کھڑا تلوار چلا رہا تھا اور دلیری سے لڑ رہا تھا۔

مسلمان دشمنوں پر نگاہیں جمائے بڑی پھرتی اور قوت سے حملے کر رہے تھے ان کی تلواریں غضب کا کاٹ کر رہی تھیں۔ عیسائیوں کی ڈھالوں کو پھاڑ کر سروں کو حلق تک چیر دیتی تھیں اور جن کی تلواریں شانوں پر پڑتی تھیں۔ ان کے سر کاٹ کر گیندوں کی طرح اچھال دیتی تھیں۔

عیسائی پوری قوت اور بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ ان کی تلواریں بھی پھرتی سے چل رہی تھیں۔ لیکن مسلمان ان کے وار ڈھالوں پر روک لیتے تھے اور جوابی حملے کر کے حملہ آوروں کے سر اڑا دیتے تھے۔ اس طرح عیسائی برابر قتل ہو رہے تھے اور مسلمان ایک بھی قتل نہیں ہوا تھا۔

عیسائی اس بات کو دیکھ رہے تھے۔ وہ جوش میں آ کر طیش میں بل کھا کھا کر یلغار کرتے تھے۔ بڑی دلیری سے حملہ آور ہوتے تھے۔ لیکن مسلمان جوابی حملے کر کے ان میں سے کچھ لوگوں کو مار ڈالتے تھے اور کچھ کو پیچھے دھکیل دیتے تھے۔

یوں تو ہر مسلمان خونخوار شیر بنا ہوا تھا اور بڑی پھرتی سے عیسائیوں کو چیر پھاڑ رہا تھا لیکن ریحان ایسے شیر بنے ہوئے تھے جو کسی وجہ سے غضبناک ہو گیا ہو۔ ان کے غیظ و غضب کا یہ حال تھا کہ ایک ایک وار میں دو دو عیسائیوں کو قتل کر رہے تھے۔ اس پھرتی سے حملہ کرتے تھے کہ ان کی تلوار بجلی کی طرح کوندتی معلوم ہوتی تھی۔ ابھی ایک کے سر پر پڑی اس کا سر اڑایا اور ابھی دوسرے کے سر پر جا پڑی۔ اس کے سر کو پھاڑ کر کھول دیا۔

عیسائیوں نے ان پر زور کیا۔ بے شمار لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ ان کے چند ساتھیوں نے دیکھ لیا۔ وہ ان کی مدد کے لیے دوڑے اور انہیں مارنے کاٹنے لگے۔ ادھر ریحان نے حملہ آوروں کو ٹھکانے لگانا شروع کر دیا۔ انہوں نے بہت سے عیسائیوں کو مار کر انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ مسلمانوں نے اس قدر خونریزی کی کہ وہ مقتولوں کے خون میں نہا گئے۔ انہوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔

عیسائیوں کی تعداد چونکہ زیادہ تھی۔ اس لیے وہ کثرت سے مارے جاتے پھر بھی بددل نہ ہوتے تھے۔ بلکہ جوں جوں مارے جاتے تھے اور بھی جوش میں آ کر حملے کرتے تھے۔ انہوں نے پھر یلغار کی اور اب ریحان اور ان کے ساتھیوں کو نرغے میں لے کر ان پر تلوار کا مینہ برسا دیا۔ مسلمان بھی جم گئے اور بڑی دلیری اور استقلال سے لڑنے لگے۔

ابوالوفا اور ان کے ساتھیوں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو انہیں جوش آ گیا۔ وہ کافی سستا چکے تھے انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور جھپٹ کر عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔

(۵۷)

عیسائی ہراول کی ہزیمت

ابوالوفا اور ان کے ساتھی شروع ہی میں کافی دیر تک لڑ چکے تھے۔ بہت سے دشمنوں کو خاک و خون میں لٹا چکے تھے۔ اس قدر جنگ کی تھی کہ تھک کر چور ہو گئے تھے۔ ابھی تک ان کے بازو شل ہو رہے تھے۔ ہتھیلیاں اور انگلیاں پورے طور پر کام کرنے کے قابل نہیں ہوئی تھیں۔ تلواروں کے دستوں اور ڈھالوں کے نشان پڑے ہوئے تھے۔ ابھی انہیں آرام کرنے کی ضرورت تھی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ریحان اور ان کے ہمراہیوں کو عیسائیوں نے نرغے میں لے لیا ہے تو وہ ضبط نہ کر سکے۔ جوش میں آ گئے۔ انہوں نے اللہ اکبر کا پر جوش نعرہ لگایا اور جھپٹ کر عیسائیوں پر حملہ کر دیا اور اس شان اور قوت سے حملہ کیا۔ جیسے وہ [illegible] ہوں ابھی تک لڑائی میں حصہ نہ لیا ہو۔

[illegible] نے ان عیسائیوں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا جو ان کے اور ریحان کے [illegible] انہوں کے درمیان میں حائل تھا۔ بے دریغ انہیں قتل کرنے لگے۔ بڑی پھرتی اور جوش سے کاٹ کاٹ کے انہیں مار مار کر ٹھکانے لگانے لگے۔ عیسائی بھی یہ دیکھ چکے تھے کہ ابوالوفا اور ان کے ہمراہی تھک کر میدان جنگ سے الگ جا بیٹھے ہیں۔ انہیں یہ حوصلہ نہ ہو سکتا تھا کہ وہ ان تھکے ہوئے مسلمانوں پر حملہ کرتے اگر وہ ان پر حملہ کر دیتے تو ممکن تھا کہ ان میں سے کچھ لوگوں کو شہید کر ڈالتے لیکن ایک تو ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ دوسرے ریحان اور ان کے ساتھیوں نے انہیں اس کا موقع ہی نہ دیا۔ ان سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

اب جبکہ ابوالوفا اور ان کے ساتھیوں نے پُرزور حملہ کیا اور انہیں مارنا کاٹنا شروع
کر دیا تو انہیں بڑا غصہ آیا۔ وہ ان کی طرف پلٹے اور ان پر بڑے زور سے حملہ آور ہوئے۔
ان کی تلواریں مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے لپکیں مگر مسلمانوں نے ان کے وار ڈھالوں پر روک کے
اور جوابی حملے کر کے انہیں قتل کرنے لگے۔

جس طرف سے ابوالوفا نے حملہ کیا۔ اس طرف کے تمام عیسائی ریحان کے ساتھیوں کی
طرف ہٹ کر ان پر حملہ آور ہوئے۔ اس سے ریحان کے ساتھی اس طرف سے مطمئن ہو
گئے اور انہوں نے ان عیسائیوں پر جو تین طرف سے انہیں نرغے میں لیے ہوئے تھے۔
نہایت سختی سے حملہ کیا۔

ان کی تلواریں پھر اسی پھرتی سے چلنے لگیں۔ جیسے پہلے چل رہی تھیں اور عیسائیوں
کو پھر اسی شد و مد سے قتل کرنے لگیں۔ جیسے پہلے قتل کر رہی تھیں۔ پھر سر کٹ کٹ کر اچھلے
اور دھڑوں پر سے گرنے لگے۔ خون کے فوارے اُبلنے لگے۔ گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ عیسائی
دیکھ رہے تھے کہ مسلمان مار تو رہے ہیں۔ لیکن مر نہیں رہے۔ انہیں بڑا غصہ آ رہا تھا کہ وہ مار
کیوں رہے ہیں۔ مرتے کیوں نہیں۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ مسلمان موت سے نہیں ڈرتے۔
اس لیے انہیں مرتے اور وہ خود موت سے ملتے ہیں اس لیے مر رہے ہیں۔

عیسائیوں نے جوش میں آ کر نہایت سخت حملہ کیا۔ مسلمانوں نے بڑے استقلال سے
ان کے حملوں کو روکا۔ اپنی جگہ پر چٹان کی طرح جمے رہے۔ ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ جب
عیسائیوں کے حملے کا زور کم ہو گیا۔ تب انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر نہایت جوش اور بڑی
شدت سے حملہ کیا۔

عیسائیوں نے بھی ان کی تلواروں کو ڈھالوں پر روکا۔ لیکن مسلمانوں کی تلواروں نے بہت سے
عیسائیوں کے سر اڑا دیے۔ بہت سے عیسائیوں کی ڈھالیں پھاڑ ڈالیں اور ان کے سینوں کی
پھانکیں کھول دیں اور بے شمار عیسائیوں کو زخمی کر دیا۔

عیسائیوں نے پھر حملہ کیا۔ یہ حملہ بہت ہی سخت ہوا۔ باوجودیکہ مسلمانوں نے اپنی پوری
قوت سے اس حملہ کو روکا۔ مگر پھر بھی انہیں کئی قدم پیچھے ہٹنا پڑا۔ کئی مسلمان اس حملے سے
زخمی ہو گئے۔

زخمی مسلمانوں کو بڑا طیش آیا۔ انہوں نے انتقام کے جوش میں بڑھ کر حملہ کیا اور سب
مسلمانوں نے ان کے ساتھ ہی مل کر حملہ کیا۔ مسلمانوں کا یہ حملہ ایسا سخت ہوا کہ عیسائیوں کا تمام
لشکر جو دور تک پھیلا ہوا تھا جنبش میں آ گیا۔ عیسائیوں کی صفیں ایک دوسرے سے
ٹکراتی پیچھے ہٹتی چلی گئیں۔ اگلی صفوں کے بے شمار عیسائیوں کو مسلمانوں نے مار ڈالا۔

عیسائیوں نے جب سے جنگ شروع کی تھی۔ برابر شور کر رہے تھے اور جوں جوں
جنگ کا زور بڑھتا جا رہا تھا ان کے شور میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور اب تو وہ اور بھی گلے
پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگے تھے۔

عیسائیوں کے شور زخمیوں کی چیخوں اور مرنے والوں کی فریاد سے شور قیامت
بپا تھا۔

مسلمانوں نے ایک اور حملہ کیا۔ اس حملہ میں بھی انہوں نے کئی سو عیسائیوں کو مار ڈالا۔
اور سینکڑوں کو زخمی کر دیا۔ اب عیسائیوں کا جوش خوف سے سرد پڑنے لگا۔ وہ یہ
سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ مسلمان انسان نہیں، جن ہیں۔ اگر انسان ہوتے تو وہ بھی مرتے جن
نہیں مرا کرتے اس لیے وہ مر ہی نہیں رہے۔

ابھی عیسائیوں کے دلوں میں یہ خدشہ گزر رہا تھا۔ اس وقت پھر اللہ اکبر کے پرشور
نعرہ کی آواز آئی۔ عیسائیوں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا انہیں اور بہت سے جن (مسلمان)
ٹیلے سے اترتے نظر آئے۔ ان پر ہراس طاری ہو گیا۔

یہ نئے آنے والے مسلمان شیخ الغزاۃ اور ان کے ساتھی تھے۔ وہ تین سو تھے
دور تک ٹیلے پر پھیلے ہوئے تھے اور تلواریں اور ڈھالیں لیے اس طرح بھاگے آ رہے
تھے جیسے کوئی بڑی نعمت حاصل کرنے کے لیے دوڑ رہے ہیں۔

انہوں نے ٹیلے سے نیچے اترتے ہی ان عیسائیوں پر جو ابوالوفا اور ان کے ساتھیوں
سے مصروف جنگ تھے۔ اس سختی سے حملہ کیا کہ چشم زدن میں سب کو ٹھکانے لگا دیا کسی ایک
کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

ابجدہ اور ابوالوفا کے ساتھی ان عیسائیوں پر حملہ آور ہوئے جو ریحان اور ان کے ہمراہیوں سے لڑ رہے تھے اور ان پر اس دلیری، پھرتی اور سختی سے حملہ کیا۔ جیسے انہیں یقین ہو کہ عیسائی ان سے ڈر کر بھاگ جائیں گے اور ان کے قتل کرنے کی حسرت ان کے دل ہی میں رہ جائے گی۔ انہوں نے جلدی جلدی حملے کر کے انہیں اس لیے قتل کرنا شروع کر دیا کہ جس قدر بھی مارا جا سکے مار لو۔ اگر وہ بھاگ گئے تو پھر شاید ایسا موقع ہاتھ نہ آئے۔

چنانچہ انہوں نے دائیں، بائیں اور آگے حملے کر کر کے عیسائیوں کو اس بری طرح قتل کرنا شروع کیا کہ ان کی لاشوں کے انبار لگا دیے۔ خون کے دریا بہا دیے۔ جس گروہ پر حملہ کرتے اور جس صف پر ٹوٹتے اس کا صفایا کر ڈالتے۔ انہوں نے صفیں الٹ دیں اگلوں کو پچھلوں سے ملا دیا۔ عیسائی گھبرا گئے۔ انہوں نے عظیم شور کیا۔ ان کا لشکر جنبش میں آیا اور ایک دم بھاگ کھڑا ہوا۔ شیخ الغزاۃ کے ساتھیوں کو بھی اندیشہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس لشکر کے تمام عیسائیوں کو مار ڈالیں ایک سپاہی کو بھی زندہ بچ کر نہ جانے دیں۔ اس لیے انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے دوڑ کر ان پر حملے کر کر کے انہیں اور بھی پھرتی سے قتل کرنا شروع کر دیا۔

اب یہ صورت ہو گئی تھی کہ عیسائی بھاگ رہے تھے اور مسلمان ان کے پیچھے لگے ہوئے انہیں قتل کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں موت کا فرشتہ بن گئی تھیں۔ جن کی طرف اٹھ جاتی تھیں انہیں قتل کر ڈالتی تھیں۔

عیسائی بھاگ رہے تھے اور مسلمان انہیں قتل کر رہے تھے۔ ان کی لاشوں سے میدان اور راستے بھرتے جاتے تھے۔ ہر مسلمان عیسائیوں کے پیچھے ایسا دوڑ رہا تھا۔ جیسے وہ اس کی کوئی بہت عزیز چیز لیے بھاگا جا رہا ہو اور وہ اس کا پیچھا کر رہا ہو۔ پوری طاقت سے دوڑ دوڑ کر حملے کر رہے تھے۔

عیسائی ایسے بد حواس ہو کر بھاگ رہے تھے کہ پیچھے پھر کر نہ دیکھتے تھے اور جو بدقسمت پیچھے پھر کر دیکھ لیتا تھا۔ کوئی نہ کوئی مسلمان اس کے سر پر جا پہنچتا تھا اور اسے قتل کر ڈالتا تھا۔

جب مسلمان بھاگتے بھاگتے تھک گئے تب وہ بزدل عیسائیوں کے تعاقب سے واپس لوٹے۔ اس اسلامی لشکر میں صرف سو سوار تھے۔ باقی چار سو پیادہ تھے۔ مسلمانوں نے چار ہزار عیسائیوں کو قتل کر ڈالا۔ زخمیوں کی تعداد معلوم نہ ہو سکی۔ مسلمان صرف دو شہید ہوئے اور سو مسلمان زخمی ہوئے۔

مسلمانوں کو یہ شاندار فتح حاصل ہوئی۔ انہوں نے عیسائیوں کے کیمپوں پر قبضہ کر لیا۔ بے شمار مال غنیمت ہاتھ آیا۔ کیمپ پر قبضہ کر کے دونوں شہیدوں کے جنازہ کی نماز پڑھ کر انہیں دفن کیا۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کی اور وہاں سے کچھ دور آگے چل کر قیام کر دیا۔

(۵۵)

پُرزور حملہ

شیخ الغزاۃ نے اس جنگ کی مفصل روئداد لکھ کر سلطان کے حضور میں بھیج دی۔ سلطان کو ہراول کی اس کامیابی سے بڑی خوشی ہوئی۔ انھوں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اپنی تمام سپاہ کو یہ خوشخبری سنا دی اور ابوالوفا، ریحان اور شیخ الغزاۃ کے لیے خلعتیں بھیجیں۔ ان کی کارگزاری کا شکریہ ادا کر کے انھیں مبارکباد دی اور یہ حکم دے دیا کہ جس قدر مالِ غنیمت ہاتھ آیا ہے۔ اس میں سے ہتھیار اور خیمے تو علیحدہ کر دیے جائیں اور باقی سب سامان مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ نیز یہ بھی حکم دیا کہ وہ اب آگے نہ بڑھیں۔ بلکہ جاسوس بھیج کر دشمن کے لشکر کی خبر منگائیں۔

جب خلعتیں اور سلطانی احکام شیخ الغزاۃ کے پاس پہنچے تو انھوں نے ابوالوفا اور ریحان کی خلعتیں انھیں دے دیں۔ اپنی خود رکھ لی اور مالِ غنیمت میں سے خیمے اور ہتھیار الگ کر کے باقی سب سامان مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ مسلمانوں نے ہزاروں گھوڑے بھی پکڑ لیے تھے۔ وہ گھوڑے بھی تقسیم کر دیے گئے۔ اس سے تمام پیدل سوار ہو گئے۔ بلکہ ایک ایک آدمی کے دو دو تین تین گھوڑے ہو گئے۔

شیخ الغزاۃ نے چند جاسوس دشمنوں کی خبر لانے کے لیے بھیجے اور وہاں سے چند میل آگے بڑھ کر ایک چشمہ کے کنارے پر خیمہ زن ہو گئے۔ انھوں نے عیسائیوں کے وہ خیمے جو مالِ غنیمت میں ہاتھ لگے تھے، سب نصب کرا دیے۔ اس سے یہ معلوم ہونے لگا جیسے بے شمار لشکر مقیم ہو۔

ایک روز جاسوس خبر لائے کہ تمام عیسائی لشکر البیرہ کے دوسری طرف خیمہ زن ہے۔ البیرہ اس جگہ سے جہاں شیخ الغزاۃ مقیم تھے۔ دو منزل کے فاصلہ پر تھا۔ جس روز جاسوس یہ خبر لائے۔ اسی روز سلطان بھی وہاں آ گئے۔

شیخ الغزاۃ اور ان کے ہمراہیوں نے سلطان کا استقبال کیا۔ سلطانی لشکر بھی وہیں خیمہ زن ہو گیا۔ شیخ الغزاۃ نے سلطان سے جاسوسوں کی وہ اطلاع جو وہ عیسائی لشکر کے متعلق لائے تھے۔ عرض کی۔ سلطان کچھ دیر سوچتے رہے اور سوچ لینے کے بعد شیخ الغزاۃ سے فرمایا۔ کل تمام لشکر البیرہ کی طرف کوچ کرے۔ شیخ الغزاۃ نے اسی وقت سلطان کے اس فرمان کی منادی کرا دی اور دوسرے روز تمام لشکر البیرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس لشکر نے ایک روز راستہ میں قیام کیا اور دوسرے روز البیرہ کے قریب جا پہنچا۔ جاسوس خبر لائے کہ عیسائی لشکر البیرہ میں آ گیا ہے اور وہ عنقریب سامنے آنے والا ہے۔

سلطان نے ابوالجیوش کو ایک ہزار سوار دے کر ہدایت کی کہ وہ آگے بڑھ کر جنگل میں چھپ جائیں۔ یہ جنگل البیرہ کے قریب تھا۔ انھیں یہ بھی حکم دیا کہ وہ اس وقت تک چھپے رہیں۔ جب تک تمام عیسائی لشکر ان کے سامنے سے آگے نہ بڑھ جائے اور جب سب لشکر گزر جائے۔ تب اس پر پیچھے سے حملہ کریں۔

شیخ الغزاۃ کے ساتھ کو تیار کیا اور انھیں پانچ سو سپاہی دے کر حکم دیا کہ آگے بڑھ کر تمام عیسائی لشکر کے سامنے پہنچ کر اس پر حملہ کریں اور جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھے تو آہستہ آہستہ واپس لوٹ کر جنگل سے اس طرف آ جائیں اور عیسائی لشکر کو اپنے پیچھے لگا لائیں۔ ریحان کو حکم دیا کہ وہ البیرہ کے جنگل سے پانچ میل اس طرف راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں اور جب شیخ الغزاۃ عیسائی لشکر کو اپنے پیچھے لگا لائیں اور ان کے پاس پہنچ جائیں تو عیسائیوں پر حملہ کریں۔

خود سلطان ابوالولید تین سو سوار لے کر جھاڑیوں میں جا چھپے اور باقی تمام لشکر ریحان کے سپرد کر دیا۔

اس طرح لشکر کو ترتیب دے کر خلیفہ ابوالولید نے خدا سے فتح کی دعا مانگی۔ یہ مختصر

اسلامی لشکر ڈھائی لاکھ سے بھی زیادہ عیسائی سپاہ کے مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔ شیخ الغزاۃ آگے بڑھے۔ انھوں نے وہ رات البیرہ کے جنگل میں گزاری اور دوسرے روز صبح کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے۔ اس روز ۶ جمادی الاول ۷۱۹ھ تھی۔ وہ کچھ دن چڑھے عیسائی لشکر کے سامنے جا پہنچے۔

عیسائی لشکر کوچ کی تیاری کر رہا تھا۔ جب عیسائیوں نے تھوڑے سے مسلمانوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے ان پر حملہ آور ہوئے۔ بے شمار ٹڈی دل لشکر جنبش میں آ گیا۔ ڈھائی لاکھ سے بھی زیادہ عیسائی مسلمانوں کی طرف بڑھے۔

آفرین ہے۔ ان مسلمانوں پر اتنا بھاری لشکر دیکھ کر بھی ان کی تیوریوں پر بل نہیں آئے۔ دل میلے نہیں ہوئے۔ خوف و ہراس کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ وہ نہایت استقلال سے عیسائیوں کے مقابلہ میں ڈٹ گئے۔

عیسائیوں نے اس زور سے ان پر حملہ کیا۔ جیسے وہ انہیں روند ڈالیں گے مگر جب وہ مسلمانوں کے پاس پہنچے تو شیر دل مسلمانوں نے تلواروں سے ان کا استقبال کیا اور ان کے سیلاب کو روک دیا۔ عیسائیوں نے تلواریں سونت لیں اور جنگ شروع ہو گئی۔

مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اس سختی سے حملہ کیا کہ عیسائیوں کی اگلی صفیں پچھلی صفوں سے ٹکرا گئیں۔ انھوں نے عیسائیوں کی پہلی صف کا خاتمہ کر دیا اور دوسری صف پر حملہ آور ہوئے۔ اس صف کے بھی زیادہ سپاہیوں کا صفایا کر ڈالا۔ پھر تیسری صف میں گھس گئے اور انھیں بھی مارنا شروع کر دیا۔

یہ کیفیت دیکھ کر عیسائیوں کو بڑا غصہ آیا۔ انھوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا۔ مسلمان کسی قدر پیچھے ہٹ گئے۔ شیخ الغزاۃ نے خود بڑھ کر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے ان کا ساتھ دیا۔ انھوں نے نہایت شدت سے حملہ کیا۔ اس حملہ میں بہت سے عیسائیوں کو مار ڈالا۔ مسلمانوں نے یہ کوشش کی کہ عیسائیوں کو پیچھے دھکیل دیں لیکن ان کی صفیں ایک دوسرے سے اس طرح پیوستہ تھیں کہ پیچھے ہٹنے کی گنجائش ہی نہ تھی اس لیے وہ پیچھے نہ ہٹ سکے۔ مسلمانوں نے جس صف پر حملہ کیا تھا۔ اس کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ مگر

جس قدر سپاہی مارے گئے تھے اس سے زیادہ پچھلی صف میں سے آگے بڑھ آئے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور انھوں نے اس سختی سے حملہ کیا کہ مسلمان ان کے حملہ کو روک نہ سکے۔ کافی دور تک پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن پیچھے بھی ہٹتے جاتے تھے اور جب موقع پاتے تھے بڑھ کر عیسائیوں پر جھپٹ کر ان کے سر بھی اڑا دیتے تھے۔ اس طرح عیسائی برابر مارے جا رہے تھے۔ لیکن وہ جوش اور طیش میں آ کر برابر بڑھ رہے تھے۔ وہ جھنجھلا جھنجھلا کر حملے کرتے تھے۔ بڑی قوت سے تلواریں چلاتے تھے۔ مگر مسلمان ڈھالوں پر ان کے وار روک لیتے تھے اور جوابی حملے کر کے دشمنوں کو قتل اور زخمی کر ڈالتے تھے۔

عیسائی دیکھ رہے تھے کہ مسلمان بہت ہی کم ہیں۔ اتنے کم کہ اگر وہ ان پر ریت کی ایک ایک مٹھی بھی پھینکیں تو وہ دب کر رہ جائیں۔ مگر وہ اتنے کم ہوتے ہوئے بھی تلواروں سے ان کا مقابلہ کر رہے تھے اور صرف مقابلہ ہی نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ انہیں قتل کر رہے تھے اور ان میں سے اب تک ایک بھی قتل نہیں ہوا تھا۔

یہ دیکھ دیکھ کر عیسائیوں کو بڑا غصہ آ رہا تھا۔ وہ دانت پیس پیس کر ان پر حملہ کرتے تھے۔ لیکن مسلمان ان کے حملوں کو روک کر جوابی حملے کر کے ان میں سے بہت سے سپاہیوں کو مار ڈالتے تھے اور زیادہ تر کو زخمی کر دیتے تھے جو لوگ زخمی ہو جاتے تھے وہ چلاتے اور مسلمانوں کو گالیاں دینے لگتے تھے۔

مسلمانوں کی جرأت و ہمت استقلال اور دلیری قابل داد تھی۔ وہ لاکھوں عیسائیوں سے جا بھڑے تھے اور بڑی بے خوفی بے باکی اور سر فروشی سے لڑ رہے تھے۔ اگرچہ قدم قدم پیچھے ہٹتے جاتے تھے۔ لیکن پیچھے ہٹتے ہٹتے بھی دشمنوں کی لاشیں بچھاتے چلے آتے تھے۔

اب عیسائیوں نے یہ کوشش کی کہ ادھر ادھر بازوؤں سے نکل کر آگے بڑھیں اور مسلمانوں کے پیچھے جا پہنچیں۔ چنانچہ ان کے کئی دستے اس ارادہ سے نکلے مسلمان نے دیکھ لیا وہ تیزی سے پیچھے ہٹنے لگے۔ عیسائی بھی تیزی سے بڑھنے لگے اور وہ اور بھی بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔

مسلمان ان کے حملوں کو روک کر خود بھی ان پر وار کرتے برابر پیچھے ہٹ رہے تھے۔ عیسائی سمجھے وہ پسپا ہو رہے ہیں۔ حالانکہ وہ حسب قرارداد پیچھے ہٹتے اور عیسائیوں کو کو اپنے پیچھے لگاتے ہٹتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس جنگل سے بھی بہت پیچھے ہٹ گئے۔ جس میں ابوالحیوش ایک ہزار مسلمانوں کے ساتھ چھپے ہوئے تھے۔

اب مسلمانوں نے تیزی سے پسپا ہونا شروع کر دیا۔ عیسائی بھی ان کے پیچھے تیزی سے بڑھنے لگے۔

(۴۹)

خونریز جنگ

اس عظیم الشان عیسائی لشکر کے ساتھ یورپ کے کئی ملکوں کے شہزادے اور بادشاہ بھی آئے ہوئے تھے اور وہ اپنے ہمراہ اپنے بیوی بچوں کو بھی لائے تھے۔ بطروہ بھی اپنی نازنین بیوی ارا کہ کو ساتھ لایا تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی بڑے بڑے سردار بھی اپنے اپنے اہل و عیال لے کر آئے تھے۔

اس زمانہ میں غرناطہ اور قصر الحمرا کی دنیا بھر میں شہرت تھی۔ یہ مشہور تھا کہ دنیا کا بہترین شہر غرناطہ ہے اور جنت نظیر محل قصر الحمرا ہے۔ اس قصر میں داخل ہو کر انسان بہشت کے مزے لینے لگتا ہے۔ تمام یورپ کے بادشاہ اور ان کے سپاہی اسی شہر اور اس قصر کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھے۔

اور چونکہ ان کی اتنی بھاری تعداد تھی۔ جس کا مقابلہ غرناطہ کی کمزور سلطنت کسی طرح بھی نہ کر سکتی تھی۔ اس لیے وہ سب اس خبط میں مبتلا تھے کہ فتح ان کی ہو گی۔ مسلمان یا تو مارے جاویں گے اور وہ دنیا کے بہترین شہر اور عظیم الشان قصر میں فاتحانہ داخل ہوں گے۔ اسی لیے وہ اپنے بیوی بچوں کو ساتھ لائے تھے تاکہ وہ بھی نفیس ترین شہر اور عجائب روزگار قصر کو دیکھ لیں۔

جب شیخ الغزاۃ نے عیسائیوں پر حملہ کیا اور لڑائی کا شور ہوا تو تمام شہزادے اور بادشاہ مسلح ہو کر اپنے اپنے لشکر میں پہنچ گئے۔ بطروہ بھی مسلح ہونے لگا۔ ارا کہ اس کے پاس آئی اس نے کہا "ابھی وقت ہے کہ مسلمانوں سے صلح کی جا سکے مجھے خوف ہے کہ

کہیں عیسائیوں کو شکست نہ ہو جائے۔ بہتر یہی ہے کہ صلح کر لو۔

بطروہ نے ترش رو ہو کر کہا۔ "تم کیسی بدفال منہ سے نکال رہی ہو۔ عیسائیوں کو شکست ہرگز نہیں ہو سکتی۔ تم دیکھو گی کہ مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔"

اراکہ: جب پہلی مرتبہ مسلمانوں سے جنگ ہوئی تھی، تم نے اس وقت بھی ایسا ہی کہا تھا۔ حالانکہ ہزیمت عیسائیوں کو ہوئی تھی۔ اب بھی ایسا ہی کہہ رہے ہو۔

بطروہ: فتح اس وقت بھی ہماری ہی ہوتی۔ لیکن عیسائی بزدلی کر گئے۔ اس لیے پانسہ پلٹ گیا۔

اراکہ: کیا اب عیسائی بزدلی نہیں کر سکتے؟

بطروہ: اب بزدلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہماری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگر ہم بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے مسلمانوں کے سامنے قتل ہونے کے لیے کھڑے بھی ہو جائیں تو وہ ہم سب کو قتل نہیں کر سکتے۔ تم آج ہی دیکھ لو گی کہ مسلمانوں کو ہسپانیہ سے مٹا دیا جائے گا۔ ہم دنیا کے خوبصورت شہر غرناطہ پر قبضہ کر لیں گے اور وہ قصر الحمرا جو اپنی نفاست و نزاکت، شان و شوکت اور دل کشی و رفعت میں یکتائے زمانہ ہے اور جس کے دیکھنے کی ہمیں، تمہیں اور سب ہی کو بڑی تمنا ہے۔ ہمارے تخت میں آ جائے گا۔ تم بے نظیر قصر میں ملکہ کی حیثیت سے رہو گی۔ ہماری تمنا بر آنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔

اب بطروہ مسلح ہو چکا تھا۔ اس وقت شور بہت زیادہ ہوا۔ وہ جلدی سے خیمہ سے باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چلا۔ وہ سنہری زرہ پہنے ہوئے تھا خود کے اوپر سونے کا تاج اوڑھے تھا۔ دھوپ میں اس کی زرہ اور تاج جگمگا رہے تھے۔

اور بھی سب بادشاہ اور شہزادے اپنی اپنی حیثیت کے موافق چاندی اور سونے کی زرہیں پہنے اور زریں تاج اوڑھے تھے۔ ہر بادشاہ اور شہزادہ اپنے اپنے ملک کے جھنڈے کے نیچے موجود تھا۔ رنگ برنگ کے جھنڈے اور جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ سواروں اور پیادوں کی وردیاں جھلملا رہی تھیں۔ زرہ پوشوں کی زرہیں چمک رہی تھیں اور ان سب کے ہتھیار جگمگا رہے تھے۔

چونکہ عیسائی لشکر ڈھائی لاکھ سے زیادہ تھا۔ اس لیے بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ جب مسلمان تیزی سے پیچھے ہٹتے چلے گئے تو عیسائی ان کے پیچھے دوڑ پڑے اور ان کا تمام لشکر صف در صف تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔

عیسائی لشکر اس جنگل سے آگے نکل گیا۔ جس میں ابوالجیوش چھپے ہوئے تھے۔ اب شیخ الغزاۃ رک گئے اور جم کر لڑنے لگے۔ عیسائیوں نے بڑھ بڑھ کر ان پر حملے شروع کیے۔ مسلمان ان کے حملے بڑے استقلال سے روکنے لگے۔ اس وقت اللہ اکبر کے نعرے کی آواز آئی۔ ریحان اور ان کے ساتھیوں نے یہ نعرہ لگایا تھا۔ وہ دوڑ کر شیخ الغزاۃ کی مدد کو آ گئے اور انہوں نے آتے ہی بڑے جوش سے حملہ کیا۔ انھوں نے اس پہلے ہی حملہ میں بے شمار عیسائیوں کو مار ڈالا اور ان سب کو یا تو قتل کر دیا یا زخمی کر کے پیچھے ہٹا دیا جو شیخ الغزاۃ پر حملے کر رہے تھے۔

یہاں کھلا ہوا میدان تھا۔ عیسائی دور تک پھیل گئے۔ مسلمان بھی پھیل گئے۔ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے۔ تلواریں پھرتی سے چلنے لگیں۔ سروں کے فیصلے ہونے لگے۔ لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں اور خون کے فوارے اچھلنے لگے۔

عیسائی مسلمانوں میں اور مسلمان عیسائیوں میں گھس گئے۔ مسلمانوں نے پرجوش حملے کر کے عیسائیوں کی کئی کئی صفیں زیر و زبر کر ڈالیں۔ کئی صفوں میں رخنے ڈال دیئے۔ وہ گھاس اور پھوس کی طرح عیسائیوں کو کاٹنے لگے۔

عیسائی [illegible] بے جوش اور بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ پوری قوت سے حملے کرتے تھے مگر [illegible] ں مسلمانوں کی ڈھالوں پر پڑ کر اچٹ جاتی تھیں اور مسلمانوں کی تلواریں ان کی ڈھا [illegible] یاں ڈالتی تھیں۔ زرہوں کو کاٹ دیتی تھیں اور سروں کو تنوں سے الگ کر دیتی تھیں [illegible] یسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے عیسائیوں کی تلواروں میں دھار نہ ہو اور مسلمانوں کی تیز دھار والی ہوں۔ ان کی تلواریں بالکل نہ کاٹتی تھیں کند ہو رہی تھیں اور مسلمانوں کی تلواریں برابر کاٹ رہی تھیں۔ اس سے عیسائی مر رہے تھے اور مسلمان مار رہے تھے۔

مسلمان بڑی پھرتی اور قوت سے حملے کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں اس تیزی سے اٹھ

اور جھک رہی تھیں کہ انہیں دیکھ کر عیسائیوں کی آنکھیں جھپک جاتی تھیں اور آنکھیں جھپکتے ہی ان کے سر اڑ جاتے تھے گویا آنکھوں کا جھپکنا موت کو دعوت دینا تھا۔ آنکھ جھپکی اور تلوار سر پر پڑی۔

حقیقت یہ ہے کہ لڑائی میں آنکھ بزدلوں کی جھپکا کرتی ہے۔ دلیروں کی آنکھیں کبھی نہیں جھپکتیں۔ مسلمان دشمنوں پر نظریں جمائے سختی سے حملے کرتے اور اپنے مقابل والوں کو قتل کر ڈالتے تھے۔ عیسائیوں کی آنکھیں مسلمانوں کی تلواروں کو دیکھ کر جھپک جاتیں۔ ان کے وار اوچھے اور بے جگہ پڑتے۔ اس لیے ان سے مسلمان نہ مرتے۔

لیکن عیسائیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ جو لوگ قتل ہو جاتے۔ ان کی جگہ فوراً تازہ دم لوگ پہنچ جاتے۔ مگر جب وہ اپنے بھائیوں کی لاشوں پر لاشیں پڑی دیکھتے تو خوف و دہشت سے ان کے جسموں میں تھرتھری پڑ جاتی اور یہ جرأت ہی نہ ہوتی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کریں۔ انہیں ایسی دہشت زدہ نظروں سے دیکھنے لگتے۔ جیسے وہ انسان نہیں کوئی اور مخلوق ہیں۔

مسلمان ان کے خوف سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ وہ پھرتی اور بے تکلفی سے عیسائیوں کو قتل کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں موت کا فرشتہ بن گئی تھیں۔ جن کے سروں پر پڑتیں انہیں قتل یا زخمی کیے بغیر نہ چھوڑتیں۔

چونکہ عیسائی کثرت سے قتل ہو رہے تھے۔ اس لیے اب ان میں آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی جرأت نہیں رہی تھی۔ وہ اپنی صفوں سے آگے نہ بڑھتے تھے۔ تو اب انہوں نے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے شروع کر دیے، وہ جھپٹ جھپٹ کر تلواریں مارتے اور دشمنوں کو قتل کر ڈالتے۔ جنگ کا زور دم بدم بڑھتا ہی جاتا تھا۔ تلواریں پھرتی سے اٹھ رہی تھیں اور سر کٹ کٹ کر اچھل رہے تھے۔ خون پانی کی طرح بہنے لگا تھا۔

عیسائی شہزادوں اور بادشاہوں نے جب دیکھا کہ ان کے سپاہی آگے نہیں بڑھتے تو کئی بادشاہ اور شہزادے آگے بڑھے اور انہوں نے سپاہیوں کو جوش دلایا۔ عیسائیوں کو کچھ طرارہ آیا اور وہ زور میں آ کر بڑھے۔

لیکن فوراً ہی مسلمانوں نے انہیں تلواروں کی باڑھوں پر رکھ لیا۔ وہ تیزی سے قتل ہونے

لگے۔ ان کا جوش سرد پڑ گیا اور وہ پھر مدافعانہ لڑائی لڑنے لگے۔

ریحان اور شیخ الغزاۃ نے ان شہزادوں اور بادشاہوں کو دیکھا جو سپاہیوں کو جوش دلا رہے تھے۔ وہ درمیانی عیسائیوں کو مارتے کاٹتے ان کی طرف بڑھے اور جب ان کے قریب پہنچ گئے تو عیسائی شہزادوں کی نظریں ان پر پڑیں۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ ان دونوں نے بڑھ کر ان پر حملہ کر دیا اور بھاگتے ہوئے دو شہزادوں کو مار ڈالا۔ ریحان نے جلدی پلٹ ایک بادشاہ پر حملہ کیا اور اسے بھی ٹھنڈا کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر عیسائیوں پر اور بھی ہیبت چھا گئی اور وہ گھبرا کر دفعتاً پیچھے ہٹے۔ مسلمانوں نے بڑھ کر ان پر اور تیزی اور سختی سے حملے کیے اور بے تحاشا انہیں قتل کرنے لگے۔

جبکہ عیسائیوں کا اگلا لشکر پسپا ہونے کی فکر میں تھا۔ ٹھیک اسی وقت ابوالجیوش نے جنگل سے نکل کر اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگا کر عیسائی لشکر کی پشت پر حملہ کر دیا۔ عیسائی اس اچانک حملے سے گھبرا گئے۔

عظیم الشان فتح

جب تک کہ عیسائیوں کے پچھلے لشکر کے سپاہی سنبھلیں اور یہ معلوم کریں کہ مسلمان کہاں سے آ گئے اور کتنے ہیں، اس وقت تک مسلمانوں نے ان پر حملے کر کے ان کے ہزاروں آدمی کاٹ کر ڈال دیے۔ ہزاروں کو زخمی کر دیا۔

مسلمانوں میں کچھ عجیب جوش پیدا ہو گیا تھا۔ اس لیے کہ عیسائیوں نے ان پر بلاوجہ حملہ کیا تھا۔ ان تمام عہد و قرار کو توڑ ڈالا تھا۔ جو انہوں نے مسلمانوں سے کئے اور اپنے ساتھ یورپ کے ملکوں کے عیسائیوں کو اس لیے چڑھا لائے تھے تاکہ مسلمانوں کو ہسپانیہ سے نکال کر غرناطہ اور الحمرا پر قبضہ کر لیں۔ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی یعنی ساڑھے پانچ ہزار۔ عیسائی ڈھائی لاکھ سے بھی زیادہ تھے۔ کوئی مناسبت ہی نہ تھی۔ بعروہ کے قول کے بموجب واقعی اگر عیسائی بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے کھڑے رہتے اور مسلمان انہیں قتل کرتے تو وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ مسلمان انہیں قتل کرتے کرتے تھک جاتے اور ان سب کو قتل نہ کر سکتے۔

مسلمان ناامید نہیں تھے۔ انہیں خدا کی مدد پر بھروسہ تھا۔ ان میں یہ جوش پیدا ہو گیا تھا کہ وہ غرناطہ کی ایک ایک انچ زمین کے لیے لڑیں گے۔ ان کے بزرگوں نے اس ملک کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ اب وہ اس وطن کو چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ کٹ مرنے پر آمادہ تھے۔ انہوں نے طے کر لیا تھا کہ یا تو مر جائیں گے یا دشمنوں کو شکست دے کر بھگا دیں گے لیکن میدان جنگ سے فرار نہ ہوں گے۔ اس ارادے نے ان کے دلوں میں ایسا جوش بھر دیا تھا کہ ان کی نگاہ میں عیسائیوں کی کوئی وقعت ہی نہیں رہی تھی۔ وہ ان پر حملے کرتے

اور انہیں بے دریغ قتل کرنے لگے۔

ابو الجیوش کے ہمراہی بھی شیروں کی طرح ان پر حملہ آور ہوئے اور بڑی پھرتی سے انہیں قتل کرنے لگے۔ ابو الجیوش کے ساتھ کوثر اور یوسف بھی تھے۔ انہوں نے بھی سخت حملے کیے۔ بڑی پھرتی سے عیسائیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے اس تیزی سے حملے کرنے شروع کیے کہ ان کی تلواریں یا تو اٹھتی معلوم ہوتیں۔ یا عیسائیوں کے جسموں میں تیرتی نظر آتیں۔ کچھ دیر تو عیسائی سہمے اور گھبرائے رہے اور قتل ہوتے رہے۔ لیکن جب ان کے کئی ہزار سپاہی مارے گئے تو وہ سنبھلے اور کئی شہزادے اور بادشاہ اپنا اپنا لشکر لے کر ابو الجیوش کے مقابلے میں آ گئے عیسائی بھی مسلمانوں کے سامنے ڈٹ گئے اور بڑی دلیری سے لڑنے لگے۔

اس وقت جنگ کی آگ بڑی تیزی سے بھڑک اٹھی۔ تلواروں پر تلواریں چلنے لگیں اور سر کٹ کٹ کر اچھلنے اور اولوں کی طرح برسنے لگے۔ لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ خون کے چشمے بہہ نکلے۔

عیسائی گلے پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے۔ زور زور سے فوجی باجے بجا رہے تھے۔ گھوڑے ہنہنا رہے تھے اور زخمی چیخ رہے تھے۔ ان آوازوں سے ایسا شور برپا تھا کہ کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے قیامت آ گئی ہے اور لوگ نفسی نفسی پکار رہے ہیں۔

قیامت میں کوئی شک بھی نہیں تھا۔ انسانی زندگیاں تلواروں کی بھینٹ چڑھ رہی تھیں۔ موت تلواروں کے ساتھ گھوم رہی تھی۔ جس سر پر تلوار اٹھتی تھی موت اس کا گلا آ دباتی تھی اور جو مر جاتا تھا اس کے لیے قیامت آ جاتی تھی۔

شاید عیسائی مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے چلا رہے تھے۔ انہیں ڈرانے کے لیے شور کر رہے تھے۔ اپنے ساتھیوں میں جوش پیدا کرنے کے لیے زور زور سے باجے بجا رہے تھے لیکن مسلمانوں پر نہ ان کے چلانے کا اثر ہوتا تھا نہ جوش کا نہ باجوں کا اور شور تلواروں کا وہ نہایت خاموشی اور اطمینان سے انہیں قتل کر رہے تھے۔ ان کی تلواریں ان کے سروں کو کاٹ رہی تھیں۔ سینوں کو کھول رہی تھیں اور پسلیوں کو توڑ رہی تھیں۔

عیسائی بھی جوش میں آ کر حملے کر رہے تھے۔ مگر ان کی تلواریں جیسے زنگ خوردہ تھیں یا ان میں باڑھ نہ تھی۔ یا عیسائیوں کے بازوؤں میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ کاٹ کرتیں۔ کیونکہ مسلمان آسانی سے ان کی تلواریں اپنی ڈھالوں پر روک لیتے تھے اور وہ بالکل کارگر نہ ہوتی تھیں۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تلواریں برابر کاٹ کر رہی تھیں۔ ڈھالوں کو پھاڑ دیتی تھیں۔ زرہوں کو کاٹ دیتی تھیں اور کندھوں پر جو زنجیروں کے جال تھے۔ انہیں توڑ دیتی تھیں۔ سروں کو اس آسانی سے کاٹ دیتی تھیں۔ جیسے وہ موم کے تھے۔

مسلمان عیسائی صفوں کو زیر و زبر کرتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ عیسائی انہیں روکنے کی ہر چند کوشش کرتے ان کے سامنے ڈٹ جاتے۔ ان سے لڑتے۔ انہیں قتل کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن مسلمان ان کے روکے نہ رکتے تھے۔ بلکہ انہیں قتل کرتے ہوئے ان کی صفوں کو توڑتے ہوئے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

آگے سے شیخ الغزاۃ اور ریحان حملے کر رہے تھے اور پیچھے ابو الجوش، کوثر اور یوسف دبا رہے تھے۔ لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ لاکھوں عیسائی درمیان میں حائل تھے اور لڑ رہے تھے مگر وہ ان کے خاتمے کرنے کا قصد کر چکے تھے۔ اس لیے پر زور حملے کر کے انہیں قتل کر رہے تھے۔

جبکہ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی اور تلواریں زور شور سے اپنا کام کر رہی تھیں۔ اس وقت خلیفہ ابو الولید نے نمودار ہو کر عیسائیوں کے قلب پر حملہ کر دیا۔ ان کے ساتھ صرف تین سو جوان تھے۔ لیکن انہوں نے اس شان سے حملہ کیا۔ جیسے وہ تین ہزار سے بھی زیادہ ہوں انہوں نے بڑی پھرتی اور سختی سے حملے کر کے عیسائیوں کو کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ ڈالا۔

جو سلطان ابو الولید نے بھی تلوار میان سے سونت لی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اس جوش سے حملہ کیا کہ عیسائیوں کی اگلی صف کو پچھلی پر الٹ دیا۔ کئی بڑے بڑے افسروں کو مار ڈالا۔ کئی شہزادوں کے سر اڑا دیے۔

سلطان کو اس جوش سے لڑتے دیکھ کر ان کے رسالے کو اور بھی جوش آ گیا۔ انہوں نے اللہ اکبر کا پرجوش نعرہ لگا کر اس سختی سے حملہ کیا کہ کئی صفوں کو کاٹ کر پھینک دیا کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ خون کے دریا بہا دیے۔ انہوں نے بیچ میں گھس کر عیسائیوں کو دو الگ الگ حصوں میں تقسیم کر دیا اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو آدمی دونوں طرف حملہ آور ہو گئے۔

سلطان کے اس حملہ کا عیسائیوں پر بڑا اثر ہوا چونکہ مسلمان تھوڑی تھوڑی تعداد میں نکل نکل کر ان پر حملے کر رہے تھے اور انہوں نے تین طرف سے حملے کر کے ان کے بے شمار آدمی قتل کر ڈالے تھے۔ اس لیے ان پر دہشت سوار ہو گئی اور وہ یہ سمجھے کہ نہ معلوم مسلمان اور کس کس طرف چھپے ہوئے ہیں اور کب حملہ کر دیں۔ اس سے ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ ان پر خوف چھا گیا اور وہ ایک دم بھاگ کھڑے ہوئے۔

ان بھاگنے والے عیسائیوں کو ان کے افسروں، شہزادوں اور بادشاہوں نے ہر چند روکا۔ بڑی غیرت دلائی لیکن وہ نہ رکے بھاگے چلے گئے۔ مسلمان بھی ان کے پیچھے دوڑ پڑے اور جلدی جلدی انہیں قتل کرنے لگے۔

سپاہیوں کے بھاگتے ہی افسروں، شہزادوں اور بادشاہوں کے بھی قدم اکھڑ گئے وہ بھی بھاگے مسلمان ان کے پیچھے بھی لگ گئے اور انہیں بھی قتل کرنے لگے۔

اتفاق سے بطروہ کوثر کے سامنے آ گیا۔ انہوں نے کہا "او مغرور شہزادے اب کہاں بھاگا جاتا ہے کیا تو سمجھتا ہے کہ موت سے اپنے آپ کو بچا لے گا؟ لے سنبھل"

یہ کہتے ہی انہوں نے اس پر حملہ کیا۔ وہ کانپ گیا۔ اس نے ڈھال پر ان کا وار روکا۔ لیکن کوثر کی تلوار ایسی کاری پڑی کہ ڈھال کاٹ کر اس کے خود کو پھاڑ کر سر کو چیرتی حلق تک اتر گئی۔ وہ مر کر گرا۔

عیسائیوں نے جب یہ حال دیکھا تو وہ بھول گئے اور اور بھی تیزی سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگے۔ مسلمان انہیں قتل کرتے ان کے پیچھے لگے چلے گئے۔

انہوں نے تمام میدان اور سارے راستے ان کی لاشوں سے بھر دیے۔ دور تک ان کے پیچھے انہیں قتل اور گرفتار کرتے چلے گئے۔

جب وہ بہت دور نکل گئے۔ تب مسلمان واپس لوٹے۔ انھوں نے اس عظیم الشان فتح پر خدا کا شکر ادا کیا۔ کچھ مسلمان تو میدانِ جنگ کا سامان، ہتھیار اور گھوڑے جمع کرنے لگے اور کچھ مسلمان کوثر اور یوسف کے ہمراہ عیسائیوں کے کیمپ کی طرف اس پر قبضہ کرنے کے لیے بڑھے۔

٭

(۵۸)

شاندار استقبال

اس لڑائی کا آغاز عیسائیوں کے لیے جس قدر شاندار تھا۔ اسی قدر بھیانک بھی ہوا۔ یہ لڑائی دنیا کی ان لڑائیوں میں سے ایک ہے جس سے قوموں کی قسمتیں پلٹ دی ہیں اور جو اپنی نوعیت میں بے نظیر ہیں۔

اس عظیم الشان جنگ کی کئی خصوصیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ ڈھائی لاکھ[1] سے زیادہ عیسائیوں کا مقابلہ کل سارے پانچ ہزار مسلمانوں نے کیا۔ دوسری یہ کہ یورپ کے جنگجو اور منتخب افسر شہزادے اور بادشاہ بہترین سپاہ لے کر اسپین میں آئے اور ان کے آزمودہ کار فوجوں نے مٹھی بھر مسلمانوں سے ایسی فاش شکست کھائی کہ سارا یورپ انگشت بدنداں رہ گیا۔

تیسری یہ کہ عیسائی لشکر میں بڑے بڑے افسروں کے علاوہ پچیس شہزادے اور بادشاہ تھے[2]۔ اس طرف ان کے مقابلے میں تنہا سلطان ابوالولید تھے۔ سلطان زندہ رہے اور فتح یاب ہوئے اور عیسائی شہزادے اور بادشاہ سب مارے گئے یہاں تک کہ بطرہ بھی مارا گیا۔

چوتھی خصوصیت اس لیے کہ واقعی میں ایک لاکھ سے زیادہ عیسائی مارے گئے اور مسلمان صرف تیرہ شہید ہوئے۔ سات ہزار عیسائی گرفتار ہوئے۔ مسلمانوں نے بیشمار گھوڑے گرفتار کیے۔ لاتعداد ہتھیار ہاتھ آئے جو افسر شہزادے اور بادشاہ مارے گئے وہ چاندی

۱؎ از تاریخ اسلام مصنفہ اکبر شاہ خان صاحب جلد سوم صفحہ ۱۵۱۔ ۲؎ از تاریخ عالم اسلام جلد سوم صفحہ ۵۲

سونے کی زرہیں اور سونے کے رتن جو جواہر تاج پہنتے تھے وہ مال غنیمت میں ملے اور
بھی بہت سی بیش قیمت چیزیں ہاتھ آئیں۔

ادھر جب کوثر اور یوسف اپنے ہمراہی مجاہدوں کے ساتھ عیسائی کیمپ میں پہنچے
تو عورتیں اور بچے انہیں دیکھ کر چیخنے چلانے لگے۔ اراکہ نے ان سب عورتوں کو تسلی دی اور
وہ بڑھ کر یوسف کے پاس آئی اور بولی۔ آخر وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ میں نے
ہر چند بطروہ کو سمجھایا کہ وہ مسلمانوں سے جنگ نہ کرے۔ صلح کر لے۔ لیکن اس نے میری
بات نہ مانی اور مارا گیا۔ کیا یہ سچ ہے کہ وہ مارا گیا؟

یوسف نے کہا: "مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کو یہ اطلاع دے رہا ہوں۔ وہ واقعی
مارا گیا اور صرف وہی نہیں بلکہ تمام شہزادے اور بادشاہ اور بڑے بڑے افسر بھی مارے
گئے۔

اراکہ: ان کی موت ہی انہیں کھینچ کر یہاں لائی تھی۔ اچھا اب تمہارا کیا ارادہ ہے
یوسف: ہمیں اس کیمپ کی تمام چیزوں پر قبضہ کر لینے اور تم سب کو گرفتار کر کے
اعلیٰ حضرت کے روبرو پیش کرنے کا حکم ہوا ہے۔

اراکہ نے اداس ہو کر کہا: "ہماری قسمتوں میں کنیز بننا لکھا تھا۔ بطروہ کے
لالچ نے یہ دن دکھایا۔ وہی کرو جو تمہیں حکم دیا گیا ہے۔"

مسلمانوں نے تمام خیمہ و خرگاہ اور ان کے ساز و سامان پر قبضہ کر لیا۔ تمام عورتوں
اور بچوں کو حراست میں لے لیا۔ وہاں سے ۱۴۰۰ من چاندی اور پانچ سو سنتالیس من سونا پایا۔
ان کے زیورات اور ظروف ملے۔ شہزادیوں اور [illegible] بیگموں کے پاس سے کئی خوبصورت
بیش قیمت جواہرات ہاتھ آئے۔

ابھی یہ لوگ مال غنیمت کی فہرستیں مرتب نہیں کرنے پائے تھے کہ خلیفہ الولید مع
تمام مسلمانوں کے وہاں آ گئے۔ وہ ان تیرہ مسلمانوں کی تجہیز و تکفین کر کے آئے تھے جو اس
جنگ میں شہید ہوئے تھے۔

اسی وقت سلطان کے روبرو عورتیں اور بچے جو حراست میں لے لیے گئے تھے

پیش کیے گئے۔ سلطان نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ سب سخت غمزدہ اور پریشان تھے۔
جس میں نوجوان لڑکیاں اور عورتوں کے چہرے فق پڑے ہوئے تھے۔ ان کے نازک
لب خشک ہو رہے تھے۔ وہ عجیب حسرت اور بیکسی کی نظروں سے سلطان کو دیکھ رہی تھیں۔
سلطان پر ان کی بے کسی اور غمگینی کا بڑا اثر ہوا۔ انہوں نے کہا "افسوس ہے ان شہزادوں
اور بادشاہوں پر جو اپنی مملکتیں رکھتے ہوئے ایک چھوٹی سی اسلامی سلطنت کو فتح کرنے
اور مسلمانوں کو مٹانے کے خیال سے آئے وہ اس بات کو بھول گئے کہ مسلمانوں کا بھی
کوئی حامی ہے۔ انہوں نے اپنے لشکر کی کثرت دیکھ کر اس والی کو بھلا دیا۔ مگر اس وقت
وہ کہاں ہیں؟ مسلمانوں کے والی نے انہیں موت کی نیند سلا دیا۔ وہ مسلمانوں کی عورتوں
اور بچوں کو غلام بنانے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ آج ان کی عورتیں اور بچے غلام اور کنیزیں بنے
ہوئے ہیں۔ بطروہ نے صلح کی اور اس صلح کو توڑ دیا۔ خدا نے اس کی عہد شکنی کی سزا دی۔

اراکہ نے کہا: "عالیجاہ! وہ اسی سزا کا مستحق تھا۔"

سلطان نے اس کی چکیلی صورت دیکھ کر پوچھا "تم کون ہو؟"

یوسف نے عرض کی "یہ بطروہ کی بیوی اراکہ ہیں۔"

سلطان: وہی جسے تم نے گرفتار کر کے زر فدیہ لے کر آزاد کر دیا تھا۔

یوسف: جی ہاں۔

سلطان: ہم نے اس کنیز کو تمہیں بخشا۔

اراکہ: میں کنیز نہیں بن سکتی۔ میں مسلمان ہوتی ہوں۔

سلطان: کیا اس لیے کہ کنیز نہ بن سکو۔

اراکہ: نہیں، بلکہ اس لیے کہ واقعی خدا مسلمانوں کا والی ہے۔ اس نے دو لاکھ
عیسائیوں پر ساڑھے پانچ ہزار مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ اگر اسلام خدا کا سچا مذہب نہ ہوتا تو
مسلمانوں کو ہرگز فتح نصیب نہ ہوتی۔

سلطان: تم نے ٹھیک کہا۔

اسے اس وقت مسلمان کر لیا گیا۔ سلطان نے وہیں قیام کر دیا۔ دوسرے دن تمام

مالِ غنیمت اور قیدیوں کو لے کر سلطان غرناطہ کی طرف روانہ ہوئے۔ شیخ الغزاۃ نے چند سوار فتح کی خوشخبری کے ساتھ غرناطہ دوڑا دیے۔

جب اسلامی لشکر اس میدان میں سے ہو کر گزرا جس میں جنگ ہوئی تھی تو ایک لاکھ عیسائیوں کی لاشیں دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ان سے ایسا قدسے نمایاں انجام دلایا جو نہایت ہی عجیب اور حیرت انگیز تھا۔

عیسائیوں کی لاشیں مدت تک اس میدان میں پڑی سڑتی رہیں اور ان کی ہڈیوں کے ڈھانچے برس ہا برس تک ادھر سے گزرنے والوں کو درسِ عبرت دیتے رہے۔

جب اس ہزیمت اور عیسائی لشکر کی بربادی کی خبر یورپ میں پہنچی تو ہر ملک کے ہر شہر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ گھر گھر سے نالہ و شیون کی فریادیں آنے لگیں۔ تمام یورپ پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی۔ لوگ پاپائے روم کو گالیاں دینے لگے۔ کیونکہ مقدس پوپ ہی کے حکم سے یورپ کے جری سپاہی، افسر، شہزادے اور بادشاہ اس لڑائی پر گئے تھے۔

اور جب اسلامی ثغور اور شہر غرناطہ میں فتح کی خوشخبری پہنچی تو مسلمان خوش ہو گئے۔ انہوں نے رب العزت کا شکر ادا کیا۔ پروردگار نے نہ صرف مسلمانوں کی عزت رکھ لی بلکہ دشمنوں پر ان کی ایسی ہیبت بٹھا دی کہ مدت تک عیسائی مسلمانوں کا نام سن کر لرزتے رہے۔

اہلِ غرناطہ نے فاتح لشکر اور فاتح سلطان کے استقبال کی تیاری شروع کی۔ شہر آراستہ کر کے دلہن بنا دیا گیا۔ بے شمار بڑے بڑے دروازے بنائے گئے اور انہیں زربفت اور اطلس کے غلافوں سے خوشنما بنا دیا گیا۔ بازاروں میں زربفت کے سائبان تان دیے گئے۔ دکانیں بڑے سلیقے سے سجائی گئیں۔ غرض شہر کی تزئین میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا گیا۔

ادھر استقبال کی تیاریاں مکمل ہوئیں اور ادھر سلطان مع لشکر کے آ گئے۔ جلوس ترتیب دیا گیا اور فاتح لشکر شہر میں داخل ہوا۔ مسلمانوں نے بڑا پرجوش استقبال کیا۔ "اللہ اکبر" "اسلام کی فتح" "سلطان ابوالولید زندہ باد" اور "غازیانِ اسلام کی عمر دراز" کے پرشور نعروں سے تمام شہر گونج اٹھا۔ اس لشکر پر بالاخانوں سے غرناطہ کی عورتوں اور لڑکیوں نے پھولوں کی بارش کی۔

جب مسلمانوں نے قیدی مرد، عورتیں اور بچے اور مالِ غنیمت دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔

غرض وہ دن مسلمانوں نے عید کی سی خوشی میں گزارا۔

چند روز کے بعد سلطان نے دربارِ عام کیا۔ انہوں نے مجاہدینِ اسلام کو بڑے بڑے انعامات دیے۔ افسروں کو فاخرہ خلعتیں بھی عطا فرمائیں اور ان کے عہدوں میں ترقی بھی۔ ریحان کوثر اور یوسف کو ایک ایک ہزار سواروں پر افسر مقرر کیا۔ انہیں جاگیریں بھی دیں اور انہیں سلطنت کے مشیروں میں شامل کر لیا۔

قیدی مرد، عورتیں اور بچے بھی مسلمانوں میں تقسیم کر دیے۔ ریحان، کوثر اور یوسف کو یورپ کے عالی خاندانوں کی عورتیں اور لڑکیاں بطور کنیزوں کے دی گئیں۔ مالِ غنیمت میں سے بھی سب کو حصہ دیا گیا اور سلطان نے شہر میں اس قدر داد و دہش کی کہ کوئی ایک شخص بھی غریب باقی نہ رہا۔ سب امیر ہو گئے۔ بیواؤں اور یتیموں کو اتنا دیا گیا کہ وہ فارغ البالی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگے۔ سب نے سلطان کو دعائیں دیں اور غرناطہ اور غرناطہ کی سلطنت میں اطمینان و سکون چھا گیا۔

سلطان ابوالولید البطروہ کی لاش میدانِ جنگ سے اٹھوا لائے تھے۔ انہوں نے اس کی لاش غرناطہ کے بڑے دروازے پر لٹکوا دی جو مدت تک لٹکی رہی۔

شاد کامانِ آرزو

اس جنگ کے بعد عیسائیوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ ان پر ہراس طاری ہو گیا اور مسلمانوں کی ایسی ہیبت چھا گئی کہ رات کو سوتے سوتے بھی ڈر ڈر کر اچھلنے لگے۔ انہیں خوف ہوا کہ کہیں سلطان پیش قدمی کر کے تمام عیسائی سلطنت پر قبضہ کر لیں، چنانچہ انہوں نے صلح کا پیغام بھیجا۔

اگر خلیفہ ابوالولید اس وقت عیسائی سلطنت پر حملہ کر دیتے تو تمام اندلس فتح کر لیتے لیکن مسلمانوں نے جو لڑائی لڑی تھی، اس میں کافی مشقت برداشت کی تھی۔ اب ان میں اس قدر سکت باقی نہیں رہی تھی کہ وہ پیش قدمی کر کے عیسائی سلطنت پر یورش کر دیتے۔ انہوں نے اس بات کو غنیمت سمجھا کہ اتنے بھاری لشکر کو شکست دے دی۔

سلطان نے عیسائیوں سے صلح کر لی۔ ان سے جو تاوانِ جنگ طلب کیا، انہوں نے فوراً ادا کر دیا۔ پادریوں اور افسروں نے حلف اٹھائے کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے مقابلے میں تلوار نہ اٹھائیں گے۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر سلطان ملک کے نظم و نسق میں مشغول ہو گئے۔

سلطان کوثر پر خاص مہربانی کرنے لگے تھے۔ کوثر کو یہ یاد تھا کہ سلطان نے نہ صرف ان کا نام سنتے ہی ان کے باپ موسیٰ کا نام لیا تھا اور راز کا لفظ بھی استعمال کیا تھا، وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ کیا راز تھا۔

وہ اکثر سلطان کے سلام کو جایا کرتے تھے اور ہر مرتبہ سلطان انہیں خلعت عطا کیا

کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب وہ گئے تو اتفاق سے اس مرتبہ سلطان تنہا بیٹھے تھے۔ وہ سلام کر کے بیٹھ گئے۔ ان کے دل میں یہ بات آئی کہ وہ سلطان سے اس راز کو معلوم کریں، جس کا ذکر انہوں نے کیا تھا، مگر سلطان کے رعب و جلال کی وجہ سے دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ شاید سلطان ان کے بشرے سے تاڑ گئے کہ وہ کچھ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔

سلطان نے کہا، "کوثر تم کیا پوچھنا چاہتے ہو ہم سے؟"

کوثر نے عرض کیا، اعلیٰ حضرت نے کسی راز کا ذکر کیا تھا۔ میں وہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

سلطان نے مسکرا کر کہا: ہاں ہمیں یاد آ گیا۔

سلطان نے کہنا شروع کیا۔ ہم مالقہ میں رہتے تھے۔ ہمارے والد اس وقت مالقہ کے گورنر تھے۔ تمہارے دادا مالقہ کے بڑے سوداگر تھے۔ ایک مرتبہ ہم تمہارے دادا کی دکان پر کچھ خریدنے کے لیے گئے۔ وہاں اس وقت تمہارے باپ موسیٰ بیٹھے تھے۔ وہ بڑے اخلاق اور مدارات سے پیش آئے۔ اس کے بعد ہم اکثر ان کی دکان پر جاتے رہے اور ہر مرتبہ وہ ہماری بڑی تواضع کرتے۔ رفتہ رفتہ ہم میں اور ان میں دوستی قائم ہو گئی۔ اب ہم اکثر سیر و شکار کے لیے بھی ساتھ جانے لگے اور چند ہی روز میں یہ کیفیت ہو گئی کہ ہمیں ان کے بغیر اور انہیں ہمارے بغیر چین نہ پڑتا۔ اس وقت ان کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ ہم اس دوستی کے سلسلہ کو اور مستحکم کرنے کے لیے اس فکر میں تھے کہ انہیں اپنے خاندان میں شامل کر لیں۔ اس کی تجویز ہم نے یہ سوچی کہ اپنی چھوٹی بہن کی شادی ان کے ساتھ کر دیں۔ چنانچہ ہم اپنے باپ سے اس کا ذکر کیا۔

تمہارے باپ موسیٰ عالی خاندان سے تھے۔ اس وقت مالقہ میں ان کی ٹکر کا کوئی سوداگر نہ تھا۔ شہر میں ان کی بڑی عزت تھی۔ ہمارے والد نے ہماری تجویز منظور کر لی۔ ہم نے موسیٰ سے کہہ دیا۔ مگر ہم نے دیکھا کہ وہ اس بات کو سن کر مغموم ہو گئے۔ ہمیں بڑا تعجب ہوا کیونکہ ہمارے خاندان کی عالی نسبی مشہور تھی اور ہماری بہن خوبصورت اور تعلیم یافتہ تھی۔

ایک روز ہم نے موسیٰ کو بہت ہی غمگین اور پریشان دیکھا۔ ہم نے ان سے وجہ پوچھی۔ پہلے تو ٹالتے رہے، لیکن جب ہم نے زیادہ مجبور کیا، تب انہوں نے کہا، میرے دوست

میں عجیب قسم کی اذیت میں مبتلا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ جیسے شریف، سلیم الطبع
اور عالی خاندان کی دوستی کے بالکل قابل نہیں ہوں۔

یہ کہتے کہتے ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ ہم گھبرا گئے۔ ہم نے انہیں تسلی
دی اور وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ وہ کسی لڑکی سے محبت کرنے لگے ہیں اور اس کی محبت
ان کی رگ رگ میں اس قدر سرایت کر چکی ہے کہ اسے بھولنا چاہتے ہیں مگر نہیں بھول سکتے۔

ہمیں بڑا افسوس ہوا لیکن ہم جانتے تھے کہ محبت کیا بلا ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد
تمہارے دادا کا انتقال ہو گیا اور تمہارے والد نے خفیہ طور پر اس لڑکی سے شادی کر لی۔
وہ غریب طبقہ کی لڑکی تھی۔ ان پر کچھ ایسی شرم سوار ہوئی کہ وہ ہمارے سامنے نہ آ سکے اور چند
روز کے بعد ترکِ سکونت کر کے کیوساڈا چلے گئے۔ ہمیں معلوم ہی نہ ہوا کہ وہ کب اور
کہاں چلے گئے ہیں۔ ہمیں افسوس ہوا کہ ہم نے ایک دوست کو اپنے ہاتھ سے کھو دیا اور یہ غم اور
غصہ بھی تھا کہ دوست نے ہمیں دھوکا دیا، ذلیل کیا، ہماری بہن کو ٹھکرا دیا۔

کئی سال کے بعد قسمت نے ہماری یاوری کی اور ہم غرناطہ کے بادشاہ ہو گئے۔ ایک مرتبہ
ہم کیوساڈا گئے تھے، موسیٰ ہم سے وہاں ملنے آئے۔ نزہون ان کے ساتھ تھی۔ اس وقت
اس کی عمر چھ یا سات سال کی تھی۔ بڑی پیاری بچی تھی۔ انہوں نے تنہائی میں اپنے تمام حالات
سنائے، معافی چاہی۔ ہم نے معاف کر دیا۔ ان سے غرناطہ آنے کے لیے کہا۔ انہوں نے وعدہ
کر لیا مگر نہ آ سکے۔ یہ وہ راز ہے جو ہمارا اور مرحوم کا تھا۔ تم ہمارے دوست کی اولاد ہو۔

سلطان نے انہیں بھاری خلعت دیا اور رخصت کر دیا۔ کوثر جب اپنے مکان پر پہنچے تو
انہوں نے شیخ کی بڑی تعظیم کی۔ شیخ نے کہا "بیٹا! ہم ایک درخواست لے کر آئے ہیں۔"

کوثر: درخواست نہیں، حکم کیجیے۔ فرمائیے کیا حکم ہے؟

شیخ: بھئی ہم نزہون کی درخواست کرنے کے لیے آئے ہیں۔

کوثر: وہ آپ کی بیٹی ہے۔ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ اس کا اور میرا دونوں کا آپ کو
اختیار ہے۔

شیخ خوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔ کوثر تم نے اس وقت مجھے بہت خوش کیا ہے۔

عرصے سے میری آرزو تھی لیکن اس وجہ سے کہتے جھجکتا تھا کہ کہیں تم ناراض نہ ہو جاؤ۔

کوثر: یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ بھائی ریحان، نزہون کو عیسائیوں سے چھین کر لائے
تھے۔ مجھے آپ نے پناہ دی۔ ہم دونوں آپ کے بہت شکر گزار ہیں۔

شیخ: ہم احسان کا بدلہ نہیں لینا چاہتے۔

کوثر: میں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ احسان کا نہیں۔"

غرض اسی وقت نزہون کی ریحان سے عقد کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ سلطان سے بھی اس
نکاح کی منظوری لے لی گئی اور دونوں طرف تیاریاں ہونے لگیں۔ حسانہ کو اس بات کی
بڑی خوشی تھی۔ وہ شادی کے انتظام کی تیاری میں مصروف تھی۔ سلطان نے نزہون کے جہیز
وغیرہ کا انتظام خود کیا۔

آخر عقد کی تاریخ آ گئی۔ بارات چڑھی، نزہون دلہن بنائی گئی۔ شاہی مشاطاؤں نے اس کا
سنگار کر کے اسے ایسا رشکِ حور بنا دیا کہ اس کے چہرہ کی طرف نظر بھر کر دیکھنا مشکل ہو
گیا۔ نکاح ہوا اور رخصتی ہو گئی۔ حسانہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور کمرہ میں لے جا
کر بٹھا دیا جو بہت زیادہ آراستہ کیا گیا تھا۔ جب کنیزیں وغیرہ ہٹ گئیں اور حسانہ تنہا رہ
گئی۔ تو اس نے مسکرا کر نزہون سے کہا "آخر تم پڑ گئیں نہ گلے بھائی جان کے اور بن گئیں نہ میری
بھابی۔ اس قدر روپ آیا ہے تم پر بھلا کہ تم کو پیار کرنے کو جی چاہتا ہے۔ بس جی لگے جاتی ہو
ہمارے ہاتھ سے۔"

وہ کہے جا رہی تھی اور نزہون مسکرا رہی تھی۔ آخر اس نے کہا "دیکھو، نہ گھبراتی ہو تمہیں
بھی اپنی بھابی بنا کر ہی چھوڑوں گی۔"

حسانہ: بہت، ہم تو تعریف کر رہے ہیں اور تم۔

نزہون نے ہنس کر کہا "گالیاں دے رہی ہوں۔"

حسانہ: اور کیا۔

نزہون: ذرا پاس آؤ۔ دل کیا کہہ رہا ہے تمہارا۔

اس نے حسانہ کو کھینچ کر اپنے سینہ سے لگا کر کہا "سن لیا میں نے جو تمہارا دل

کہہ رہا ہے۔

حسانہ، عمرو بن لیا ساحرہ ہو۔

نزہون کی شادی کے چند روز کے بعد نزہون نے شہزادی صفیہ سے سفارش کی کہ وہ سلطان سے عرض کریں کہ وہ کوثر کا پیغام شیخ یعقوب کو دیں۔

صفیہ نے سلطان سے عرض کیا۔ سلطان نے موقع دیکھ کر ایک روز شیخ کو حسانہ کے لیے کوثر کا پیغام دیا۔ شیخ خود اس رشتہ کو پسند کرتے تھے۔ انھوں نے منظور کر لیا۔

چنانچہ حسانہ کے عقد کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی۔ پھر دونوں طرف تیاریاں ہونے لگیں اور تاریخ مقررہ پر حسانہ کو بھی شاہی مشاطاؤں نے دولہن بنایا۔ وہ بھی رشک پری معلوم ہونے لگی۔ اسی وقت نزہون آ گئی۔ وہ اس پری رو کو دیکھ کر ششدر رہ گئی۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ آئینہ دیکھا ہے تم نے۔ اب بتاؤ کون حسین ساحرہ ہے۔ کون حوروں کی شان سے بیٹھی ہے۔ کس کی آنکھوں میں جادو ہے کس کے چہرہ پر نور برس رہا ہے۔

حسانہ اسے شرمیلی نظروں سے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ نزہون نے کہنا شروع کیا میں اپنا حسین بھاوج کو لینے آئی ہوں۔ وہ جو اس زمانہ کی مشہور شاعرہ اور ادیبہ ہے جو اس قدر حسین ہے۔ جیسے آفتاب اور ماہتاب دیکھنے کے لیے طلوع ہوتے ہیں جو چھت چڑھ ہے۔ جس کے جمال کی تجلی ہے ہمارا کاشانہ روشن ہونے والا ہے۔ مگر۔ کیا حال ہوگا۔ میرے بھائی جان کا تم جیسی چھلاوہ کو دیکھ کر۔"

نزہون ہنس پڑی۔ حسانہ حوروں کی شان سے مسکرائی۔ حسانہ کا بھی عقد ہو گیا اور رخصتی بھی ہو گئی۔

ادراکہ مسلمان ہو گئی تھی۔ وہ یوسف کی مشکور تھی۔ انھوں نے اس بت عیار کو قید سے ادا کیا تھا۔ اس نے خود یوسف کو عقد کا پیغام دیا۔ انھوں نے منظور کر لیا اور دونوں کا بھی عقد ہو گیا۔

یہ وہ جھڑ بڑ روزگار جنگ ہے۔ جس کا نام تاریخوں میں عجیب جنگ ہے۔ اس جنگ نے اسپین کے مسلمانوں کو سنبھال دیا اور ڈھائی سو سال تک کے بعد وہاں حکمران ہے۔

❖